عورت پر اسلام کی مہربانیاں

از

شیخ طریقت حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی چرتھاولی

خلیفہ و مجاز حضرت حاذق الامت صاحب (خلیفہ و مجاز حضرت مسیح الامت جلال آبادی) مدیر دار العلوم محمدیہ بنگلور

مجالس رحیمی میں پڑھ کر سنائے گئے مضامین و واقعات

مرتب

محترمہ شاہجہاں سیما صاحبہ بہادر پوری مقیم ...

بانی مدرسۃ الحسنات الباقیات جالنہ

مکتبہ طیبہ دیوبند ۲۴۷۵۵۴

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	عورت پر اسلام کی مہربانیاں
از	:	حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی حفظہ اللہ
مرتب	:	شاہ جہاں سیما حبان بہادر پوری
کتابت وتزئین	:	مولانا فہیم احمد قاسمی سرسی سیتامڑھی حبان گرافکس بنگلور
باہتمام	:	مولانا محمد طیب قاسمی
تعداد	:	
قیمت	:	
ناشر	:	مکتبہ طیبہ نزد سفید مسجد، دیو بند، سہارنپور-247554(یوپی)

RAHEEMI SHIFA KHANA

#248, 6th Cross, Gangondanahalli Main Road,
Nayandhalli Post, Maysore Road
BANGALORE - 560039 (INDIA)
Ph.: 080-23180000, 23397836/72
www.raheemishifakhana.com
E-mail.: raheemishifakhana@yahoo.com

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
1	ثواب اور انتساب	9
2	حروفِ جہاں	10
3	ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح	12
4	امہات المومنین رضی اللہ عنہن	17
5	صحابیات رضی اللہ عنہن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاریں جان سے زیادہ عزیز تھیں	31
6	حسینہ بیگم کے قبول اسلام کی داستان	35
7	معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	43
	قرض بھی ادا ہو گیا، کھجوریں بھی کم نہ ہوئیں	43
	اے اللہ! اس کا نشانہ درست کر دے!	45
	اس کا حق فوراً اسے دے دو!	45
8	اسلام میں پردہ	48
9	اسلام میں شوہر کے حقوق	51
	بیویوں کو مطالبات میں اعتدال سے کام لینا چاہیئے	51
10	جہیز کی حقیقت قرآن وسنت کی روشنی میں	56
	جہیز کی حقیقت	56

	جہیز میں قابل لحاظ امور	57
	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز	57
	مروجہ جہیز کی خرابیاں	59
11	شادیوں میں ناچ گانے ایک غیر شرعی عمل	60
12	ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق	64
13	قیام امن میں پیغمبر اسلام کا کردار	67
14	نکاح میں تاخیر... اخلاقی برائیوں کا باعث	72
15	خواتین کیلئے حجاب سب سے بہتر	75
	مخلوط تعلیم کا زہر	76
	اسلام عفت وعصمت والا دین ہے	77
	کونسی ترقی محمود ہے؟	78
	حفاظتِ نظر کا حکم	79
16	عورت کی حیثیت مختلف مذاہب میں	80
17	ماں ہو تو ایسی؟	91
18	تربیت اولاد	96
	حلال غذا کی ضرورت واہمیت	97
	آداب طعام کا بیان	98
	آداب لباس کا بیان	98
	شعر وشاعری کی وبا	99
	نیکیوں پر ابھارنے اور برائیوں سے روکنے کا طریقہ	99
	زیادہ جھڑکنے کے نقصانات	100
	سونے کے آداب ولوازم	100
	غرور اور تکبر کی ممانعت	101

	آداب مجلس و آداب کلام	102
19	گالی گلوچ سے پرہیز کرنے کی سخت تاکید	103
20	مصیبت سے نجات کیسے؟	108
21	قرابت دار کے ساتھ حسن سلوک	111
	خلاصۂ کلام	113
22	علاج کرانے میں پردہ کا اہتمام واجب ہے	114
	علاج کیلئے ستر کھولنے کے احکام	115
	ولادت کے موقع پر بے احتیاطی	116
23	مصیبت کے وقت بھی پردہ لازم ہے	119
24	عہد رسالت ﷺ میں پردہ کا اہتمام	121
	سفر میں شادی اور ولیمہ	123
25	مال کی اہمیت اور حفاظت	125
	مال یتیم کی حفاظت	126
	عورتوں اور بچوں کے مال کی حفاظت	128
	دوسرے کے مال کی حفاظت	130
26	غیر مخلوط اسلامی معاشرہ	133
27	عورتوں کیلئے اخلاقی ہدایات	137
	اخلاقی ہدایات احادیث منورہ میں	142
	مثالی خاتون کیسی ہوتی ہے	143
	نقالی کرنے والے مرد اور عورتیں	144
	عورتوں کو کیسا رہنا چاہئے	144
	عورتیں باہر کیسے نکلیں	146
28	کھانے پینے کے آداب	147

	پہننے اور اوڑھنے کے آداب	151
	مہمان کے متعلق آداب	153
	سلام کے آداب	154
	مجلس کے آداب	155
	چھینک اور جمائی کے آداب	156
	لیٹنے اور سونے کے آداب	156
	خواب کے آداب	157
	سفر کے آداب	158
	طہارت کے آداب	160
	بعض وہ آداب جو عورتوں اور لڑکیوں کیلئے مخصوص ہیں	161
	متفرق آداب	161
29	مساوات مرد وزن کے مغربی نعرے کی حقیقت	164
30	عدت اور سوگ کے احکام	171
31	عورتوں کی معاشی تمکین قرآن وسنت کی روشنی میں	176
32	زینب الغزالیؒ صحابیات کا علمی نمونہ	181
33	مریض کی عیادت کیسے کریں؟	189
	قریب المرگ لوگوں کو لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کی تلقین کا حکم	195
34	رشتۂ زوجین پر قرآنی تشبیہ کا مطالعہ	198
	چند اصولی باتیں	199
	لباس کے مقاصد واہداف	200
	ستر پوشی وپردہ داری	202
	زینت وآرائش	204
	مشکلات زندگی میں مدد ومعاونت	206

	لباس کے اوصاف	207
	نوع واصل	207
35	غیبت کسے کہتے ہے؟	209
	کیا کیا چیز غیبت ہے؟	210
	غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے	211
	غیبت کرنا مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے	211
36	زبان کے گناہ اور ان سے حفاظت	213
37	حضرت رابعہ بصریہ کا زہد وتقویٰ	218
	اللہ کے یہاں تقرب کا ذریعہ	218
	دنیا اس کے مالک سے مانگنے میں بھی مجھے شرم آتی ہے	219
	حرام کھلایا تو معاف نہیں کروں گی	219
	حضرت رابعہ کا مجاہدہ	220
	محبوب کے ساتھ خلوت	220
	ہائے غم کی کمی!!	220
	جس کی خاطر محبت ہے اس کی نافرمانی نہ کرو	221
	حضرت رابعہؒ کی نصیحت	221
38	نکاح کی فضیلت اور زنا کی نحوست	222
	مفاسدِ زنا	224
39	نکاح سے خیر وبرکت حاصل ہوتی ہے	229
40	احسان کا تعلق ہماری زندگی کے ساتھ	234
41	عورتوں کے نام....ایک درد بھرا پیغام	241
42	بیوی کے حقوق	246
43	میاں بیوی- آپس میں کیسے رہیں؟	254

44	حجاب مسلم خواتین کیلئے کتنا ضروری	261
45	صحابیات کے کارنامے اور اسلامی خدمات	267
46	بیواؤں سے متعلق اسلامی تعلیمات نے مجھے مسلمان بنا دیا	274
47	بیٹی زحمت نہیں رحمت ہے	279
	بیٹی کی پیدائش پر ناراضگی زمانہ جاہلیت کی عادت	280
	بیٹی بھی بیٹے کا بدل بن سکتی ہے	281
	رحم مادر میں بیٹی کا قتل انتہائی سنگین جرم	282
	اسقاط حمل کے خلاف حکومت کا بہترین اقدام	284
48	ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی طبی خدمات	286
49	شرم وحیا	292
50	اسلام میں عورتوں کے حقوق	296
51	چالیس احادیث عورتوں کی فضیلت میں	304
52	دخترِ اسلام باحیا مسعودہ بیگم کی داستانِ عظیم	312
53	عید الفطر کا پیغام	320
	اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد نہ ہوا	322
	دنیا حقیقی عید سے محروم ہے	324
54	رتیجل کوری خاتون کی بہادری	327
55	دونوں کی محنتوں سے گھر چمن بنتا ہے	333
	مرد اور عورت	336
56	میاں بیوی کیلئے بنیادی تعلیمات	339
	شوہر کے اصول	340
	بیوی کے لئے اصول	343
57	رسول اللہ ﷺ کی انسانیت نوازی	347

"عورت پر اسلام کی مہربانیاں" کا

انتساب
اور
ثواب

میں اپنے والد بزرگوار حضرت منشی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہٗ اور والدہ بزرگوار جمیلہ بیگم صاحبہ کے نام معنون کرتی ہوں۔

اللہ تعالیٰ والد بزرگوار کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین! اور والدہ صاحبہ کا سایۂ رحمت تادیر ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔ آمین!

خاکسار

شاہ جہاں سیما حبان بہادر پوری

مقیم سیما منزل بنگلور کرناٹک

حروفِ جہاں

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم. امابعد!

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ میں جب لاشعوری سے باہر آئی تو مجھے اپنے اطراف ایسا دینی ماحول ملا جو کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، میرے والد محترم منشی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ خالص مذہبی انسان تھے جنہوں نے کبھی دنیا کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا، خاندان اور اہل خاندان متموّل اور خوشحال تھے۔ دادا چھجو خان صاحبؒ بارہ سو بیگھہ کے زمیندار تھے۔لیکن والد صاحب ہمیشہ فکر آخرت سے سرشار رہے۔

میرے نانا مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ (نہلو یا موانہ میرٹھ) کی صحبت اور قرابت نے والدؒ صاحب کو مزید دیندار بنادیا اور انہوں نے ہم تمام بہنوں اور بھائیوں کی ایسی تربیت کی جس پر بحمد اللہ تعالیٰ تمام رشتہ دار ناز کرتے ہیں۔

یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ میرا نکاح ایسے گھرانے میں ایسی شخصیت سے عمل میں آیا جن کو دنیا ''حبیب الامت حضرت مولانا حکیم ڈاکٹر محمد ادریس حبان رحیمی'' کے نام سے جانتی ہے۔ غرض ننہال و ددھیال اور پھر سسرال کے ماحول میں زندگی بسر ہوئی اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ پانچ پشتوں سے علم و فضل رہا، یہ اُسی کا ثمرہ

ہے کہ میرے شوہر اور میرے بھائی میری اولاد سب کو اللہ تعالیٰ نے دینی ماحول عطا فرمایا۔ یوپی سے کرناٹک 37 سال قبل آگئے تھے یہاں بھی اسی ماحول میں وقت گذرا۔ حضرت مولانا محمد ادریس حبان رحیمی دامت برکاتہم کی مجلس میں پڑھ کر سنائے جانے والے واقعات اور مضامین کو وقتاً فوقتاً جمع کرلیا۔ پھر دل میں خیال آیا کیوں نا اسے کتابی شکل میں شائع کریں؟ چنانچہ میں نے جن حضرات کے مضامین اس میں شامل کئے ہیں ان کی شکر گذار ہوں اور ان کے لئے دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین!

میرے سرتاج حضرت مولانا حبان نے اس کو شائع کرنے کی اجازت دی ان کی بے حد ممنون و مشکور ہوں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو خواص و عوام کے لئے بالخصوص طالبات اور مستورات کے لئے نافع بنائے آمین ثم آمین! اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور میرے والدین کو اس کا ثواب پہونچے۔ آمین!

خاکسار

شاہ جہاں سیما حبان بہادر پوری

سیما منزل بنگلور کرناٹک

۲۳ر صفر المظفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۶ر دسمبر ۲۰۱۵ء بروز اتوار

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب رجب ۱۰ نبوی میں وفات پا گئے اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سیدہ خدیجہ بھی جنت کے لئے روانہ ہو گئیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ خدیجہ کی شادی کا پچیسواں سال تھا اور دسویں سن نبوی کے ماہ رمضان کی دسویں تاریخ تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی ہستی تھیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر اور عظمت کو پہچانا تھا اور اپنا تن من دھن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ۲۵ برسوں تک ہر ہر مشکل گھڑی میں خندہ پیشانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ وہ مکہ کے ایک سردار خاندان کی بیٹی اور خواتین کی سردار تھیں۔ مال و دولت، عزت و وقار ہر چیز ان کے پاس وافر تھی، اور انہوں نے اپنی ہر چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی پر قربان کر دی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگسار بیوی، بہترین مشیر اور گھریلو ریاست کی منتظم تھیں، وہ اس ریاست کو چلانے کے علاوہ بنانے میں بھی بے مثل تھیں۔ ان کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر اور بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کی کبھی کوئی فکر نہیں ہوئی تھی۔

اس طرح باہر کفار سے مقابلہ میں ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا اور گھر میں بچیوں کی دیکھ بھال کرنے والا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد کوئی نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں اور ساتھیوں اور مخلص رشتہ داروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصروفیات اور مشکلات کا احساس تھا۔ وہ ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعاون کرنا چاہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا سکون بحال کرنے کے بارے میں سوچتے رہتے تھے۔ اس طرح نکاح ثانی کے لئے تقاضے بڑھنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رضا مندر ہوگئے، پھر ہمدرد رشتہ تلاش کرنے لگے ایک دن حضرت عمر کے برادر نسبتی حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ آپ کے پاس آئیں اور کہا: یا رسول اللہ! آپ شادی کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کس سے؟ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے پھر پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوشیزہ سے شادی کریں گے یا شوہر دیدہ سے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: دوشیزہ کون ہے اور شوہر دیدہ کون ہے؟ حضرت خولہ کا جواب تھا دوشیزہ عائشہ بنت ابوبکر اور شوہر دیدہ سودہ بنت زعمہ جو مسلمان بھی ہیں اور آپ کی پیروکار ہیں آپ نے اجازت فرمائیں حضرت خولہ پہلے حضرت ابوبکر کے گھر گئیں اور آپ کی بیوی سے کہا ''مبارک ہو'' انہوں نے پوچھا: کیسی مبارکباد، جواب ملا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عائشہ کے رشتے کے لئے بھیجا ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر کی بیوی نے کہا: ابوبکر آنے والے ہیں ان سے بات کرنا تھوڑی ہی دیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت خولہ نے ان سے کہا: ''آپ کو اللہ نے عظیم خیر و برکت سے نوازا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ حضرت خوالہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ کے رشتے کے لئے بھیجا ہے اس پر حضرت ابوبکر بولے عائشہ تو رسول اللہ کے بھائی کی بیٹی ہے؟ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا واپس رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور جو کچھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا بیان کر دیا، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: ''ابوبکر میرے اسلامی اور دینی بھائی ہیں، ان کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہوں۔ حضرت خوالہ واپس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور انہیں آپ کا جواب بتایا، اس پر حضرت ابوبکر بولے: تم ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں ان کی بیوی نے حضرت خولہ سے کہا کہ عائشہ کا رشتہ مطعم بن عدی کے لڑکے سے طے ہو چکا ہے ابوبکر کبھی وعدہ خلاف نہیں کرتے وہ ان کے پاس گئے ہیں کہ معلوم کریں کہ ان کا شادی کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟

حضرت ابوبکر مطعم بن عدی کے پاس گئے اور ان سے ان کے بیٹے اور حضرت عائشہ کی شادی کے بارے میں بات کی تو فوراً مطعم کی بیوی نے کہا: ''اگر ہمارے بیٹے کی شادی آپ کی بیٹی سے ہو گئی تو آپ اسے بھی اپنی طرح بے دین بنا دیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطعم سے پوچھا کیا تمہارا بھی یہی فیصلہ ہے؟ مطعم نے جواب دیا: ''ہاں! حضرت ابوبکر واپس گھر آئے اور حضرت خولہ سے کہا جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو تشریف لائیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے گھر تشریف لے گئے اور آپ سے حضرت عائشہ کی نسبت طے کر دی گئی۔ حضرت عائشہ سے آپ کے نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں بہت بحثیں اور جھگڑے کیے جاتے ہیں اور بہت سی توضیحات پیش کی جاتی ہیں، ہم ان باتوں میں نہ پڑ کر چند اصولی اور فطری حقائق کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں:

ا۔ حضرت عائشہ کی نسبت مطعم بن عدی کے بیٹے سے طے ہو چکی تھی جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اس سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ کی عمر اس وقت اتنی ضرور تھی جتنی عمر میں قریش مکہ اپنی بیٹیوں کی شادیاں کرتے تھے۔

۲-حضرت خولہ نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ شادی کریں گے تو آپ نے فرمایا کس سے؟ اس پر حضرت خوالہ نے عائشہ بنت ابو بکر اور سودہ بنت زمعہ کا نام لیا اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت اتنی کم ہوتی جس میں قریش اپنی بیٹیوں کی شادیاں نہیں کرتے تھے تو حضرت خوالہ آپ کے سامنے ان کا رشتہ کیسے پیش کرتیں؟

۳-حضرت خوالہ کی تجویز پر آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ عائشہ سے نکاح کیسے ہوسکتا ہے وہ تو بہت چھوٹی ہیں بلکہ آپ نے اجازت دے دی؟

۴-جب حضرت خولہ نے حضرت ابو بکر سے آپ اور حضرت عائشہ کے رشتے کے بارے میں کہا تو حضرت ابو بکر نے بھی یہ نہیں کہا کہ عائشہ تو ابھی بہت چھوٹی ہیں۔

۵-مطعم بن عدی کے جس بیٹے سے حضرت عائشہ کی نسبت طے ہوچکی تھی اس کا نام جبیر تھا اس کی عمر اتنی تھی کہ وہ باقاعدہ تجارتی قافلے لے کر شام جایا کرتا تھا جب بیعت عقبہ کے بعد قریش کے سوار حضرت سعد ابن عبادہ کو پکڑ کر مکہ لے آئے تو جن دو لوگوں نے انہیں قریش سے نجات دلائی ان میں سے ایک یہی جبیر بن مطعم تھا، کیوں کہ حضرت سعد ابن عبادہ سے اس کا عہد و پیمان تھا۔

۶-مکہ کی پارلیمنٹ (دارالندوہ) کی رکنیت چالیس سال کی عمر کے بعد ہی ملتی تھی اور جس اجلاس میں اس پارلیمنٹ نے آپ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس میں بھی یہ جبیر بن مطعم موجود تھا گویا اس کی عمر اس وقت چالیس سال سے زیادہ تھا اس وقت کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے قبائلی نظام زندگی میں لڑکیوں کی شادیاں جلد ہو جاتی تھیں، اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عائشہ سے نکاح کے وقت آپ کی عمر اکیاون برس تھی تو جب مطعم جس سے حضرت عائشہ کی نسبت طے ہوچکی تھی اس کی عمر بھی اس وقت چالیس سے اوپر تھی، اس کے علاوہ اس

وقت کے قبائلی نظام میں بلکہ آج بھی عربوں میں کسی خاندان سے اتحاد اور تعلق مضبوط کرنے کے لئے اس میں بیٹے اور بیٹی کی شادی کا طریقہ عام تھا، اس سے دونوں قبیلے مضبوط رشتوں میں بندھ جاتے تھے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کے رشتہ لینے گئے اور خود بھی اسی گھر میں نکاح کر لیا حضرت عبدالمطلب دادا تھے، نانا تھے، اور ان کی نئی بیوی کم عمر تھیں، پھر بھی ان کے والدین نے اعتراض نہیں کیا بلکہ خوشی سے نکاح کرادیا۔ کیوں کہ اس وقت کے عربی معاشرہ میں بلکہ آج بھی یہ رواج موجود ہے کہ بڑے لوگوں، بڑے سرداروں اور بڑے قبیلوں کے افراد سے بیٹیوں کی شادی کرا کر کے تعلق قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۷- پھر حضرت عائشہ کی بھی تاریخ پیدائش درج نہیں تھی اور نہ ہی نکاح کا کوئی اندراج کیا گیا تھا اس بارے میں ساری باتیں اندازے سے زیادہ کچھ نہیں ہیں اصل اور مسلم حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ان کی عمر اتنی ضرور تھی جتنی عمر میں قریش مکہ لڑکیوں کی شادیاں کرتے تھے، اب تک مفسرین، مورخین اور سیرت نگاروں نے جتنی بحثیں کی ہیں ان میں ان فطری باتوں کو اور اصولی (Facts) کو سامنے نہیں رکھا گیا ہے۔ کہ جب آپ سے حضرت عائشہ کا نکاح ہوا اس وقت وہ مکہ کے معاشرے کے معیار کے مطابق نکاح اور شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں اور آج بھی عربی معاشرے میں میاں بیوی کی عمروں میں فرق کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

(بحوالہ الامین، محمد رفیق ڈوگر، دید شنید پبلیشرز لاہور)

☆☆☆

امہات المومنین رضی اللہ عنہن

احادیث میں تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان و مرتبہ کا بڑے پرشوکت انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے مگر صرف اختصار کی وجہ سے ایک حدیث درج کی جاتی ہے ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نہیں نکاح کیا میں نے کسی عورت سے اپنا اور نہیں نکاح کیا کسی مرد سے اپنی بیٹیوں کا لیکن اس وقت جب کہ آئے جبرئیل میرے رب کے پاس سے اس کا حکم لے کر۔

احادیث تو ایک طرف رہیں خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا ان کا ذکر فرمایا: سورہ احزاب کے رکوع نمبر ۴: میں ارشاد ہوتا ہے: "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ"۔ (سورہ احزاب، آیت: ۳۲)

ترجمہ: "اے رسول کی بیبیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو یعنی تم تمام عورتوں میں بہتر ہو"۔

دوسری جگہ فرمایا جاتا ہے: "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا"۔

''اے نبی کی بیبیو! خدا چاہتا ہے کہ دور کردے تم سے گندگی اور پاک کردے تم کو جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے''۔

اس آیت کے متعلق منکرین قرآن کو کلام ہے کہ آیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی شان میں نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں جمع مذکر کے صیغے ہیں عورتوں کے لئے مونث کے صیغے استعمال کئے جاتے ہیں مگر وہ اس کو نہیں دیکھتے کہ لفظ اہل بیت سے سوائے عورتوں کے کوئی مرد مراد نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ کلام عرب اور فصحائے عربیت کے اقوال واشعار میں اس کی شہادت موجود ہے۔ چنانچہ خود قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ قَالُوْا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ'' (سورہ ہود:۷۳)

''کیا تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم سے رحمتیں اور برکتیں ہوں تم پر اے اہل بیت'' (اے ابراہیم کی بی بی)''

یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی کے متعلق ہے۔ اس آیت میں لفظ اہل بیت کا استعمال کیا گیا ہے اور اس سے صرف عورت مراد ہے نہ کہ مرد۔ سورہ قصص کے رکوع:۱، آیت:۱۲، میں فرمایا جاتا ہے:''فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰٓی اَهْلِ بَیْتٍ یَّکْفُلُوْنَهٗ لَکُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ''۔

اس آیت میں بھی لفظ اہل بیت کا مذکر کے صیغوں کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ مخاطب ہیں اس کے علاوہ قرآن پاک میں اکثر مقام پر لفظ اہل کا مذکر کے صیغوں کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ وہاں بھی سوائے بی بی کے اور کوئی مرد مراد نہیں ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:''اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْکُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا''۔ (طہٰ:۱۰)

جب موسیٰ نے آگ دیکھی تو اپنی بی بی سے کہا کہ ٹھہرو۔ میں نے آگ دیکھی ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: "اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا" (سورہ النمل) "جب کہا موسیٰ نے اپنی بی بی سے میں نے دیکھی ہے آگ"۔

باوجود ان زبردست خدائی بیان کردہ فضائل ومناقب کے کچھ لوگ ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا منافق تھیں نعوذ باللہ اگر یہ منافقہ ہوتیں تو پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکاح کرتے؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ پارہ نمبر ۲ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۲۱ میں فرماتا ہے: "وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ" یعنی تم نکاح نہ کرنا شرک والی عورتوں سے جب تک وہ مومنہ ہو جائیں۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو احکام الٰہی پر سب سے زیادہ فطرتاً عامل تھے۔ ان سے نکاح فرمانا بھی ان کے مومن ہونے کی دلیل ہے۔

سورہ احزاب میں حضرت حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا"۔ (احزاب:۲۸)

"اے ایمان والو! اپنی جان سے زیادہ تعلق رکھو نبی سے اور اس کی بیویوں سے کیوں کہ وہ تمہاری مائیں ہیں"۔

اس آیت سے کمال فضیلت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تو اضح ہوتی ہے کیونکہ اللہ نے مومنین سے کہا کہ وہ اپنی جان سے زیادہ جس طرح نبی کو دوست رکھیں اس طرح رسول کی بیبیوں کو بھی دوست رکھیں۔ کیونکہ وہ تمہاری مائیں ہیں اور جو مرتبہ ماں باپ کا خدا نے بیان کیا ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمائیے حد ہے کہ اپنی بندگی کے ساتھ والدین کی اطاعت وفرمانبرداری اور اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

"وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا"۔ "اور بندگی کرو اللہ کی اور نہ شریک کرو اس کے ساتھ کسی کو اور ماں باپ سے نیکی کرو"۔

اس کے علاوہ خدا نے ماں باپ سے اس قدر عزت وتکریم کرنے کا حکم دیا ہے کہ اگر ماں باپ سے غلطی ہو جائے تو ان کو اف نہ کہو۔ چہ جائے کہ ان کو برا بھلا کہنا بہت بری بات ہے۔

"وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا"۔ (بنی اسرائیل:۲۳)

"حکم کیا تیرے رب نے کہ نہ پوجو اس کے سوا کسی کو اور ماں باپ سے بھلائی کرو۔ اگر پہنچیں تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک یا دونوں تو نہ اف کہنا اور نہ جھڑکنا پھر کوئی ان کو اور ادب کے ساتھ ان سے باتیں کیا کرو۔ یہ ہے فضیلت ماں باپ کی کیا ان سے یہی برتاؤ کرنا چاہیے۔ اسی حرمت کے مظاہرے کو مدنظر رکھ کر مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے"۔

"وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا"۔ "اے ایمان والو! تم کو جائز نہیں کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور یہ کہ نکاح کرو اس کی بیبیوں سے اس کے بعد کبھی"۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اگر تم رسول کی بیبیوں سے نکاح کرو گے تو رسول کو تکلیف ہوگی۔ جب نکاح کرنا رسول کی بیبیوں سے رسول کبھی گوارا نہیں کرتا تو ان کے ساتھ ہی کسی قسم کی گستاخی کرنا کب گوارا ہو سکتا ہے۔ اب یہاں تک پہنچ جانے کے بعد سخت ناانصافی ہوگی۔ اگر ہم مجملاً ان ذات مقدسہ کے مختصر حالات سے اپنے بھائیوں کو نہ آگاہ کریں۔

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا: آپ خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ بن کلاب کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کا نسب مبارک قصیٰ میں آنحضرت ﷺ سے جا کر مل جاتا ہے۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بن زائدہ قبیلہ بنی عامر بن لوی سے تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کنیت "ام ہند" ہے آپ کا پہلا نکاح عتیق بن عائذ سے ہوا تھا اور ان سے ایک دختر اور فرزند تولد ہوئے اور عتیق کے بعد ابو ہالہ بن بناش سے نکاح ہوا اور ان کے دولڑکے ہالہ اور ہند پیدا ہوئے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بڑی عقلمند وفریس اور مالدار تھیں۔ ایام جاہلیت میں آپ کو طاہرہ بھی کہتے تھے۔ آپ کے فضائل کتب احادیث میں بہت ہیں۔ یہاں چند خصائص تحریر کیے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ جب تک حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں حضور ﷺ نے دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔

بخاری و مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "خیر نسائها خدیجة بنت خویلد". "اس امت کی عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہے"۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت اسلام میں اتنی زبردست ہے کہ بارہا خود اللہ نے آپ کو بواسطہ حضرت جبرئیل سلام بھیجا ہے۔ بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "فاذا اتتک فاقرء علیها سلام من ربها و منی" "جب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں تو انہیں ان کے رب کا اور میرا اسلام کہنا"۔

چوتھے حضور ﷺ کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم کے انہیں کے بطن سے تھی ابو ہالہ کے انتقال ہو جانے پر بعوض پانچ سو درہم مہر کے حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال اور رسول خدا کی عمر پچیس سال کی تھی۔ آپ کی وفات بعمر پینسٹھ سال نبوت کے دسویں سال بماہ رمضان مبارک

واقع ہوئی۔ آپ کا مدفن مقبرہ حجون ہے۔ آپ کی وفات شریف سے رسول خدا ﷺ کو بہت رنج ہوا تھی کہ اس سال کا نام آپ نے عام الحزن رکھا۔

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا: آپ کے والد کا نام زمعہ بن قیس تھا آپ کا نسب بھی رسول اللہ ﷺ کے نسب سے لوی میں جا کر مل جاتا ہے۔ آپ کی کنیت ام الاسود ہے۔ شروع نبوت میں بمقام مکہ معظّمہ آپ اسلام لائیں۔ پہلے آپ کا نکاح آپ کے چچا کے بیٹے سکران صحابی سے ہوا حضرت سودہ نے سکران کے ساتھ حبشہ کی ہجرت کی بعد ایک مدت کے مکہ معظّمہ میں واپس آئیں۔ سکران کے انتقال کے بعد نبوت کے چودھویں برس بعد وفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور قبل نکاح عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ نے بعوض چار سو درہم نکاح کیا۔

۸ ہجری میں جب رسول اللہ ﷺ نے آپ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھ کو طلاق نہ دیجئے اور میری آرزو ہے کہ میں بروز قیامت آپ کی ازواج میں محشور ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے سودہ کی درخواست منظور فرمائی تو یہ آیت: وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا ۔ ”اور اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند سے (اس کی) زیادتی یا روگردانی کی وجہ سے تو نہیں کوئی حرج ان دونوں پر کہ صلح کرلیں آپس میں اور صلح ہی (دونوں کے لئے) بہتر ہے۔ (سورہ نساء:۱۲۸)

انہیں کی شان میں ہے آپ کی روایات سے کتب حدیث میں صرف پانچ حدیثیں ملتی ہیں ایک حدیث بخاری میں اور چار حدیثیں سنن اربعہ میں اور مواہب لدنیہ میں ہے کہ ۵۴ ہجری میں بزمانہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ وفات ہوئی اور بعضوں نے ۵۵ ہجری وفات کی تاریخ کہی ہے۔ مگر جمہور اس طرف ہیں کہ آپ کی وفات حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آخر زمانہ خلافت میں ہوئی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: آپ کے والد کا اسم گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے آپ کا نسب پاک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے آٹھویں پشت میں ملتا ہے اور آپ کی کنیت ام عبداللہ ہے۔

آپ کی والدہ رومان بنت عمیر ہیں۔ آپ بڑی فصیحہ، بلیغہ، متقیہ، فقیہہ تھیں۔ سلف سے منقول ہے کہ چہارم حصہ احکام شرعیہ کا مسلمانوں کو آپ سے پہنچا۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معانی قرآن کے جاننے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب صحابہ کرام میں ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں احادیث بہت ہیں۔

بخاری و مسلم میں ہے: "**یا عائشہ ھذا جبریل بقراء ک السلام قالت وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ**"

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا اے عائشہ! جبرئیل آئے ہیں تم کو سلام کہتے ہیں آپ نے انہیں وعلیکم السلام فرمایا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ سے فرمایا: "**یا بنیۃ الا تحبین ما احب قالت بلیٰ احببن ھذہ**"

اے بیٹی! کیا دوست نہیں رکھتی تو اس کو جس کو میں دوست رکھتا ہوں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگیں میں یقیناً اس سے محبت کرتی ہوں جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اچھا عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کیا کرو اور جس چیز سے اس کو صدمہ پہنچتا ہو اس کو زبان پر نہ لایا کرو۔ اسی بخاری کی ایک دوسری روایت ہے کہ اے ام سلمہ رضی اللہ عنہا تو مجھ کو رنج نہ دے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اس لئے کہ سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے تم سے کسی عورت کے لحاف میں مجھ پر وحی نہیں اترتی۔ علاوہ احادیث کے قرآن کریم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت مذکور ہوئی ہے۔

سورہ نور ان کی طہارت اور عظمت کی دلیل ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ کو تمام ازواج مطہرات میں چند باتوں کی فضیلت اور خصوصیت ہے۔ اول باکرہ عورت سوائے میرے کوئی نہ تھی۔ دوم کسی بی بی کے ماں باپ دونوں نے ہجرت فی سبیل اللہ نہیں کی۔ تیسرے میری پاکی خدا نے قرآن میں بیان فرمائی۔ چوتھے سوائے میری کسی بی بی کے لحاف میں وحی نازل نہیں ہوئی۔ پانچویں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے زانو پر ہوئی چھٹے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے مکان میں ہوئی اور میرے ہی حجرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہوئے۔ وغیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بعد انتقال حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کے مکہ میں شوال کے مہینہ میں دسویں سال نبوت کے ہجرت سے تین برس پہلے ہوا۔ آپ کا مہر پانچ سو درہم طے ہوا تھا۔ آپ ماہ رمضان ۵۸ ہجری وفات پائی۔ آپ کی روایت سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں کتب صحاح میں مروی ہیں ایک سو چوہتر متفق علیہ ہیں جس میں بخاری شریف میں ۵۴ اور مسلم شریف میں اٹھائیس باقی اور دوسری کتابوں میں ہیں۔

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا: آپ حضرت عمر فاروق بن خطاب کی صاحبزادی ہیں آپ کی والدہ کا نام زینب تھا۔ آپ نبوت کے پانچویں سال قبل ہجرت پیدا ہوئیں۔ پہلے خاوند آپ کے حضرت قیس بن مذافہ مہاجر حبشہ اور حاضرین بدر سے تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو فاروق اعظم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد پیغام دیا۔ مگر آپ اس وقت بہت مغموم تھے۔ اس لئے آپ نے یہ کہہ کر سوچ کر جواب دونگا ٹالا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عثمان رضی اللہ عنہ کو تمہاری لڑکی سے بہتر بی بی اور تمہاری لڑکی کو خاوند عثمان رضی اللہ عنہا سے بہتر عطا کرے گا۔ بعدہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام

کلثوم رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ اور ۳ ہجری میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے خود نکاح کرلیا۔ حضرت حفصہ کی وفات ۴۵ ہجری میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ آپ کے فضائل بکثرت ہیں آپ کی مرویات سے ساٹھ حدیثیں اس وقت موجود ہیں جس میں چار متفق علیہ ہیں۔

ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا: آپ کے والد کا نام خزیمہ بن حارث ہے پہلا نکاح آپ کا طفیل بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوا۔ جب اس نے طلاق دی تو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث سے جو کہ طفیل کے بھائی تھے نکاح کیا جب عبیدہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے تو بعد انقضائے عدت بماہ رمضان ۳ ہجری میں آپ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور کنیت آپ کی بسبب طعام مساکین وشفقت رحمت واحسان کرنے کے ام المساکین تھی۔ صرف آٹھ مہینہ زندہ رہیں۔ یعنی ماہ ربیع الثانی ۴ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا: آپ ابوامیہ سہیل بن مغیرہ مخزومی کی صاحبزادی ہیں آپ کا نام ہند تھا اور کنیت ام سلمہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ پہلے خاوند آپ کے ابوسلمہ عبداللہ بن عبداللہ تھے۔ ان سے عمر وسلمہ وزینب وزرہ پیدا ہوئے۔ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں مجروح ہو کر فوت ہوگئے۔ آپ کو بہت رنج ہوا اور آپ نے ایک دعا پڑھنا شروع کی۔ جس دعا کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ ان کلمات کو زبان سے کہے بس اللہ تعالیٰ اس کو اس فوت شدہ چیز سے بہتر عنایت کرے گا وہ دعا یہ ہے: ”اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ عِنْدَ اَحْتَسِبُ مُصِیْبَتِیْ ھٰذِہٖ اَللّٰھُمَّ اَخَافَنِیْ فِیْھَا خَیْرًا“ آپ اس دعا کو پڑھتی تھیں اور اپنے دل میں کہتی تھیں کہ ابوسلمہ سے بہتر خاوند کہاں مل سکتا ہے؟

اس دعا کا ثمرہ یہ ہوا کہ بعد انقضائے عدت رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیغام حاطب ابن طتبعہ کے ذریعہ سے بھیجا تو ام سلمہ نے کہا کہ اب بوڑھی ہوں اور میرے بچے یتیم ہیں یہ حال سن کر حضرت ﷺ جناب ام سلمہ کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ میں تجھ سے عمر میں زیادہ ہوں اور خدا اور رسول یتیموں کا کفیل ہے تب ام سلمہ نے ۴ ہجری ماہ شوال میں بعوض دس درہم مہر کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ آپ کی وفات شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعمر ۸۴ سال ۶۱ ہجری میں ہوئی۔ روایات آپ کی کتب حدیث میں تین سو چوہتر ہیں۔ آپ کا مدفن بھی جنت البقیع ہے۔

ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش: آپ جحش بن رباب کی بیٹی ہیں۔ والدہ کا نام امیہ بن عبد المطلب اور پہلا نام آپ کا برہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے آپ کا نام زینب رکھا۔ آپ کا پہلا نکاح زید بن حارثہ کے ساتھ ہوا۔ جب انہوں نے طلاق دے دی تو آنحضرت ﷺ نے بماہ ذیقعدہ ۵ ہجری میں اپنے ساتھ نکاح کیا۔ منقول ہے کہ جب عدت کے ایام گزر گئے تو زید کو بھیجا کہ تم جا کر زینب کو میرے ساتھ نکاح کا پیغام دو۔ زید نے نکاح کا پیغام پہنچایا۔ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ "جب تک میں اپنے اللہ سے مشورہ نہ کرلوں گی اس کا جواب نہ دونگی۔ زینب نے دو رکعت نماز ادا کر کے دعا مانگی کہ یا الٰہی تیرے پیغمبر نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے اگر میں اس کے لائق ہوں تو مجھے ان کے نکاح میں دے دے تو فوراً یہ دعا قبول ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ **فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا** الخ (سورہ احزاب) جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف رکھتے تھے اور ام المومنین سے باتیں کر رہے تھے کہ ناگاہ آثار وحی کے ظاہر ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ کوئی زینب کو مبارک باد پہنچا دے کہ

اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح میرے ساتھ کر دیا ہے۔ اسی وقت مسماۃ سلیمی خادمہ نے یہ بشارت حضرت زینب کو بھی پہنچادی انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا اور سلیمی کو انعام سے سرفراز کیا۔ پھر دو مہینہ کے روزے شکرانہ میں رکھے اور بعد ان نزول آیت حضور ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے۔

معالم التنزیل میں مرقوم ہے کہ حضرت ﷺ نے دس دینار اور ساٹھ درہم اور ایک اوڑھنی اور ایک کرتہ اور ایک چادر کلان اور پچاس مُد گیہوں اور تیس صاع خرمے خشک مہر کے عوض میں زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجوائے۔

حضرت زینب سے منقول ہے کہ ایک روز میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھ کو چند فضیلتیں آپ کی تمام بیبیوں پر ہیں۔ اول یہ کہ آپ کے دادا اور میرے ایک ہیں۔ دوم میرا نکاح آپ کے ساتھ آسمان پر ہوا۔ سوم جبرئیل امین سفیر اور گواہ ہوئے اور آپ کی مرویات کتب حدیث میں گیارہ ہیں دو حدیث متفق علیہ باقی اور کتابوں میں ہیں اور عمر آپ کی ترپن (۵۳) برس کی ہوئی اور وفات آپ کی ۲۰ ہجری میں ہوئی آپ کا مدفن بھی جنت البقیع ہے۔

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا: آپ کے والد ماجد کا نام حارث بن ابی ضرار بن خبیب ہے پہلا نام آپ کا برہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جویریہ رکھا۔ پہلا نکاح آپ کا شافع بن صفوان سے ہوا۔ جب شافع غزوہ بنو مصطلق میں قتل ہو گئے تو حضرت جویریہ غنیمت میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ایک روز آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جویریہ نے حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں حارث بن ضرار سردار قوم کی بیٹی ہوں اور ثابت اور اس کے بھائی نے مجھ کو مکاتبہ کیا ہے۔ سو آپ بدل کتابت میں میری اعانت فرمائیں۔ آنجناب ﷺ نے بدل کتابت ادا کر کے جویریہ کو آزاد کر دیا اور ۶ ہجری میں ان

سے نکاح کیا اور ان کی وفات بعمر پینسٹھ (۶۵) سال بمقام مدینہ منورہ ۵۶ ہجری میں واقع ہوئی آپ کا مدفن جنت البقیع ہے۔

مروی ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نماز صبح حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے باہر تشریف لے گئے اور حضرت جویریہ بدستور مصلے پر بیٹھی رہیں جب آنحضرت ﷺ واپس آئے تو ام المومنین کو اسی طرح ذکر اور تسبیح میں مشغول پایا۔ ارشاد ہوا کہ میں نے تیرے پاس سے جانے کے بعد تین مرتبہ ایسے چار کلمے کہے کہ اگر ان کا وزن ان تمام وظائف سے جو آج کے دن تو نے پڑھے ہیں کیا جائے تو یہی چار کلمے بھاری ہوں گے۔

یعنی "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَرِضٰی نَفْسِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ" آپ ﷺ کی سند سے سات حدیثیں کتب حدیث میں مرقوم ہیں جس میں سے دو بخاری شریف میں اور دو مسلم شریف میں باقی اور کتب میں ہیں۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا: آپ کے والد کا نام ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب ہے آپکا نسب آنحضرت ﷺ کا نسب قصی میں جا کر مل جاتا ہے اور آپ کی والدہ صفیہ بنت العاص ہیں آپ کا نام رملہ ایک روایت کے مطابق ہند ہے۔ پہلے خاوند آپ کے عبید اللہ رضی اللہ عنہ بن جحش اسدی تھے۔ شروع اسلام میں آپ اور عبید اللہ مسلمان ہو کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ عبید اللہ کے مرنے کے بعد میں نے ایک روز خواب دیکھا کہ کوئی شخص مجھے پکارتا ہے۔ اس کی تعبیر میں نے سمجھی ہے کہ میں حضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں داخل ہوں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک روز اپنے گھر میں بیٹھی ہوئی تھی کہ یکا یک کسی نے اذن طلب کیا اندر آنے پر

معلوم ہوا کہ ایک عورت آنحضرت ﷺ کا پیغام نکاح میرے نام لائی ہے۔ اس بات کو سن کر میں بہت خوش ہوئی۔ مارے خوشی کے میں نے اپنے جھانجین انگوٹھیاں اتار کر اس لونڈی کو انعام میں دے دیں۔ خالد رضی اللہ عنہ بن سعید بن العاص کو وکیل مقرر کیا گیا اور نجاشی بادشاہ نے مجلس آراستہ کی اور جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طلب نے آنحضرت ﷺ کے لئے خطبہ نکاح پڑھا اور سو مثقال طلا کا مہر وکیل ام حبیبہ کا عنایت کئے اور ہدایت صحیحہ ثابت ہے کہ جب خبر استحکام عقد مناکحت حضرت ﷺ کو پہنچی تو آنجناب نے شرجیل بن حسنہ کو حبش روانہ کیا کہ ام حبیبہ کو لے آئیں چنانچہ وہ گئے اور ام حبیبہ کو لے آئے ان دنوں آپ کی عمر تیس برس کی تھی۔ آپ کا انتقال بزمانہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ۴۴ ہجری میں ہوا اور آپ کا مدفن بھی جنت البقیع میں ہے۔ آپ سے پینسٹھ حدیثیں منقول ہیں۔

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا: آپ کے والد کا نام حی بن اخطب ہے جو حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام ضرہ ہے اور آپ کے پہلے خاوند کا نام کنانہ بن ابی الحقیق تھا جب جنگ خیبر میں وہ مقتول ہوا تو بعد صبح خیبر کے آنحضرت ﷺ نے تمام اسیروں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے واسطے خاص فرمایا۔ بعض روایتوں میں ہے ایک آدمی نے حضرت ﷺ سے کہا کہ صفیہ سردار تھی۔ قریظہ و نضیر اس واسطے آنحضرت ﷺ نے سات لونڈیاں دحیہ کلبی کو دیں اور صفیہ کو لے کر آزاد کیا اور اپنے نکاح میں لائے۔ آپ نہایت عالمہ و عاقلہ تھیں۔ اس وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے رخسار پر ایک نیلا داغ تھا حضرت ﷺ نے پوچھا کہ یہ داغ کیسا ہے عرض کی جب آپ ﷺ خیبر میں تشریف لائے اور محاصرہ کیا تو میں نے دیکھا کہ ایک چاند میری بغل میں آیا ہے میں یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا اس نے اس زور سے طمانچہ مارا کہ میرا رخسار

نیلا ہو گیا۔ آپ کی وفات ۵۰ ہجری میں بزمانہ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ واقع ہوئی۔ ان کی سند سے کل دس حدیثیں کتب حدیث میں مروی ہیں۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ حارث بن حزن کی صاحبزادی ہیں آپ کی والدہ کا نام ہند بنت عوف ہے آپ کا سابقہ نام برہ تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ تجویز فرمایا۔

پہلا نکاح آپ کا مسعود بن عمر ثقفی سے ہوا اور نکاح ثانی ابواہم سے اور ان کا تیسرا نکاح ۷ ہجری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ منقول ہے کہ میمونہ رضی اللہ عنہا وہ بی بی ہیں جنہوں نے اپنی جان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دی تھی۔ اور آپ کی شان میں آیت: وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی (اگر مومنہ عورت اپنا نفس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دے۔ سورہ احزاب نازل ہوئی آپ کا انتقال ۵۱ ہجری میں ہوا اور جس مقام پر آپ کی وفات ہوئی اس مقام کو میمونہ کہتے ہیں اور ان کی سند سے کتب حدیث میں چھہتر حدیثیں ہیں سات صحیح بخاری میں اور پانچ صحیح مسلم میں باقی اور حدیثوں کی کتابوں میں ہیں۔

☆☆☆

صحابیات رضی اللہ عنہن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاریں جان سے زیادہ عزیز تھیں

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جو چیز مشتبہ ہے اس کو چھوڑ کر وہ اختیار کرو جو غیر مشتبہ ہے۔ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی۔ لیکن ان کے درمیان مشتبہ چیزیں بھی ہیں پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑے گا وہ کھلے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا بہت ممکن ہے کہ وہ کھلے گناہوں کا مرتکب ہو جائے۔ گناہ خدا کی چراگاہ ہے اور جو شخص چراگاہ کے پاس جائے گا ممکن ہے اس کے مویشی اس میں پڑ جائیں۔''

صحابیات رضی اللہ عنہن اس حدیث پر نہایت شدت سے عامل تھیں۔ ایک صحابیہ نے اپنی لونڈی کو اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا، وہ مر گئی تو اس لونڈی کی حیثیت مشتبہ ہوگئی، صدقہ کر چکی تھیں اور صدقہ کا مال واپس لینا جائز نہیں، ماں اس کی مالک ہوگئی تھی اور اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی وارث ہوگئی تھیں اس لئے وہ ان کو وراثت میں مل سکتی تھی۔ اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں صدقہ کا ثواب مل چکا اب وہ تمہاری وراثت میں آ گئی''۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی ماں قتیلہ کافرہ تھیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت ہی میں ان کو طلاق دے دی تھی۔ ایک بار وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس متعدد چیزیں تحفہ لے کر آئیں چونکہ کافرہ کا تحفہ تھا اس لئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرایا آپ ﷺ نے تحفہ قبول کرنے کی اجازت دی۔

تسبیح و تہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامات ہیں۔ صحابیات رضی اللہ عنہن میں یہ علامتیں نمایاں تھیں ایک صحابیہ رضی اللہ عنہن سامنے کنکری یا گٹھلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں اس سے آسان ترکیب بتاتا ہوں، اس کے بعد ایک دعا بتادی۔

حصول برکت کا شوق صحابیات رضی اللہ عنہن کو مقام مقدسہ کی طرف کھینچ کر لے جاتا تھا۔ ایک بار ایک صحابیہ رضی اللہ عنہن بیمار ہوئیں اور یہ نذر مانی کہ اگر خدا شفا دے گا تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی۔ صحت یاب ہوئیں تو سامان سفر تیار کیا اور رخصت ہونے کے لئے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے کہا کہ مسجد نبوی رضی اللہ عنہ میں نماز پڑھ لو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے!

شوق عبادت ہر قسم کی جسمانی تکلیفوں کو آسان کر دیتا ہے اور صحابیات رضی اللہ عنہن میں یہ شوق موجود تھا اس لئے وہ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی تھیں اور فرائض اسلام کو بخوبی ادا کرتی تھیں حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ تھیں، ان کا معمول تھا کہ برابر مصروف نماز رہتی تھیں، جب تھک جاتی تھیں تو ستون مسجد میں ایک رسی

باندھ رکھی تھی اس سے لٹک جاتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس رسی کو دیکھا تو فرمایا ان کو صرف اس قدر نماز پڑھنی چاہئے جو ان کی طاقت میں ہو اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھنکوا دی۔

ہم لوگ بات بات میں قسم کھایا کرتے ہیں اور ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے لیکن صحابیات رضی اللہ عنہن بہت کم قسم کھاتی تھیں اور جس بات پر قسم کھالیتی تھیں اس کو پورا کرتی تھیں۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں اور قسم کھائی کہ اب ان سے بات چیت نہیں کریں گی۔ لیکن جب حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے معافی مانگی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی سفارش کی تو رو کر کہنے لگیں۔ ''میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا معاملہ بڑا سخت ہے''۔ بالآخر اصرار سفارش سے ان کا قصور معاف کر دیا۔ کفارۂ قسم میں چار غلام آزاد کئے۔

صحابیات رضی اللہ عنہن ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے برکت اندوز ہوتی رہتی تھیں۔ اس لئے جو بچہ پیدا ہوتا صحابیات رضی اللہ عنہن سب سے پہلے اسے آپ کی خدمت میں حاضر کرتیں، آپ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے، اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لئے برکت کی دعا فرماتے۔

صحابیات رضی اللہ عنہن رسول اللہ ﷺ کی یادگاروں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ کا ایک جبہ محفوظ تھا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس کو لے لیا اور محفوظ کر رکھا۔ چنانچہ جب کوئی شخص ان کے خاندان میں بیمار ہوتا تھا تو شفا حاصل کرنے کیلئے اس کو دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں۔

جن کپڑوں میں آپ ﷺ کا وصال ہوا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو محفوظ کر رکھا تھا، چنانچہ ایک دن ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو ایک یمنی تہہ بند اور ایک کمبل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم آپ ﷺ نے انہی کپڑوں میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔

ایک بار ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو دعوت دی۔ آپ ﷺ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا انہوں نے اس کو محفوظ رکھا۔ جب کوئی شخص بیمار ہوتا یا برکت حاصل کرنے کا موقع آتا تو وہ اس سے پانی پیتیں اور پلاتی تھیں۔

غزوہ خیبر میں آپ ﷺ نے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا۔ وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر اس کو گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔

ایک دن آپ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لائے۔ گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا دہانہ منہ سے لگایا اور پانی پیا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مشکیزہ کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار رکھ لیا۔

☆☆☆

حسینہ بیگم کے قبولِ اسلام کی داستان

ذیل میں ایک نو مسلم خاتون کے حالات درج کئے جاتے ہیں جو حکیم شوکت علی گیلانی نے ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور کے دسمبر ۱۹۷۶ء کے شمارہ کے لئے قلم بند کیا تھا۔

دیانگر کے مہاراجہ ان چند والیان ریاست میں سے تھے جو وضع داری اور تعلیم کے بظاہر متضاد اوصاف کے حامل تھے، ان کے مذہب کو علوم وجدیدہ کی روشنی نے کوئی صدمہ نہیں پہنچایا تھا، لہٰذا ان کے لئے نہایت آسان تھا کہ شیلے اور کیٹس کی نظموں کا مطالعہ کرنے کے بعد کے مندر میں جا کر بت پرستی کریں۔

وہ دیانت کے عمیق فلسفہ کو اوہام پرستی کے منافی خیال نہیں کرتے تھے اور اسپنسر اور برائٹس کے مقالات پڑھ کر بھی چارک کے حامی تھے، ان کی اکلوتی بیٹی سندر کماری تھی جو اپنے نام کی تفسیر تھی، حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت بھی شامل تھا، مجسمہ حسن و معصومیت ہاں پہنچتی تھی اپنی شعلہ افروز نگاہوں سے لوگوں کے خرمن دل کو جلا دیتی تھی۔

یہ مجسمہ حسن ایک باہوش راج کمار کے قلب کی تسکین کا سامان ہوئی اور شادی کی مقدس زنجیر کی بدولت اس سے وابستہ ہوگئی، شہزادہ بھی قسمت سے ویسا ہی ملا

جیسا ملنا چاہئے تھا، حسین، شریف، سمجھدار اور مخلص، اس کا دل محبت سے لبریز تھا اور سندر کماری کے دل کے جذبات کو بھی سمجھتا تھا، دونوں کو ایک دوسرے کی بدولت جنت حاصل تھی، ان کی چھوٹی سی دنیا میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

مگر یہ کب ہوا ہے کہ دونوں کو راحت نصیب ہوئی ہو اور تفرقہ پرداز فلک چین سے بیٹھا ہو؟ راج کمار اور سندر کماری اسی دنیا کے فانی انسان تھے، یہ بھی ان قوانین ابدی کے ماتحت تھے جن سے کسی کو چارہ نہیں، غرض سندر کماری کو راج کمار کی فرقت کا صدمہ سہنا پڑا اور قدرت نے اس کے محبوب شوہر کو اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔

سولہ برس کی سن میں ایک پیکر حسن و جمال کی بیوگی اور پھر ہندو قانون کے مطابق اس کا مدت العمر ایک زہرہ گداز سانحہ کے رنج والم کے لئے وقف ہو جانا، اب حالت یہ ہے کہ سندر کماری کو دنیا کی کسی چیز سے رغبت نہیں ہے وہ زیب و زینت جو نسوانی حسن کا تتمہ ہے، اس کے جسم سے نا آشنا ہے، وہ راحتیں جو جوانی کے لئے پیدا ہوتی ہیں وہ اس سے کوسوں دور ہیں اس کے دل کی روشنی تاریکی سے تبدیل ہو گئی اور اب تمام دنیا اس کی نظر میں اندھیری ہے وہ اکثر کہتی ہے اور سچ کہتی ہے کہ کاش میں مر جاتی، مگر موت کی آرزو کا پورا ہونا آسان نہیں، آرزو جس چیز کی بھی ہو، مدعا کے حصول کو دشوار بنا دیتی ہے۔

وہ غم جو گلا گھونٹتا ہے اور دل میں دھواں پیدا کرتا ہے، اکثر انسان کو دنیا کی طرف سے مایوس کر کے ان ابدی حقیقتوں کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، جن کو ہم روحانیت یا مذہب کہتے ہیں، روح دنیا کی مسرتوں سے بیزار ہو کر ان مسرتوں کے اکتساب کی تلاش میں گم ہو جاتی ہے جن کو فنا نہیں، سندر کماری نے بھی دنیا کی طرف سے بیزار ہو کر مذہب کی طرف رجوع کیا اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ اپنا

گھر چھوڑ کر بنارس روانہ ہوگئی، اس کے ضعیف باپ نے ہر چند کوشش کی کہ اسے کچھ دولت دیدے کہ وقت پر کام آئے یا کچھ اور ایسا بندوبست کردے کہ اسے تکلیف نہ ہو لیکن اس نے قبول نہ کیا اور کہا: ''میں دھرم کیلئے باہر نکلی ہوں بھٹکتی میں مایا کا کیا کام''؟

راجہ صاحب کو مجبور ہونا پڑا، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ ان کی بیٹی کا ارادہ کس قدر مضبوط ہے، اس کے علاوہ اس کے مذہبی ارادوں میں خلل ڈال کر اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں چاہتے تھے۔

دنیا کی وہ مقدس چیزیں جو ہمیں دور سے بہت دل فریب نظر آتی ہیں، مگر وہ اور خراب ہوتی ہیں، کتنے راہب ایسے ہیں جو فی الحقیقت راہب ہوں اور کتنے ہادی واقعی ہدایت کا کام کرتے ہیں؟ جب سندر کماری بنارس پہنچی تو اسے بھی ان تلخ حقیقتوں کا احساس ہوا، اس کے رنج والم نے اسکی فطری کشش کو کم نہ کیا تھا، اس کا ظاہر فریب حسن اب بھی تارک الدنیا راہبوں تک کو اپنا گرویدہ بنالیتا تھا۔ وہ بنارس جاتے ہی ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہوگئی، اس دنیائے تقدس میں جہاں گناہ کا نام لینا بھی گناہ تھا، سندر کماری کو ہر در و دیوار سے گناہ کی آواز آنے لگی، وہ حیران تھی کہ کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں، اس زمین میں جہاں دنیاوی کثافتوں سے بالاتر ہونے کی آرزومند ہوں، میرا امتحان اس قدر شدید کیوں لیا جاتا ہے، کیا دنیا نیکوں سے خالی ہے؟ کیا تقدس و رہبانیت کا خاتمہ ہوگیا؟ کیا کوئی ایسا نہیں جو اسے صحیح صحیح ہدایت کرے اور مجھے وہ راستہ دکھا سکے جہاں میں پہنچ کر تمام دنیا کو فراموش کردوں؟

ایک روز اسی خیال میں مستغرق گنگا کے کنارے ایک تنہا مقام پر بیٹھی تھی، اس کی آنکھوں میں کاشی میں آنے کے بعد سے اس وقت کے تمام نظارے پھر آگئے، اکثر پنڈتوں کی بداخلاقی اور اس کی عصمت کے شدید خطرہ میں پڑ جانے کے وہ تمام واقعات اس کی نظر کے سامنے آگئے، اس کی آنکھوں کے سامنے ان

پجاریوں کے مقدمہ کی بھیانک تصویر بھی آ گئی جو معصوم عورتوں کو تہ خانہ میں رکھنے اوران کی عصمت پر ڈاکہ ڈالنے اور ناجائز بچوں کے مار پھینکنے کے ہولناک جرائم میں ۱۹۰۳ء میں گرفتار ہوئے تھے اس مقدمہ میں بنارس کے ایک تہہ خانہ میں سے تقریباً ستر بچوں کی کھوپڑیاں نکلی تھیں، جن کو چھپانے کے لئے مار کر وہاں ڈال دیا گیا تھا، اس نے اپنی قلب کی حالت کو دیکھا اور اس پر یہ حقیقت اور بھی واضح ہوگئی، اس نے سوچا کہ اسے بہت اچھی طرح عبادت کرنی چاہئے، شاید اس سے مجھے اپنے نفس پر قابو حاصل ہوجائے اور میں فطرت کے مقابلہ میں کامیاب ہوسکوں، لہٰذا وہ تمام مندروں میں گئی اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعائیں مانگیں کہ دیوتا اسے قدرت پر نہ سہی کم ازکم اس کے نفس پر اسے فتح دلادیں، یہ عمل ایک عرصہ تک جاری رہا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا اور سندر رکماری کے شکوک وشبہات ترقی ہی کرتے رہے، ایک دن وہ مندر سے نکل رہی تھی ، اس نے دیکھا کہ ایک غریب آدمی مندر میں جانا چاہتا ہے، لیکن کوئی اسے گھسنے نہیں دیتا، جب اس نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اچھوت ہے اور اگر وہ اندر گھس آیا تو مندر ناپاک ہوجائے گا اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ بیچارہ انسان کیا ان دیوتاؤں کو ماننے والا نہیں ، پھر دیوتا کے پجاری اسے اپنے معبود تک کیوں نہیں جانے دیتے؟

اس نے قریب جا کر اس شخص سے پوچھا: ''تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ایک غریب آدمی ہوں ، میں دیوتا کے درشن کرنا چاہتا ہوں، لیکن مجھے گھسنے نہیں دیا جاتا کہ میرے جانے سے مندر ناپاک ہوجائے گا''۔

سندر رکماری نے پوچھا: کیا تم انسان نہیں ہو؟ اس نے جواب دیا: میں انسان ضرور ہوں، لیکن پنڈت کہتے ہیں کہ میرے چھونے سے ہر چیز خراب ہوجاتی ہے جس کھانے کو میں چھولیتا ہوں اور جس پانی کو میں پی لیتا ہوں حتی کہ جس چیز پر میرا

سایہ بھی پڑ جاتا ہے وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے، سندر کماری زیادہ نہ سن سکی وہ خیالات میں ڈوب گئی اور وہاں سے چلی گئی۔

چاندنی رات کی روشنی میں بنارس کی عالم گیری مسجد نے ایک خاص دلآویزی اختیار کر لی تھی، اس کے بلند میناروں پر ایک سکوت کا عالم طاری تھا اور اس کے گنبدوں کا شکوہ اور بڑھ گیا، سندر کماری کھڑی ہوئی اس نظارہ کو دیکھ رہی تھی اور تعجب کر رہی تھی کیا یہ عمارت بھی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں کا ویسا ہی مرکز ہے جیسا دوسرے معابد میں دیکھ چکی ہوں، وہ جانتی تھی کہ دنیا کی آبادی کا ایک حصہ مندروں سے علاحدہ ہے اور مسجدوں میں جا کر عبادت کرتا ہے، اب اس کے دل میں یکا یک یہ خیال آیا کہ اس کے اندر عبادت کا کیا طریقہ ہے؟ اس کے اندر کس کی عبادت ہوتی ہے؟ کیا اس میں وہ لوگ جمع ہوتے ہیں جو میری طرح مندروں سے بیزار ہیں؟ ان خیالات میں مستغرق اپنے وجود سے بے خبر اس جگہ کھڑی رہی اور سوچتی رہی کہ یکا یک اس نے اذان کی آواز سنی، تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا ایک صفائی کرنے والا جھاڑو رکھ کر زینہ پر چڑھا اور مسجد میں داخل ہو گیا، سندر کماری کے دل میں خیال پیدا ہوا، اب لوگ اس کو روکیں گے لیکن اسے کسی نے بھی اندر جانے سے منع نہ کیا، سندر کماری حیران ہوئی اور وہ بھی مسجد میں داخل ہو گئی اور صحن کے گوشہ میں بیٹھ گئی، حلال خور نے مسجد میں وضو کیا اور نماز میں شریک ہو گیا، سندر کماری نے خیال کیا کہ لوگوں نے اسے پہچانا نہیں ہے، اگر میں بتا دوں تو یہ مسجد سے نکال دیا جائے گا، وہ ہمت کر کے اٹھی، مسجد کے اندر گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بلند آواز سے کہا: یہ اچھوت ہے اور میرے سامنے جھاڑو دے رہا تھا، اس نے مسجد کو خراب کر دیا، حلال خور نے کہا: میں مسلمان ہوں، مسلمانوں نے اس سے کچھ نہ کہا، بلکہ سندر کماری کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تو کون ہے جو اس شخص کو روکتی ہے؟ وہ حلال

خور ضرور ہے، مگر ہمارا بھائی اور خدا کا پرستار ہے، وہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتا ہے، اس میں کسی قسم کا حرج نہیں، کیونکہ اسلام ایک فطری مذہب ہے، اس میں جو شخص داخل ہوتا ہے وہ بھی پاک ہو جاتا ہے، سندر کماری کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اس نے دل میں سوچا کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جو اچھوتوں کو برا نہیں سمجھتے، لہٰذا اس نے اور جرأت کی اور ایک سفید پوش بزرگ کے پاس گئی جو امام تھے وہ بولی:

''مسجد کے پجاری مجھے اپنا دیوتا دکھاؤ، جو سب آدمیوں کو برابر سمجھتا ہے اور کسی سے نفرت نہیں کرتا''؟

انہوں نے کہا: اس مسجد کے دیوتا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا، وہ ہر شخص کے دل میں ہے، صرف عبادت سے نظر آتا ہے، وہ ہر چیز کا مالک ہے، دنیا کی کوئی چیز اس کے قبضہ سے باہر نہیں، وہ ایک ہے، نہ اس جیسا کوئی ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے، تو کون ہے جو خدا کو دیکھنا چاہتی ہے؟

سندر کماری: بزرگ انسان کیا تم اسے پوجتے ہو جسے تم نے کبھی دیکھی ہی نہیں؟

امام صاحب: ہاں وہی ایک پرستش کے قابل ہے، جس کا ہر چیز پر قابو ہے اور وہ اپنے وجود کے لئے کسی کے دیکھنے کا محتاج نہیں۔

سندر کماری: کیا وہ میرے دل کو گناہ سے پاک کر دے گا؟

امام صاحب: اس میں سب طاقت ہے۔

جس طرح کوئی تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجاتا ہے اور یکایک روشنی کو دیکھ کر اس کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں اس طرح راج کماری نے اس مقدس انسان کی پاک نظروں میں کچھ دیکھا اور حیران رہ گئی، لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے کہا: مجھے اپنے پاس رکھو اور اپنے خدا کی باتیں مجھے بتاؤ، مجھے تمہاری باتوں سے بہت اطمینان حاصل ہو رہا ہے۔ امام صاحب نے اس سے کہا تو اپنے عزیزوں سے اجازت لے

لے، اگر وہ اجازت دیں تو یہاں آ کر مجھ سے پوچھ لیا کر، کسی اجنبی عورت کو بلا اجازت اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔ سندر کماری نے کہا: مجھ بدنصیب کا یہاں کوئی نہیں ہے، مجھے آپ کے چہرہ میں تقدس کی چمک معلوم ہوتی ہے؟ جوجوں میں اس پر نظر ڈالتی ہوں مجھے یقین ہو رہا ہے کہ آپ میں کوئی روحانی کشش ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ تم مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح رکھو گے اور میرے شکوک رفع کر کے مجھے اطمینان ونجات کا راستہ دکھاؤ گے۔

سندر کماری اب امام صاحب کے ساتھ رہنے لگی، وہاں اس کے ساتھ عزیزوں کا سا برتاؤ ہوا، امام صاحب کی بہو بیٹیاں اسے بہن کہتی تھیں اور وہ یہ محسوس کرتی تھی کہ وہ ایک نئی دنیا میں آ گئی ہے۔ آہستہ آہستہ اس نے توحید کا سبق سیکھا، اس کے بعد اسلام کی مساوات اور مسلمانوں کے اخلاق کی گرویدہ ہوگئی، بالآخر اس نے ایک دن قبول اسلام کی تمنا کی اور اپنی خوشی سے خدائے واحد کی پرستار ہوگئی، اس نے یہ اصول بھی معلوم کیا کہ اسلام دین فطرت ہے، وہ کسی مرد یا عورت کے خلاف نبرد آزمائی پر مجبور نہیں کرتا، چنانچہ ایک دن جب اسے امام صاحب کی بیوی نے نکاح کی تلقین کی تو وہ ان کے الفاظ سن کر حیرت میں رہ گئی، اس نے کہا: ہمارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے، جو بھی اس سنت سے منہ پھیرے گا وہ ہم میں سے نہیں۔

سندر کماری کو ایک سادھو کے الفاظ یاد آئے کہ ''فطرت کے خلاف جنگ ناممکن ہے'' اور وہ عمیق خیالات میں کھوگئی، جب راجہ دیانگر کو بیٹی کی خبر ملی، تو وہ بنارس آئے اور انہوں نے بیٹی کو تلاش کیا، اس وقت تک وہ مسلمان ہو چکی تھی۔ راجہ صاحب پر اس کا گہرا اثر ہوا، لیکن شفقت پدری غالب آئی اور وہ اس سے محبت سے ملے، سندر کماری نے انہیں اس معقول طریقہ پر تمام باتیں سمجھائیں اور اس طرح آپ بیتی سنائی کہ وہ بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

سندر کماری جواب حسینہ بیگم ہے، اسلامی شریعت کے مطابق اپنے باپ کی جائداد کی مالک ہوئی اور اس کا عقد باپ کی مرضی کے موافق ایک سید زادہ بیرسٹر سے کیا گیا، شادی کے موقع پر راجہ صاحب نے بہت سا روپیہ اسلامی تحریکات خصوصاً تبلیغ کی امداد کے لئے دیا اور خصوصی جائداد اس کے لئے وقف کردی کہ حضرت شہنشاہ عالمگیر کی روح کو ثواب پہنچانے کا اہتمام کیا جائے، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ بنارس کی عالم گیری مسجد میں نومسلموں کی تعلیم وتربیت کے لئے مدرسہ کھولا جائے، نیز نومسلم عورتوں کے لئے ایک آشرم بنایا جائے جس کی نگرانی حسینہ بیگم (سابق سندر کماری کریں گی)۔

☆☆☆

معجزاتِ نبوی ﷺ

اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں اپنے بندوں کی ہدیت کے لئے انبیاء علیہم السلام کا ایک سلسلہ قائم فرمایا اور ان کی رسالت و نبوت کے ثبوت کے لئے بطور دلائل انہیں معجزات بھی عطا فرمائے۔ اللہ پاک نے نبوت کے اس سلسلے کی آخری کڑی کے طور پر اپنے محبوب بندے اور پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو نوع انسانی کی ہدایت کے لئے بھیجا اور آپ ﷺ پر علوم کی تکمیل فرمادی۔ رسول پاک ﷺ کو اللہ پاک نے جو معجزات عطا کیے وہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے ہر مظہر میں اسباب ظاہری کے پہلو بہ پہلو اسباب حقیقی بن کر ظہور پذیر ہوتے رہے۔ رسول اکرم ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ایمان وایقان کو تقویت ملتی تھی اور آج بھی حضور ﷺ کے معجزات کا تذکرہ مسلمانوں کے قلب وروح کو تازگی بخشنے اور ایمان کو مستحکم کرنے کا باعث بنتا ہے۔

قرض بھی ادا ہو گیا، کھجوریں بھی کم نہ ہوئیں

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور ان پر بہت سا قرض واجب الادا تھا۔ انہیں کھجور کا باغ ورثہ میں ملا تھا، اب اس کے پھل

توڑنے کا وقت آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے وہ اپنے پیچھے بہت سا قرض چھوڑ گئے ہیں۔ آپ ﷺ میرے والد کے قرض خواہوں سے بات کر کے یا تو قرض معاف کرا دیں یا قرض کی ادائیگی کے لئے مجھے مہلت دلوا دیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد کے قرض خواہوں سے بات کی مگر وہ نہ تو قرض معاف کرنے پر آمادہ تھے اور نہ قرض کی ادائیگی کے لئے مزید مہلت دینے پر تیار تھے۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''جاؤ اور کھجوروں کو اقسام کے لحاظ سے چھانٹ کر ہر ایک قسم کی کھجوروں کا الگ الگ ڈھیر لگا دو۔ اس کے بعد مجھے بلا لینا''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق ہر ایک قسم کی کھجوروں کی الگ الگ ڈھیریاں لگا دیں اور حضور ﷺ کو اطلاع کر دی۔

حضور ﷺ تشریف لے آئے اور کھجوروں کی ڈھیریوں پر دست مبارک پھیرنے کے بعد ان کے درمیان بیٹھ گئے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، قرض خواہوں کو بلا لاؤ!''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے قرض خواہوں کو بلا لائے۔

اب حضور ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''ان کھجوروں کو تول تول کر قرض خواہوں کو دیتے جاؤ''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے قرض خواہوں کو کھجوریں دینی شروع کیں۔ یہاں تک کہ تمام قرض خواہوں کا قرض ادا ہو گیا اور وہ اپنے والد کے بار امانت سے سبک

دوش ہو گئے۔ وہ تو اپنے دل میں اس پر بھی راضی تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے والد کا قرض ادا کر دے خواہ ان کے لئے ایک کھجور بھی نہ بچے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حضور ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے کھجوروں کی وہ تمام ڈھیریاں اسی طرح پوری کی پوری موجود تھیں جیسے ان میں سے کسی نے ایک کھجور بھی نہ لی ہو۔ (صحیح بخاری)

اے اللہ! اس کا نشانہ درست کر دے!

غزوۂ احد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے بیٹھے تھے اور کفار پر تیر چلا رہے تھے۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی۔

"یا اللہ! اس کا نشانہ درست کر دے اور اس کی دعا قبول کر لے"۔

رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک تو ایسے ماہر تیر انداز بن گئے کہ وہ جو تیر پھینکتے کبھی خطا نہ جاتا تھا دوسرے ایسے مستجاب الدعوات بن گئے کہ جو دعا کرتے، وہ قبول ہوتی تھی۔ (بخاری و مسلم)

اس کا حق فوراً اسے دے دو!

ایک مرتبہ اراشی نام کا ایک بدو کچھ اونٹ لے کر فروخت کرنے کے لئے مکہ میں آیا۔ ابو جہل نے اس کے اونٹ خرید لئے مگر قیمت ادا کرنے سے حیلے بہانے کرنے لگا۔ اراشی اونٹ تو ابو جہل کے حوالے کر چکا تھا۔ اب وہ ان اونٹوں کی قیمت نہ حاصل کر سکا تو قریش کے مختلف سرکردہ لوگوں کے پاس گیا اور ابو جہل کی دھوکہ دہی کا خیال سنایا اور بڑی دردمندی کے ساتھ کہا "اے سرداران قریش! میں ایک بے وطن مسافر ہوں۔ یہاں میرا حق مارا گیا ہے۔ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ تمہارے ابوالحکم بن ہشام نے میرا حق دبا لیا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس سے میرا حق دلوا سکے؟"

سرداران قریش نے اراشی کی ساری بپتا سنی تو انہیں معلوم ہو گیا کہ ابوجہل نے اس شخص کے ساتھ ظلم کیا ہے مگر ان میں سے کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ابوجہل کے طرف اٹھ کھڑا ہو۔ ان میں سے ایک نے بات ٹالنے کیلئے اراشی سے کہا۔

''وہ دیکھو! وہاں محمد ﷺ بیٹھے ہیں ان کے پاس جاؤ۔ ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جو تمہارا حق دلوا سکے''۔

یہ مشورہ دیانت داری کی بناء پر نہیں بلکہ مذاق اور استہزاء کی نیت سے دیا گیا تھا، مگر اراشی کو یہ بات کیسے معلوم ہو سکتی تھی۔ وہ ستم رسیدہ سیدھا رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا، اپنا ماجرا بیان کیا اور دستگیری کا طالب ہوا۔ رسول اللہ ﷺ ساری بات سنتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''میرے ساتھ آؤ''۔

سرادارن قریش انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ وہاں سے چلے اور اراشی کو ساتھ لئے ہوئے ابوجہل کے گھر پہنچے۔ حضور ﷺ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز آئی۔

''کون....؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں محمد ﷺ ہوں۔ باہر آؤ میرے پاس!''

اندر سے ابوجہل باہر نکلا تو خوف سے اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس شخص کا حق فوراً اسے دے دو....!''

خوفزدہ اور حیرت واستعجاب میں ڈوبے ہوئے ابوجہل نے اسی وقت اراشی کو اس کے اونٹوں کی قیمت ادا کر دی۔ اراشی خوشی سے پھول نہ سمایا۔ اس نے واپس آ کر سرداران قریش کو سارا ماجرا سنایا۔ تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ تو کسی اور ہی بات کی توقع کر رہے تھے۔

اراشی اپنے اونٹوں کی قیمت لے کر چلا گیا تو تھوڑی دیر کے بعد ابوجہل سرادران قریش کی اس مجلس میں آبیٹھا۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے طنزیہ لہجے میں کہا: ''بد بخت! تجھے کیا ہو گیا...؟ ہم نے آج تک تجھے ایسا نہیں دیکھا جیسا آج تو نے کیا''۔

ابوجہل نے جواب دیا:

''کم بختو! بات یہ ہے کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے اس کی آواز سنی تو رعب اور ہیبت سے میری حالت ایک پتلے کی سی ہو گئی تھی''۔

(سیرۃ ابن ہشام، البدایہ والنہایہ جلد سوم)

☆☆☆

اسلام میں پردہ

شریعت اسلامیہ کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ کسی گناہ اور برائی کے کام پر منتج ہونے والے ہر فعل سے اسلام اسی طرح روکتا ہے جس طرح وہ اصل اور انتہائی درجے کی برائی سے منع کرتا ہے۔ پردہ کے ضمن میں بدنظری کو اسلام تمام برائیوں کو جڑ قرار دیتا ہے اوراس کے فروغ کے تمام راستوں کو بند کردیتا ہے اسی لئے قرآن میں حکم ربانی ہے، ترجمہ: آپ ﷺ مومن عورتوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں (راہ چلتے ہوئے) نیچی رکھا کریں۔'' اس کے بعد سورہ نور میں ارشاد ربانی ہے: ترجمہ: ''عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو خود بخود ظاہر ہوجائے''۔سورہ احزاب میں ارشاد ربانی ہے: ترجمہ: ''اے نبی ﷺ اپنی بیویوں، بیٹیوں اوراہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں سے گھونگھٹ ڈال لیا کریں''۔اور یہ آیت نازل ہونے کے بعد تمام مسلمان عورتوں نے پردہ کرنا شروع کردیا۔تمام احکامات بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں۔اسلام میں چہرے اور ہاتھوں کے پردے میں کچھ رعایت ہے لیکن اگر عورتیں چہرے اور ہاتھوں کے پردے کا اہتمام بھی کریں تو یہ افضل ہے۔

جاہلیت اولیٰ میں عورتیں خوب بن سنور کر گھر سے نکلتیں تھیں اور چال بھی ایسی اختیار کرتیں کہ راہ چلتے لوگوں کی توجہ حاصل ہو۔ یہی بے پردگی اور بے حیائی ہزاروں معاشرتی برائیوں کی اصل وجہ تھی۔ اسی بے پردگی سے بچنے کی اسلام نے تلقین کی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ عورت سکون وقار کے ساتھ گھر میں رہ کر اپنی گھریلو ذمہ داریاں پوری کرے لیکن اس میں بھی سختی نہیں اگر کسی ضرورت کے تحت گھر سے نکلنا پڑے تو یہ جائز ہے لیکن گھر سے نکلتے وقت پوری عصمت مآبی کو ملحوظ رکھے تاکہ کسی برائی کا احتمال نہ ہو۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے۔ آیئے اب حدیث پر نظر ڈالیں کہ نبی کریم ﷺ نے کیا طریقے رائج فرمائے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے تم کو اپنی ضرورتوں کے لئے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے''۔ اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حاجات وضروریات کے لئے عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت تھی لیکن یہ اجازت نہیں کہ جہاں چاہیں پھریں اور مردانہ اجتماعات میں گھل مل کر جائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب ہم اس وقت پر غور کریں کہ مسلمانوں پر جنگ کا زمانہ ہے، عام مصیبت کا وقت ہے ایسے حالات میں اسلام مسلمان عورتوں کو عام اجازت دیتا ہے کہ وہ جنگی خدمات میں حصہ لیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔ سپاہیوں کو پانی پلائیں۔ ان کے لئے کھانا پکائیں اور ان کے پیچھے خیموں کی حفاظت کریں اور ان تمام خدمات کو انجام دینے کے لئے پردے کی حدود انتہائی کم کر دی جاتی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی پیش نظر رکھی جائے جسے ماں بننے کی غرض سے تخلیق کیا گیا ہے۔ اس کے ہاتھ میں تلوار وخنجر نہیں دیا جاسکتا۔ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے تو عورت ہتھیار اٹھاسکتی ہے لیکن عورتوں کو فوجوں میں بھرتی کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ تمام احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ جنگ میں ازواج مطہرات اور خواتین اسلام آنحضرت

ﷺ کے ساتھ جاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور زخمیوں کو پانی پلاتیں اور یہ طریقہ حجاب کے احکامات نازل ہونے کے بعد بھی جاری رہا۔ (ترمذی)

اسلام نے معاشرے کی اصلاح اور برائی و بے حیائی کی روک تھام کے لئے کیسا مکمل اور جامع نظام معاشرت مسلمانوں کو دیا ہے لیکن بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں آج اس نظام کی کوئی جھلک نظر نہیں آرہی ہے۔ دور جدید کی عورت ترقی اور آزادی کے نام پر اپنے حسن وزیبائش کی نمائش کرتی پھر رہی ہے۔ اور اسے روکنے والا نام نہاد مسلمان مرد اس کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ بے پردگی اور بے حیائی جاہلیت کے دور کی نشانیاں ہیں اور عورت کا بے پردہ ہونا نہ صرف معاشرتی تباہی کی وجہ بنتا ہے۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا باعث بھی ہے اور اسی لئے مسلمان روز بروز اخلاقی اور معاشرتی پستی کا شکار ہو کر دنیا میں پریشان ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو یہود و ہنود کے طریقوں سے بچا کر قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے معاشرے کے اصلاح اور اسلامی قوانین نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مسلمان عورتوں کو پردہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ آنے والی نسلیں جب ان کی گود میں پروان چڑھیں تو شرم وحیا جیسی خوبیاں پیدائشی طور پر ان میں موجود ہوں۔ آمین!

☆☆☆

اسلام میں شوہر کے حقوق

بیویوں کو مطالبات میں اعتدال سے کام لینا چاہیئے

خالق کائنات کا حق ہے کہ مخلوق اس کی اطاعت کرے۔ ایک ملک کے حاکم کا حق ہوتا ہے کہ اس میں بسنے والے لوگ اس کے قوانین کی اطاعت کریں۔ ملک میں چھوٹی سے چھوٹی اکائی گھر ہے۔ وہاں بیوی اور اولاد کا فرض ہے کہ صاحب خانہ کا حکم مانے۔ فرش سے عرش تک تمام ادارے ایک ہی جذبے کے تحت مصروف عمل ہیں اور وہ ہے جذبہ اطاعت۔ اگر ایسا نہ ہو تو نظم و نسق قائم نہیں رہ سکتا اور سب کے مختلف اور متضاد احکام حالات کو زیروزبر کردیں گے۔ شوہر کا بیوی پر حق اولین یہ ہے کہ بیوی اس کا ہر حکم بجالائے۔ بشرطیکہ وہ حکم اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے متضاد نہ ہو۔ ایک اچھی بیوی کی خصوصیات اطاعت شوہر ہے اس کی تائید احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کونسی عورت سب سے زیادہ اچھی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایسی ہو کہ جب

شوہر اسے دیکھے تو خوش کر دے۔ جب اسے حکم دے تو بجالائے۔ اپنی ذات اور مال کے بارے میں ناگوار بات نہ کرے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت اس حال میں وفات پائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین اشخاص ہیں جن کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔ ایک وہ جو لوگوں پر سرداری کرے اور لوگ اس سے ناراض ہوں۔ دوسری وہ عورت جس کا شوہر ناراض ہو اور وہ آرام سے پڑی سوتی رہے۔ اور تیسرا وہ آدمی جو اپنے بھائی سے قطع تعلق کرے۔

اس حدیث مبارکہ میں شوہر کی ناراضگی کی وجہ بیوی کی امور خانہ داری میں عدم دلچسپی اور کاہلی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا بیوی کو چاہئے کہ گھر کے نظم و نسق میں خاطر خواہ دلچسپی لے۔ مسلمان کی معاشی زندگی بظاہر تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن حقیقی لذت اور راحت اسی میں ہے۔ مسلمان بیوی کو بہادر بن کر ان حالات کا مقابلہ صبر سے کرنا چاہئے اور خاوند کو اپنی تکلیف یا پریشانی کا احساس اس حد تک نہیں ہونے دینا چاہئے کہ وہ پریشانی کے عالم میں رہنے لگے۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا جو مقتدر صحابی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں بیان کرتی ہیں کہ ان کا چھوٹا بچہ اس روز فوت ہوا جس شام ان کا خاوند علاقہ غیر سے عرصہ کے بعد واپس آئے۔ انہوں نے آتے ہی پوچھا کہ بچے کا کیا حال ہے؟ میں نے جواب دیا سو رہا ہے میں نے شوہر کو کھانا کھلایا اس روز میں دوسرے دنوں کی نسبت زیادہ آراستہ تھی۔ شوہر سے خلوت ہوئی تو میں نے اس سے پوچھا اگر کسی نے ہمارے پاس امانت رکھی ہو پھر وہ طلب کرے تو کیا کرنا چاہئے؟ میرے شوہر نے کہا بخوشی

اس کے سپرد کر دینی چاہئے۔ اس پر میں نے کہا ہمارا بچہ اللہ تعالیٰ کا ہدیہ تھا اور اس نے اس امانت کو واپس لے لیا۔ شوہر نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضور ﷺ کو اس خوبصورت انداز صبر کا علم ہوا تو فرمایا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ (ام سلیم رضی اللہ عنہا) کو میں نے جنت میں دیکھا ہے۔

بیوی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر ایسے شخص کو رہنے کی اجازت دے جس کا آنا شوہر کو ناپسند ہو یا ایسی جگہ جائے جہاں جانا شوہر کو ناگوار ہو۔

شوہر کا دوسرا حق یہ ہے کہ اس کی بیوی اس کے گھر اور مال واسباب کی نگہداشت کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب شوہر باہر کہیں جائے تو اس کی غیر موجودگی میں اس کی بیوی گھر بار اور ہر امانت کی حفاظت کرے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ''اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کی بابت احتساب ہوگا جو اس کی نگرانی میں ہیں''۔ بیوی کا فرض ہے کہ وہ شوہر کے گھر کو جو دراصل اس کا اپنا گھر ہے اسی کے بچوں کے کام آتا ہے اور اس کے ساز وسامان اور دولت کو حفاظت سے رکھے اور فضول بے موقع اور بے جا استعمال نہ کرے۔ بعض بے عقل بیویاں اپنے میکے والوں کو شوہر کی دولت سے فائدہ پہنچانا شروع کر دیتی ہیں۔ اگر وہ بلا مرضی خاوند ایسا کرتی ہیں تو خیانت کی مرتکب ہوتی ہیں اور اگر خاوند کی رضامندی سے کرتی ہیں تو یہ ان کا اسراف ہے۔ بیوی کے والدین یا اعزا غریب ہوں تو وہ شوہر کی اجازت سے انہیں فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ یہ صلہ رحمی، اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اور پھر اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے کسی عزیز پر خرچ کرنا دوہرے ثواب کا موجب ہے۔

گھر کی نگہبانی میں یہ امر بھی شامل ہے کہ بیوی امور خانہ داری میں دلچسپی لے اور اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی سے مثالیں

پیش کی جاتی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے دھوتیں اور سر مبارک میں تیل لگاتی تھیں گھر کا تمام کام کاج کرتی تھیں۔

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ گھر کا تمام اندرونی کام کاج کھانا پکانا چکی پیسنا، کپڑے دھونا، گھر میں جھاڑو دینا وغیرہ سب ہماری مادر گرامی خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھیں۔ اور انہیں اپنے کام کے درمیان ہماری ضرورتیں دوا پلانا، نہلانا، کپڑے بدلوانا، وغیرہ وقت پر پوری کرتی جاتی تھیں۔

خاتون جنت کا یہ بھی اصول تھا کہ خواہ دو وقت کا فاقہ ہو جب تک شوہر اور بچوں کو نہ کھلا لیتیں خود ایک لقمہ تک تناول نہ فرماتی تھیں۔

شوہر کا حق یہ بھی ہے کہ اس کی وسعتوں کا جائزہ لے اور ان کو صرف حلال و مباح کی حدود تک ہی رہنے دے، آگے نہ بڑھائے۔ ہمارے اسلاف میں ایسی نیک دل مستورات اس پر سختی سے کاربند تھیں۔ ان کا شوہر یا والد جب کسب معاش کی غرض سے سفر پر روانہ ہوتا تو یہ اس سے ان الفاظ میں درخواست کرتیں۔

”آپ کسی حرام سے کسی طرح بھی دامن کو آلودہ نہ ہونے دیں کیونکہ ہمارے لئے یہ تو ممکن ہے کہ قدرے بھوک اور تکلیف پر صبر کرلیں مگر آگے سہنا ناممکن ہے“۔

ماؤں کو اسلامی اخلاق کا اس درجہ خیال تھا کہ شادی پر خصوصیت سے اپنی بچیوں کو سمع و اطاعت کی تلقین کرتیں۔ چنانچہ اسماء بنت خارجہ فزاری نے اپنی بیٹی کو سسرال بھیجتے وقت جو وصیت کی تھی وہ قابل ملاحظہ ہے۔ ”تو ایک جانے پہچانے آشیانے سے نکل کر ایسے مکان کو اپنا رہی ہے جسے تو نہیں پہچانتی اور ایسے رفیق حیات سے تیرا سامنا ہے جس سے تو مانوس نہیں، سو تجھے چاہئے کہ زمین کی طرح اس کے پاؤں تلے بچھ جاؤ وہ تمہارے حق میں آسمان بننے کی کوشش کرے گا۔ فرش

کی طرح اپنے آپ کو ثابت کر دو وہ تمہارے لئے ستون ثابت ہوگا۔ تم لونڈی بن کر رہو وہ غلام بے دام بن کر رہے گا۔ کسی مطالبہ پر بھی اصرار نہ کرو ورنہ بیزار ہو جائے گا۔ اس سے دور دور نہ رہو۔ ورنہ وہ بھلا دے گا۔ قریب آئے تو تم بھی قریب آنے کی کوشش کرو اور اگر دور رہے تو تم بھی اپنے آپ کو دور رکھو۔ ہر حال میں اس کی عزت، شہرت اور شخصیت کا خیال رکھو۔ سوا مہک کے تم سے اور کوئی چیز سونگھنے نہ پائے اور بجز اچھی بات کے اور کچھ نہ سننے پائے۔''

بیوی کو مطالبات میں اعتدال سے کام لینا چاہئے۔ مطالبات محدود ہوں گے تو شوہر کی تگ و دو کم ہوگی اور اسے بھی دو چار گھڑیاں آرام کی میسر آئیں گی۔

ہمارے ملک کے تقریباً ہر طبقے میں ہی بیویوں اور بیگمات نے بد قسمتی سے اپنے حقوق و فرائض پوری طرح ادا نہیں کئے۔ انہیں چاہئے تو یہ تھا کہ اپنے شوہروں کی جائز آمدنی کی چادر کے اندر ہی پاؤں پھیلاتیں۔ کار، کوٹھی، بینک بیلنس، اور بانڈز زندگی میں آسائش تو لاتے ہیں مگر سکون نہیں جو اصل دولت ہے۔ دولت کی کوئی حیثیت ہوتی تو پیغمبروں اور ولیوں کو اس سے دور نہ رکھا جاتا۔'' مسلمان بیوی خوش قسمت ہے کہ اس کے پیش نظر حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جیسی مثالی ہستی ہے جو مثالی بیوی بھی تھیں۔

☆☆☆

جہیز کی حقیقت قرآن وسنت کی روشنی میں

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''عورت سے نکاح چار اسباب کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب ونسب کے باعث، اس کے حسن وجمال کے سبب اور اس کے دین کے تعلق سے۔ لہٰذا تم دین دار خواتین کو منتخب کرو''۔ (مسلم، بخاری)

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب کوئی ایسا شخص جس کے دین اور اخلاق پسندیدہ ہوں، نکاح کا پیغام دے تو اس سے نکاح کر دیا کرو، بصورت دیگر زمین میں فتنہ وفساد برپا ہوگا''۔ (سنن ترمذی)

نکاح کے لئے مال ودولت کو معیار بنانا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ کو۔ ارشاد ربانی ہے: ''اگر وہ غریب ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی فرمادے گا''۔ (سورۃ النور)

جہیز کی حقیقت

جہیز اور بری یہ دونوں درحقیقت زوج (لڑکے والوں کی طرف) سے زوجہ یا اہل زوجہ کو بطور ہدیہ دیئے جاتے ہیں اور جہیز جو درحقیقت اپنی

اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے فی نفسہ امر مباح بلکہ مستحسن ہے۔ (اصلاح الرسوم)

اگر خدا کسی کو دے تو بیٹی کو جہیز دینا برا نہیں مگر طریقے سے ہونا چاہئے جو لڑکی کے لئے کچھ کام بھی آئے۔ (حقوق البیت)

جہیز میں قابل لحاظ امور

جہیز میں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اول تو اختصار یعنی گنجائش سے زیادہ کوشش نہ کرے۔ دوم یہ کہ ضرورت کا لحاظ کرے یعنی جن چیزوں کی ضرورت فی الحال ہو، وہ دینا چاہئے۔ سوم یہ کہ اعلان نہ ہو کیونکہ یہ تو اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے، دوسروں کو دکھانے کی کیا ضرورت ہے۔ (اصلاح الرسوم)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز یہ تھا دو یمنی چادر، چار گدے، چاندی کے دو بازو بند، ایک کملی، ایک تکیہ، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ اور پانی رکھنے کا برتن یعنی گھڑا اور بعض روایتوں میں ایک پلنگ بھی آیا ہے۔ (ازالۃ الخفاء واصلاح الرسوم)

ہمارے معاشرے میں جب جہیز کی بات آتی ہے تو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مثال کو اس قدر زور بیان اور قوت استدلال فراہم کیا جاتا ہے۔ گویا سنت نبوی کا تمام تر انحصار اسی پر ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اسباب کے ذریعہ جہیز کو مسنون ثابت کرنے والے شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صاحبزادیاں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کتنا سامان جہیز میں دیا؟ اگر نہیں دیا تو کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تلقین فرما رہے ہیں "اولاد کو عطیہ دینے میں مساوات کو پیش نظر رکھو"۔ (بیہقی)

ایک صحابی نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو عطیہ دینے کے سلسلہ میں گواہ بنانے حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا ساری اولاد کو اسی طرح کے عطیات دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا 'نہیں تو' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اولاد کے بارے میں انصاف سے کام لو، کسی ایک کو دینا اور دوسرے کو نظر انداز کر دینا ظلم ہے اور میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا''۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں یہ معاملہ آتا ہے تو ایک بیٹی کو جہیز دے کر روانہ کرتے ہیں اور دوسری بیٹیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میں انصاف نہیں کروں گا تو کون انصاف کرے گا؟''

بخدا امن نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کی ناانصافی سے پاک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر صحیح روایت سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا سامان اپنے پاس سے دیا اور ان ۴۸۰ درہم سے نہیں خریدا گیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا واحد اثاثہ غزوہ بدر میں ملنے والی زرہ کو فروخت کر کے حاصل کیا تھا تو بھی صورت حال علیحدہ تھی۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا ابوطالب کی معاشی تنگی کا شدت سے احساس تھا۔ ایک روز آپ نے اپنے دوسرے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: ''آیئے ہم ان کی مدد کرتے ہیں اور وہ اس طرح کہ ان کا ایک بیٹا میں لے لیتا ہوں، ایک آپ لے لیں، اس طرح ان کی معاشی ذمہ داری کم ہو جائے گی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھی اسی لئے مدینہ منورہ میں مواخدت کے موقع پر جب ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کو بھائی بنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''یہ میرا بھائی ہے''۔

مطلب یہ تھا کہ اس کی کفالت جس طرح مکہ معظّمہ میں میرے ذمہ تھی اب بھی میرے ذمہ ہے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری تھی اسلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب نیا گھر بسانے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سرپرست ہونے کی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے کچھ ضروری سامان ساتھ کردیا۔

مروجہ جہیز کی خرابیاں

مگر اب جس طرح سے اس کا رواج ہے اس میں طرح طرح کی خرابیاں ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ اب ہدیہ مقصود رہا نہ صلہ رحمی بلکہ نام وری اور شہرت اور رسم کی پابندی کی نیت سے کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جہیز اور بری دونوں کا اعلان ہوتا ہے۔ متعین اشیاء ہوتی ہیں خاص طرح کے برتن بھی ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ جہیز کے اسباب بھی متعین ہیں کہ فلاں چیز ضروری اور تمام برادری اور گھر والے اس کو دیکھیں گے، جہیز کی تمام چیزیں مجمع عام میں لائی جاتی ہیں اور ایک ایک چیز سب کو دکھائی جاتی ہے اور زیور اور جہیز کی فہرست سب کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔آپ خود فرمایئے کہ یہ سب ریا اور دکھاوا ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ زنانہ کپڑوں کا مردوں کو دکھانا کس قدر غیرت کے خلاف ہے اسی طرح ہدیہ اور صلہ رحمی کے لئے کوئی شخص قرض کا بار نہیں اٹھاتا لیکن ان دونوں رسموں کو پورا کرنے کے لئے اکثر اوقات مقروض بھی ہوتے ہیں، مگر سود ہی دینا پڑے اور گو باغ ہی فروخت یا گروی ہوجائے، اسی لئے یہ بھی طریق متعارف (مروجہ طریقے سے) ممنوعات کی فہرست میں داخل ہوگیا۔ (ازالۃ الخفاء)

☆☆☆

شادیوں میں ناچ گانے ایک غیر شرعی عمل

بگڑے ہوئے ماحول ومعاشرہ میں جو امور قابل اصلاح اور ضروری ہیں۔ ان میں بیاہ شادی بھی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ان میں بھی مختلف پہلو نظر آتے ہیں۔ جن پر بحث کرنا بغرض اصلاح از حد ضروری ہے۔ مثلاً منگنی ،مہر، جہیز، بارات، دعوت ولیمہ، طلاق اور اسی طرح کفو۔ لڑکی اور لڑکے کا انتخاب ، میاں بیوی کے پوشیدہ مسائل جو مستقل میں ایک سلگتا ہوا مسئلہ بنا ہوا ہے۔

لیکن یہاں پر ہم شادیوں کے چند ایسے منکرات کو ذکر کر رہے ہیں جو آج ہماری اسلامی شادیوں کو بدنام کر رہا ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ ایک طرح کا ناسور بن چکا ہے۔ تو بے جانہ ہوگا۔ ناچ گانے کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جا رہا تھا کہ اسلامی شادی کا حصہ بنے گا لیکن آج ناچ گانے کے بغیر کوئی شادی اور خاص کر شہری شادی مکمل ہوتی نظر نہیں آتی۔ ایسے خرافات ومنکرات ومحرمات عمل میں لائے جاتے ہیں۔ جس پر شریعت نے روز اول ہی سے پابندی لگادی ہے۔ مگر آج مختلف قسم کے ناچ گانوں کا دور دورہ ہے۔ مردوں کی مجلس میں نوجوان دوشیزاؤں کا عریاں نیم برہنہ لباس زیب تن کر کے ناچ گانے کرائے جاتے ہیں تو وہیں دوسری جانب

عورتوں کو محفل میں نوجوان بے حیاء لڑکوں سے ناچ گانے کرائے جاتے ہیں جو سراسر حرام اور ناجائز ہے۔ ان میں آنکھ، کان، زبان اور دل بھی زنا میں ملوث ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس میں کوئی حد درجہ بے حیا ہوگا تو اس کا ہاتھ بھی اس جم غفیر میں زنا کر سکتا ہے۔ ان سب چیزوں کا زنا میں ملوث ہونا حدیث مبارک سے ثابت ہے۔

(مسند احمد بن حنبل: ۲، ص: ۳۴۹)

ایک جگہ زنا کے متعلق ارشاد ربانی ہے: ''وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا''۔ (سورہ بنی اسرائیل: ۳۲)

خلاصۂ تفسیر کچھ اس طرح ہے ''زنا کے پاس بھی مت پھٹکو (یعنی اس کے مبادی اور مقدرات سے بھی بچو) بلاشبہ وہ (خود بھی) بڑی بے حیائی کی بات ہے اور دوسرے مفاسد کے اعتبار سے بھی بری راہ ہے۔ (کیونہ اس پر عداوتیں اور فتنے اور تضیع نسب مرتب ہوتے ہیں)۔ (معارف القرآن: ۵/ ۴۷۵)

اور بھی اس طرح کی بہت ساری آیتیں اور روایتیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں اگر ہم طبی نقطہ نظر سے دیکھیں تو ان کھلم کھلا فحاشی اور زنا کاریوں اور اس جیسی برائیوں سے معاشرے میں طاعون اور اس جیسی لاعلاج بیماریاں جنم لیتیں ہیں۔ آج پوری دنیا میں ایڈس جیسی مہلک بیماری جن چیزوں کی دین ہے، اس کے پھیلنے بڑھنے میں کیا چیزیں کارفرما ہیں۔ وہ بھی ڈاکٹری معائنوں اور طبی تحقیقات کے سروے سے کسی پر ڈاکٹری معائنوں اور طبی تحقیقات کے سروے سے کسی پر مخفی نہیں رہا۔ اور ہمارے ملک میں کس حد تک یہ بیماری پیر پھیلا چکی ہے وہ بھی کسی پر مخفی نہیں۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام ایک دین فطرت مذہب ہے۔ اس کے ایک ایک حکم اور ایک ایک نظریے میں سکون وامن اور چین کا پہلو چھپا ہوا ہے۔ اس نے زنا کو ام الخبائث قرار دیا ہے تو وہیں دوسری جانب نکاح کو معاشرے میں سدھار اور امن

دامان قائم رکھنے کا ایک بہترین آلہ بتایا ہے۔ اگر کسی کے پاس نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہو تو شریعت مطہرہ نے کیا دوا تجویز کی ہے ذرا غور کیجئے۔

"یَا مَعْشَرَ الشَّبَابُ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَائَۃَ فَلْیَتَزَوَّجُ وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعُ فَعَلَیْہِ بِالصَّوْمِ ، فَإِنَّہُ وَجَاءٌ". (صحیح البخاری)

رسول اللہ ﷺ نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے نکاح کرنے کا حکم کرتے ہیں وہیں دوسری طرف عدم استطاعت کی صورت میں روزے رکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، کیونکہ روزہ خواہشات کو توڑنے کا ایک آلہ ہے۔ جسمانی اور مالی اعتبار سے بھی ممانعت ہو سکتی ہے۔

ناچ گانوں سے ہٹ کر دیکھا جائے تو دوسری طرف شادیوں میں آتش بازیاں، پٹاخوں کا استعمال کثرت سے کیا جا رہا ہے، یہی نہیں خوشی و مسرت کے دوسرے موقعوں سے بھی آتش بازیاں اور پٹاخوں کا معاشرے میں ایک بے جا چلن ہو چکا ہے۔ جو حقیقت میں اپنے ہی پیسوں کو اپنے ہاتھوں سے جلانے کے مترادف ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا. (سورہ بنی اسرائیل: ۲۷)

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا جو لوگ بے موقع بے محل روپیہ پیسوں کو فضول خرچ کرتے ہیں۔ ان کو شیطان کا بھائی قرار دیا۔ شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ غور کیجئے کون ہے؟ جو اپنے آپ کو شیطان کا بھائی ہونا پسند کرے گا۔

مسند احمد بن حنبل کی ایک روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سب سے برکت والی شادی وہ ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو۔

لیکن اس کے برعکس اگر دیکھا جائے تو آج ہمارے بیاہ شادیوں میں مکمل ویڈیو کا نظم کیا جاتا ہے شادی خانہ سے لے کر گھر تک کی پوری ایک فلم تیار کی جاتی ہے۔ جس میں مرد و عورت ساتھ ساتھ ہوتے، محرم غیر محرم کا کوئی خیال نہیں بعض کم عقل اور مغربی ذہن رکھنے والے ان برائیوں کے وجود میں نہ لانے سے ایک بڑا فتنہ کھڑا کر دیتے ہیں اور ایک اچھے خاصے ماحول کو خراب کر دیتے ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو شریعت مطہرہ نے جاندار شئے کی تصویر بنانے کو مطلقاً معصیت اور گناہ گردانا ہے۔ لیکن کن کن چیزوں پر رویا جائے۔

آج اسلامی تعلیمات سے ہٹ کر زندگی گزارنے سے معاشرے میں طرح طرح کی برائیاں پنپ رہی ہیں۔ جیسے طلاق کی کثرت، میاں بیوی کے مابین پیار والفت نام کی کوئی چیز ہی نہیں۔

اولاد کی اچھی تربیت کے بجائے ان معصوموں کو آوارگی کے راستہ پر ڈھکیلا جارہا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس رشتہ احسن کے بعد وجود میں آنے والا بچہ اچھی تربیت پا کر نہ صرف اپنے خاندان کیلئے مشعل راہ بنے گا بلکہ قوم کا خادم بن سکتا ہے۔

رشتہ ازدواج ایک چکی کے دو پاٹ کے مانند ہے۔ اگر ایک پاٹ خراب ہو جائے تو وہ چکی اپنا کام پورے طور پر انجام نہیں دے پائے گی۔ اور اگر دونوں پاٹوں میں بیک وقت خرابی آجائے تو کوئی کام ہونا ہی مشکل ہو جائے گا۔ یہ زندگی دو پہیہ گاڑی کے مانند بھی ہے۔ اگر ایک پہیہ بھی کام کرنا چھوڑ دے تو پھر منزل مقصود تک پہنچنا مشکل ہو جائے۔ ہم کوشش اس بات کی کریں کہ ہماری گاڑی منزل مقصود تک پہنچ جائے اور خراب بھی نہ ہو۔

☆☆☆

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق

اسلام میں ''حقوق العباد'' کو بنیادی اہمیت حاصل ہے' حدیث نبوی ﷺ میں مومن کو دوسرے کا آئینہ قرار دیا گیا ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی نصیحت فرمادیں جو میرے لئے فائدہ مند ہو۔ رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے راستے سے ایذا دینے والی چیزیں ہٹادیا کرو (جیسے راستے میں پڑے پتھر، کیلے کے چھلکے کہ کہیں کوئی شخص چلتے ہوئے گر نہ پڑے)۔

رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں پر مسلمانوں کے جو حقوق ارشاد فرمائے ہیں۔ آج مسلمان ان حقوق کی ادائیگی پر عمل پیرا ہو جائیں تو اتحاد و یگانیت کا جذبہ پھر لوٹ کر آئے گا اور مسلمان ظلم و استبداد، ذلت و رسوائی کے اندھیرے سے نکل کر اپنا مقام پیدا کرے گا۔ امت مسلمہ اس بارے میں سوچے کہ کیا ہم فرمان رسول اللہ ﷺ پر عمل کر رہے ہیں؟ ارشادات رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنا رب العالمین کا حکم اور خوشنودی کا باعث ہے۔ اسلام سلامتی کا داعی ہے' یہ وہ دین ہے جو اپنے ماننے والو کو بھلائی اور نیکی کی دعوت دیتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان کے

ساتھ بھلائی اور نیکی کرو اگر بھلائی نہ کر سکو تو اسے تکلیف نہ پہنچاؤ کہ یہ بھی ایک قسم کی بھلائی ہے۔ معلوم ہوا کہ مسلمان ایک دوسرے کے لئے ہر وقت معاون مددگار اور بھلائی کرنے والے ہوتے ہیں۔

بدقسمتی سے آج مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے بھلائی کے عمل میں کورا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی کونے میں چلے جائیں، مسلمان مصائب و آلام میں مبتلا دکھائی دے گا۔ اسلام میں مسلمانوں کے حقوق فرض اور واجب کے حکم میں ہیں۔ ان پر عمل کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ کلمہ طیبہ وہ پہلا عمل ہے کہ جسے پڑھ کر ہم صاحب ایمان بنتے ہیں۔ اللہ کی واحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کر کے عبادالرحمٰن کا اعزاز حاصل کرتے ہیں۔ اس اقرار کے بعد کچھ بنیادی حقوق بھی ہمیں تفویض کئے گئے ہیں۔ جن میں اطاعت الٰہی، اتباع رسول ﷺ کے حقوق، بڑوں اور چھوٹوں کے حقوق، معاشرے کے حقوق وغیرہ۔ اسی طرح مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ حسن اخلاق کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ جاری رکھیں۔ یہ بھی اسلام ہے۔ یہ وہ حقوق ہیں کہ جن کا اپنانا مشکل نہیں بلکہ ان حقوق کی ادائیگی کے لئے ایک ایسا ""حق"" بتادیا گیا کہ اس کی ادائیگی نماز، روزہ، صدقات سے بھی بہتر ہے۔ اسلام آپس کی محبت کو ترجیح دیتا ہے۔ رسول رحمت ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ تمہیں ایسی بات نہ بتادوں کہ جس پر عمل کرنا نماز، روزہ اور صدقات سے بہتر ہے اور وہ ہے مسلمانوں کے درمیان صلح کرادینا۔ یعنی مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو ختم کرادینا اور آپس میں صلح کرانا' یہ ایک عظیم اور پسندیدہ عمل ہے اور عبادت بھی۔ اگر ہم حقوق سے متعلق احکام الٰہی اور فرمودات رسول ﷺ کا مطالعہ کریں تو ہم ایک سچے مسلمان اور نیک انسان بن سکتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے مسلمانوں کے جو حقوق بیان فرمائے ہیں اگر ہم ان پر عمل کریں تو یقیناً اپنی کھوئی ہوئی عظمت،

رتبہ پھر پائیں گے۔ وہ حقوق کیا ہیں؟ فرمایا گیا! جب تم اپنے مسلمان بھائی سے ملو تو اسے سلام کرو۔ ایک دوسرے پر سلامتی بھیجو، یہ وہ عمل ہے کہ جس کے ذریعہ ایک دوسرے سے محبت بڑھتی ہے بلکہ یہ اہل جنت کا کلام ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے تو ملائکہ اس کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ فرمایا! جب کوئی تمہیں دعوت دے تو اسے قبول کرلو، دعوت دینے والے کا درجہ بھی بڑا ہے جو داعی کہلاتا ہے، داعی کے درجات بھی اعلیٰ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی تم سے خیر خواہی چاہے تو اس کے ساتھ خیر خواہی کرو، یہ فرمان امن وسلامتی کا ایسا عمل ہے کہ ہم فرقہ واریت، بغض وعناد سے پاک ہو کر ایک دوسرے کے عمدہ معاون بن سکتے ہیں۔

آپ نے فرمایا ''جب چھینک آئے تو الحمدللہ کہو، اس کا جواب دو جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو، عیادت ایک ایسی عبادت ہے کہ عیادت کرنے والے کے حق میں ستر ہزار فرشتے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی مسلمان انتقال کر جائے تو اس کا جنازہ پڑھو۔ یہ ارشادات ہمیں موت سے لیکر قبر تک کے معاملات یاد دلاتے ہیں''

اللہ کرے ہم یہ حقوق اور ان پر عمل زندگی میں لے آئیں۔ اپنی زندگی میں ایک انقلاب لا کر دوسروں کے لئے نمونہ عمل بن سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حقوق سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆

قیام امن میں پیغمبر اسلام کا کردار

عہد حاضر میں جہاں موجودہ دنیا نے حیرت انگیز ترقی کی ہے وہیں اسے کئی لحاظ سے زبردست پستی کا شکار بھی ہونا پڑا ہے۔ مثال کے طور پر عالمی امن کی صورتحال ہی کو لے لیجئے کہ دنیا میں چپہ چپہ پر بے شمار وسائل وذرائع کے باوجود ہر جگہ قتل وغارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم نظر آتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے ہی خائف دکھائی دیتے ہیں۔ سڑکوں، گلی کوچوں اور بازاروں میں چلتے ہوئے لوگ سراسیمہ اور خوفزدہ نظر آتے ہیں۔ انہیں اس بات کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ نہ جانے کب اور کہاں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آجائے اور ان کی زندگی کا خاتمہ ہوجائے لوگوں کی یہ سوچ بے وجہ نہیں ہے بلکہ گذشتہ چند سالوں کے دوران دنیا کے محفوظ ترین علاقوں، بازاروں اور کیفوں میں ایسے ناگہانی واقعات رونما ہوچکے ہیں جن میں آن کی آن میں درجنوں اور سینکڑوں افراد کی موقع پر ہی موت ہوگئی۔ مرنے والے یہ لوگ بلا جھجھک یا تو بازاروں میں خرید وفروخت کر رہے تھے یا کیفوں میں موج ومستی کے عالم میں تھے یا ریسٹوران میں عمدہ قسم کے لذیذ کھانے تناول کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ جابجا کشت وخون کی بڑھتی وارداتیں عوام الناس کے سکون کو غارت کئے ہوئے ہیں۔

خون ریزی و دہشت گردی کے اس ماحول میں دنیائے انسانیت کو امن وسکون کی ضرورت ہے بلکہ یہ عہد جدید کے لئے سب سے ناگزیر چیز ہے کیونکہ لوگوں کے پاس زندگی گذارنے کی دیگر اشیاء تو کسی حد تک موجود ہیں۔ چلنے کے لئے چھوٹی گاڑیوں سے لے کر بڑی گاڑیوں تک دور دراز کے مقامات پر سفر کرنے کے لئے تیز رفتار ٹرینیں اور فی گھنٹہ سینکڑوں اور ہزاروں کیلومیٹر دوری طے کرنے والے ہوائی جہاز موجود ہیں پہننے کے لئے انواع واقسام کے قیمتی لباسوں سے مارکیٹیں بھری پڑی ہیں۔کھانے کے لئے قسم قسم کی ڈشیں تیار ہیں۔

پرانے لذیذ کھانوں کے علاوہ موجودہ دور کے فاسٹ فوڈ کے بھی قدم قدم پر ریسٹوران اور ہوٹل موجود ہیں۔ رہنے کے لئے بڑے کشادہ مکانات کی کمی نہیں ہے۔دنیا کے بہت سے لوگ ایسے مکانات میں رہتے ہیں جو پختہ اور آراستہ ہوتے ہیں جن میں الکٹرانک سے چلنے والی مختلف راحتی چیزیں ہوتی ہیں اور خوبصورت فرنیچر بھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دور جدید میں روزگار کے بھی خاصے وسائل دریافت کر لئے گئے ہیں۔اور اس میدان میں مزید کوششیں کی جارہی ہیں مادی ترقی کے لئے آج کے انسان کے پاس کمپیوٹر اور انٹرنیٹ جیسے آلات موجود ہیں۔رہا تفریحی اور انٹرنیٹ کا سوال تو آج تفریح آلات و مصنوعی کی اس قدر ریل پیل ہے کہ گذشتہ صدیوں میں اس کے عشر عشیر کا بھی تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔مگر ان سب چیزوں کے علاوہ اگر کوئی چیز نہیں ہے تو وہ امن وسکون نہیں ہے۔ لوگ دولت، پراپرٹی اور انگنت وسائل کے باوجود دہشت زدہ اور تناؤ میں رہتے ہیں جو یقیناً ان کی سب سے بڑی ناکامی ہے۔

دہشت گردی وتخریب کاری کے خاتمہ اور امن وامان کے قیام کے لئے اگرچہ عالمی سطح پر اب تک متعدد کوششیں کی جاچکی ہیں۔اربوں ڈالر خرچ کئے جاچکے

ہیں مگر دہشت گردی جوں کی توں برقرار ہے۔ اس میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ بتدریج اس کی جڑیں اور زیادہ مضبوط ہوتی جارہی ہیں۔ اس کا سیدھا مطلب ہے کہ دہشت گردی کے سدباب اور امن کے قیام کے لئے ابھی تک جو کوششیں کی گئیں اور جو حکمت عملیاں اختیار کی گئیں، وہ ناکام ہو چکی ہیں۔ اب ضرورت دوسری حکمت عملیوں کو اختیار کرنے کی ہے ایسے اصول اپنانے کی ہے جو امن کی راہ کو ہموار کرسکیں اور ایسے نظاموں کو نافذ کرنے کی ہے جو کامیابی کے ساتھ اہل دنیا کو سکون عطا کرسکیں۔

امن کے قیام کے لئے اگر اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو یقیناً اس کے مثبت نتائج سامنے آسکتے ہیں اور دنیا سے دہشت گردی کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اسلام امن کا پورا نظام پیش کرتا ہے۔ اسلام کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی پوری زندگی امن وامان سے عبارت ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو سامنے رکھ کر امن کے قیام کی بات کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا میں امن قائم نہ ہو اور ہر طرح کے جرائم وبدعنوانی کا خاتمہ ہوجائے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات آج بھی محفوظ وموجود ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کے اثر سے بڑے بڑے شقی القلب اور سخت وتندمزاج لوگوں کے دلوں میں نرمی ومحبت پیدا فرمادی تھی۔ جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت پوری دنیا میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ لوگ باہم دست وگریباں تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر خونریز جنگیں برپا ہوجایا کرتی تھیں۔ لوگ لڑائیوں کے اس قدر دلدادہ ہوگئے تھے کہ انہیں ان میں ہی مزہ آیا کرتا تھا۔ مگر نبی کریم ﷺ کی کوششوں اور آپ کی تعلیمات نے اہل دنیا کو جینے کا سلیقہ دیا۔ انہیں امن سے زندگی گذارنے کا تصور دیا۔ جب آپ نے مکہ

سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اس وقت اوس وخزرج کے درمیان میدان کارزار گرم تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے کی جان کا دشمن بنا ہوا تھا۔ یہ جنگ کافی عرصہ سے جاری تھی۔ نبی آخر الزماں ﷺ نے مدینہ پہنچ کر دونوں قبائل کو گلے ملا دیا جس کے بعد وہ دونوں فریق باہم دوست بن گئے۔ اور اس طرح ہو گئے گویا ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ ہو۔

ذاتی طور پر جن لوگوں نے آپ کو بے حد ستایا تھا' آپ کے صحابہ کو اذیتیں دی تھیں۔ آپ کی تحریک کو مٹانے کی کوشش کی تھی ایسے لوگوں پر جب آپ کا غلبہ ہوا تب بھی آپ نے ان سے کوئی انتقام نہ لیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر وہ مشرکین وکفار آپ کے رحم وکرم پر تھے جنہوں نے آپ کے خلاف قتل کی سازشیں رچی تھیں مگر آپ نے ان سب کو معاف کر دیا۔ آپ نے ابوسفیان سے بھی بدلہ نہ لیا جو اسلامی تحریک کے خاتمہ کے لئے لشکر لئے پھرتا تھا بلکہ آپ نے اس کو عزت دی۔ آپ نے اس شخص سے بھی انتقام نہ لیا جس نے آپ کے چچا حضرت حمزہ کو بھی برچھی مار کر شہید کر ڈالا تھا۔ پیغمبر اسلام کے اس ذاتی عمل نے شقی القلب اور جنگ وجدال میں یقین رکھنے والے لوگوں کو بے حد متاثر کیا تھا۔ یہی نہیں آپ نے جرائم وبدعنوانی کو روکنے کی بھی حد درجہ کوششیں کیں۔ آپ نے اس سلسلہ میں بہترین تعلیمات پیش کیں۔ آپ نے لوگوں کو اس بات سے منع کیا کہ وہ کسی کو دھوکہ دیں' کسی کے ساتھ عہد شکنی کریں، آپ نے جھوٹ بولنے سے لوگوں کو منع کیا۔ قتل وغارت گری سے لوگوں کو باز رکھا۔ آپ نے سچائی، محبت، انصاف، برابری کی تعلیم دی۔ زنا کاری، فحاشی، لوٹ مار جیسی بری باتوں سے لوگوں کو روکا۔ سب کے ساتھ آپ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا اور اچھے اخلاق کی تعلیم دی۔ آپ کے اسوہ حسنہ کو دیکھ کر لوگ جرائم اور گناہوں سے تائب ہو گئے اور اتنے ایماندار، دیانت داری اور

امین ہو گئے کہ تاریخ میں ایسی مثالیں نہیں ملتیں۔ اگر آج بھی آپ کی ان تعلیمات سے لوگ واقف ہوں اور ان پر عمل پیرا ہو تو بہت جلد جرائم کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اگر آپ کے نرم رویہ سے سبق لیں تو انتقام اور لڑائی کا تصور ہی ختم ہو جائے گا۔ امن کو عالمی سطح پر پھیلانے کے لئے پیغمبر اسلام نے یہودی وعیسائی جو اسلام کے بڑے دشمن تھے انہیں بھی امن وامان کی دعوت دی۔ جب نبی کریم ﷺ ان کے پاس خطوط روانہ کرتے تو یہ ارشاد فرماتے ''اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے علاوہ کسی کو رب نہ بنائے''۔ ایک بار آپ ﷺ نے لکھا جو قلیل وکثیر ان گرجاؤں کے تحت ہیں، وہ سب انہیں کی رہیں گے، نہ کسی پادری کو اس کے منصب سے ہٹایا جائے گا، نہ کسی کاہن کو اس کی کہانت اور نہ ان کے حقوق میں تبدیلی کی جائے گی۔ یہ آنحضرت ﷺ کا غیر مسلم اقوام کے ساتھ سلوک تھا۔

اس کے برعکس اگر مسلمانوں کی سلطنتیں یہود وعیسائی کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں تو وہ جس بربریت وسفاکیت کا مظاہرہ کرتے ہیں اسکا اندازہ امریکہ ویوروپ کی اسلام کے خلاف تازہ ترین سفاکیت سے لگایا جاسکتا ہے۔ اگرچہ امریکہ ویوروپ پوری دنیا پر اپنا اثر ورسوخ رکھتے ہیں مگر اسکے باوجود یہ ملک امن قائم کرنے کی بجائے ایسے پرتشدد واقعات کو جنم دیتے ہیں جو تخریب کاری اور دہشت گردی میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں۔ اگر موجودہ دنیا میں امن وسکون قائم کرنا ہے تو پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطابق اہل دنیا کو زندگی گذارنے کا سبق پڑھانا ہوگا۔

☆☆☆

نکاح میں تاخیر...اخلاقی برائیوں کا باعث

نکاح انسان کی فطری وطبعی ضرورت کی تکمیل ، انبیاء علیہم السلام کی سنت اور افزائش نسل کو حلال و پاکیزہ ذریعہ ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر انسان مرد و عورت کے دل میں ایک دوسرے کی طرف رغبت ومیلان کو پیدا کیا ہے اور یہ ایک فطری امر ہے اور اس فطری ضرورت کی تکمیل کے لئے نکاح کو مقرر کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر نکاح فرمایا اور اپنے فرامین کے ذریعہ بھی اس کی ترغیب دی۔

دین اسلام کی تعلیمات میں اعتدال اور توازن سب میں نمایاں خصوصیت ہے اور یہی خصوصیت آج دنیا کے کسی مذہب ودین، یا قوم وملت میں پائی نہیں جاتی۔ اسلام جس طرح مرد وزن کے باہمی اختلاط وامتزاج سے منع کرتا ہے۔ وہیں دونوں کے ایک دوسرے سے بالکلیہ علیحدہ رہنے کو بھی پسند نہیں کرتا۔ نہ اسلام میں مرد وزن کے آزادانہ میل ملاپ کی اجازت ہے اور نہ ہی اس میں راہبانہ تصورات ونظریات پائے جاتے ہیں جس میں عورت کو ایک گناہ ، فتنہ اور شیطان کا ہتھیار سمجھ کر تعلق زن وشو کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اسلام افراط وتفریط ،غلو تنقیص

کی درمیانی شاہراہ عظیم کا نام ہے۔ جس کی تعلیمات میں جہاں ضرورت کی تکمیل نفس وروح کی تسکین ہے وہیں مقصد حیات کی تعمیل بھی ہے۔

اسلام نے مرد وزن کے فطری میلان ورجحان کے پیش نظر نفس وروح کی تسکین کے لئے حلال وپاکیزہ طریقہ نکاح کو مقرر کیا۔ ارشاد الٰہی ہے: "اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے جوڑے پیدا کیا تاکہ تمہیں راحت وسکون میسر ہو۔ یہ صرف خواہش نفس کی تکمیل نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس میں ایک اہم مقصد اور کار پنہاں ہے۔ حکم ربانی: وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ. نکاح کے ذریعہ تم اولاد کی طلب کرو۔

بایں ہمہ نکاح اخلاق وکردار، عزت وناموس اور حیاء وپاکدامنی کا ذریعہ ہے۔ جو آدمی نکاح کرلیتا ہے وہ ایک قلعہ میں محفوظ ہوکر بے حیائی، بداخلاقی، بدکرداری، بے راہ روی، اور بدنظری سے بچ جاتا ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من استطاع منكم الباءة فليتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج"۔ تم میں سے جو کوئی حقوق زوجیت پر قادر ہو تو وہ شادی کرلے کیونکہ اس سے نگاہ اور عصمت کی حفاظت ہوتی ہے۔

آج دنیا بے راہ روی، بے پردگی، بہیمیت وحیوانیت کو تہذیب وتمدن کی بلندی شمار کررہی ہے اور ایسے دور میں مسلم معاشرہ کو دنیا کی گمراہی وضلالت وخواہشات نفسانی کے دجل وفریب سے محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان میں اسلامی شعور کو بیدار کیا جائے اور مسلم نوجوان لڑکا ولڑکی کو جلد سے جلد شادی کے بندھن میں باندھ کر دنیا کی برائیوں اور فساد سے محفوظ رکھا جائے۔

بے پردگی، حسن کی نمائش، عریانیت، مرد وزن کے آزادانہ میل ملاپ نے انسانی سماج کی جڑیں کھوکھلی کردی ہیں۔ اب بدکاری کو بھی غلط نگاہ سے نہیں دیکھا

جارہا ہے۔ ایسے پر آشوب دور میں جہاں رقص وسرور کی محفلیں عام ہیں۔ فلمی بینی کے مواقع کھلے ہیں۔ مسلم نوجوان کی عصمت وآبرو کی حفاظت مشکل نظر آرہی ہے۔

ان حالات میں اسلامی تعلیمات پر عمل ہی انسان کو نجات وکامیابی عطا کرسکتا ہے۔ مسلم سرپرستوں کو اسلامی رو سے اپنی اولاد کی جلد سے جلد شادی کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ لیکن اسراف، فضول خرچی، نمائش کا اظہار، سماج میں مقام برقرار رکھنا، بے جا رسومات، غیر ضرری رواجات، گھوڑا جوڑا جیسی خرافات اس راہ میں بڑی رکاوٹ بن گئے ہیں جس کی وجہ سے لڑکا لڑکی کی عمریں بڑھتی جارہی ہیں اور نت نئے مسائل پیدا ہورہے ہیں اور نکاح میں تاخیر کئی ایک سماجی واخلاقی برائیوں کا سبب بنتی جارہی ہے۔

☆☆☆

خواتین کیلئے حجاب سب سے بہتر

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْأَۃُ عَوْرَۃٌ فَاِنَّھَا اِذَا خَرَجَتْ مِنْ بَیْتِھَا اسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطٰنُ وَاِنَّھَا لَا تَکُوْنُ اَقْرَبَ اِلَی اللّٰہِ مِنْھَا فِیْ قَعْرِ بَیْتِھَا۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے اور بلاشبہ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان تکنے لگتا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ عورت اس وقت سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے۔

(الترغیب والترہیب للمنذری ص:۲۲۶، جلد:۱، از طبرانی)

تشریح: اس حدیث میں اول تو عورت کا مقام بتایا ہے یعنی یہ کہ وہ چھپا کر رکھنے کی چیز ہے، عورت کو بحیثیت عورت کے اندر رہنا لازم ہے جو عورت پردہ سے باہر پھرنے لگے وہ حدود نسوانیت سے باہر ہوگئی۔

اس کے بعد فرمایا کہ جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر تاکنا شروع کر دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب عورت باہر نکلے گی

تو شیطان کی یہ کوشش ہوگی کہ لوگ اس کے خد وخال اور حسن وجمال اور لباس وپوشاک پر نظر ڈال کر لطف اندوز ہوں۔اس کے بعد فرمایا کہ عورت اس وقت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے جن عورتوں کو اللہ کی نزدیکی کی طلب اور رغبت ہے وہ گھر کے ہی اندر رہنے کو پسند کرتی ہیں اور حتی الامکان گھر سے باہر نکلنے سے گریز کرتی ہیں۔

اسلام نے عورتوں کو ہدایت دی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے گھر کے اندر ہی رہیں، کسی مجبوری سے باہر نکلنے کی جو اجازت دی گئی ہے اس میں متعدد پابندیاں لگائی گئی ہیں، مثلاً یہ کہ خوشبو لگا کر نہ نکلیں، اور یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ عورت راستہ کے درمیان نہ چلے۔ اگر اسے باہر جانا ہی پڑے تو پورے بدن پر موٹی چادر لپیٹ کر نکلے۔ (راستہ نظر آنے کے لئے ایک آنکھ کا کھلا رہنا کافی ہے)۔

نیز فرمایا کہ مرد کی نظر کسی نامحرم عورت پر یا عورت کی نظر کسی نامحرم مرد پر پڑ جائے تو فوراً نظر ہٹالے، اگر عورت کو کسی نامحرم مرد سے بدرجہ مجبوری بات کرنی پڑے تو نرم گفتاری سے بات نہ کرے اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ عوت بغیر محرم کے سفر نہ کرے، محرم بھی وہ ہو جس پر بھروسہ ہو، فاسق محرم جس پر اطمینان نہ ہو اس کے ساتھ سفر کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح شوہر یا محرم کے علاوہ کسی نامحرم مرد کے ساتھ تنہائی میں رہنے یا رات گزارنے کی بالکل اجازت نہیں ہے اور محرم بھی وہ ہو جس پر اطمینان ہو۔ یہ سب احکام درحقیقت عفت وعصمت محفوظ رکھنے کے لئے دئے گئے ہیں۔

مخلوط تعلیم کا زہر

آج کل لڑکیوں کو اسکولوں کالجوں میں پڑھانے کے لئے بھیجتے ہیں ان کو اونچی ڈگریاں دلانے کی کوشش کرتے ہیں اول تو اس میں اس حکم کی خلاف ورزی

ہے کہ عورت اپنے گھر میں رہے۔ اگر باہر نکلنا ہو تو بدرجۂ مجبوری پابندیوں کے ساتھ نکل سکتی ہے مگر وہ تو پردہ کے اہتمام کے بغیر نکلتی ہیں اور خوب بن ٹھن کر خوشبو لگا کر جاتی ہیں، پھر رہی سہی کسر مخلوط تعلیم نے پوری کر دی، ایک ہی کلاس میں لڑکے اور لڑکیاں اور بالغ مرد اور عورت بے پردہ ہو کر بیٹھتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اسلامیات کی ڈگری لینے والے عین تعلیم کے وقت اسلامی احکام کو پامال کرتے جاتے ہیں اور جو لوگ ان باتوں پر نکیر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ غیر شرعی طریقہ ہے وہ کیسی ہی آیات واحادیث پیش کریں، ان کی بات کو دقیانوسی کہہ کر ٹال دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے اور دین کے صحیح تقاضے کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام عفت وعصمت والا دین ہے

اسلام حیا اور شرم، عفت وعصمت، غیرت وحمیت والا دین ہے۔ اس نے انسانیت کو اونچا مقام دیا ہے، انسان اور حیوان میں جو امتیازی فرق ہے وہ اسلام کے احکام پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ اسلام یہ ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ انسانوں میں حیوانیت آجائے اور چوپایوں کی طرح زندگی گذاریں۔ مردوں اور عورتوں کے اندر جو ایک دوسرے کی طرف مائل ہونے کا فطری تقاضا ہے شریعت اسلامیہ نے ان کی حدود مقرر فرمائی ہیں۔ حقوق نفس اور حظوظِ نفس سب کا خیال رکھا ہے۔ لیکن انسان کو شتر بے مہار کی طرح نہیں چھوڑا، کہ جو چاہے کھائے اور جو چاہے پہنے اور جہاں چاہے نظر ڈالے اور جس سے چاہے لذت حاصل کرے، بہت سے لوگ جو نام نہاد مسلمان ہیں (اگرچہ علوم عصریہ میں ماہر ہیں اور دنیاوی معاملات سے اچھی طرح واقف ہیں) یورپ وامریکہ کے یہود ونصاریٰ اور بد دین ملحدوں اور زندیقوں کی دیکھا دیکھی بلکہ انکی ترغیب اور تحریر سے متاثر ہو کر مسلمانوں کو بھی بہیمیت کے سیلاب

میں بہا دینا چاہتے ہیں۔ جب ان لوگوں کے سامنے پردہ کے احکام ومسائل پیش کئے جاتے ہیں تو قرآن وحدیث کے واضح دلائل سامنے ہوتے ہوئے بڑی ڈھٹائی کیساتھ کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب باتیں مولویوں نے نکالی ہیں۔ عورتوں کو بے پردہ پھرانے بلکہ کلبوں میں نچوانے کو یہ لوگ ترقی سے تعبیر کرتے ہیں۔

کونسی ترقی محمود ہے؟

عورت صنف نازک تو ہے ہی، کم سمجھ بھی ہے، جب ان کو بہکایا جاتا ہے کہ پردہ ترقی کے لئے آڑ ہے اور ملا کی ایجاد ہے۔ تو یہ اپنی نادانی سے اس بات کو باور کرلیتی ہیں اور میلوں اور جلسوں اور پارکوں، بازاروں اور تفریح گاہوں میں پردہ شکن ہوکر بے محابا مردوں کے سامنے گھومتی پھرتی ہیں اور بے حیائی اور عفت وعصمت کے داغدار کرنے والے عمل کو ترقی سمجھتی ہیں۔

دشمنان اسلام نے بس ترقی کا لفظ یاد کرلیا ہے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کس چیز کی ترقی محمود ہے اور کونسی ترقی مذموم ہے؟ اگر قوم کی بہو بیٹیاں بے پردہ ہوکر گھروں سے نکلیں اور بازاروں، پارکوں میں مردوں کے ساتھ مل جل کر گھومتی پھریں تو اس میں کس چیز کی ترقی ہے؟ کیا اس میں انسانیت بام ترقی تک پہنچ گئی؟ یا غیرت اور شرافت میں کچھ اضافہ ہوگیا؟ نہیں نہیں، اس سے تو عصمت وعفت کے لٹ جانے کی راہیں ہموار ہوگئیں، انسان کی شرافت اور کرامت برباد ہونے کے انتظامات ہوگئے، برائی کی ترقی بھی کیا کوئی ترقی ہے، ایسی ترقی تو شیطان اور اس کے دوستوں کو پسند ہوتی ہے، برائی کی ترقی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اور مخلصین ومومنین ومومنات کو پسند نہیں ہوتی۔

حفاظتِ نظر کا حکم

سب سے بڑی چیز جو ایک مرد کو عورت کی طرف یا عورت کو مرد کی طرف مائل کرنے والی ہے وہ نظر ہے، قرآن مجید میں دونوں فریقوں کو حکم دیا ہے کہ اپنی نظریں پست رکھیں، سورہ نور رکوع ۴ میں اول مردوں کو حکم فرمایا:

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِکَ اَزْکٰی لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ"۔

"آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے بیشک اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں"۔

اس کے بعد عورتوں کو خطاب فرمایا:

"وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا"۔

"اور مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور نہ دکھائیں اپنا سنگار مگر جو کھلی ہے"۔

☆☆☆

عورت کی حیثیت مختلف مذاہب میں

اسلام کے ظہور سے قبل دنیائے انسانیت میں صنف انسانیت یعنی عورت کی کوئی آئینی وقانونی حیثیت نہیں تھی۔ اس کو محض شہوت رانی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کو مال کی طرح تقسیم کرنے اور تحفے کے طور پر پیش کرنے کا رواج تھا۔ رومن تہذیب میں تو عورت کو سرے سے انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ عرب کی تہذیب میں عورت ننگ وعار کی علامت تھی۔ لڑکی کو زندہ دفن کرنے سے ہی ان کا وقار قائم اور ناک سلامت رہ سکتی تھی۔ ہندوستان کی تہذیب میں عورت متضاد حیثیت کی حامل تھی جو انتہائی حیرت انگیز تھی۔ نومولود بچی کا جل پرواہ (ٹوکری میں رکھ کر بہادینا) بیوہ عورت کا ستی ہونا یعنی شوہر کے ساتھ چتامیں میں بیوہ کو زندہ جلانے کا رواج اور پتی نہ ہونے کی شکل میں سماج میں اس کا سوشل بائیکاٹ، منحوس، ڈائن اور کلنک کی تصویر، تمام تر حقوق، مراعات اور خوشیوں سے محروم، حسرت ویاس وغم واندوہ کی زندہ مورت، تو دوسری طرف اسی صنف کی درگا لکشمی، سرسوتی، کالی وغیرہ ہزاروں دیویوں کو پوجا کی جاتی تھی۔ غرضیکہ تمام بڑی چھوٹی تہذیبوں میں عورت کی حیثیت انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔

اسلام نے نہ صرف عورت کو صنف انسانیت کے شرف سے نوازا بلکہ مردوں کے مساوی اس کے حقوق متعین کئے۔ ترکے میں اس کو وارث بنایا، اس کو حصول علم کا حق دیا، ذاتی ملکیت کا حق عطا کیا، مذہبی، آئینی، سماجی اور بنیادی حقوق سے نوازا جن کی وہ مستحق تھیں اور جن کو نفس پرست، خودغرض، مفاداور ہوس پرست لوگوں نے مذہبی وسماجی رسوم ورواج کے نام پر اور کچھ نے بہ زور قوت سلب کر رکھا تھا۔ مردوں کی غلامی اور ان کے جبر واستبداد سے عورت کو آزاد کرنے کا سہرا صرف اور صرف اسلام ہی کے سر ہے۔

ویدک اور مغربی تہذیب میں عورت کا مقام قدیم زمانے کی عورت کی ہی طرح ہے۔ وہ آج بھی مجبور، مقہور اور غلام ہے، آج بھی وہ اپنے فطری حقوق اور معیار سے محروم ہے۔ وہ کل بھی شہوت رانی کا ذریعہ تھی آج بھی تسکین ہوس کا سامان ہے، وہ کل بھی مال تجارت تھی آج بھی حصول زر کا ذریعہ ہے۔ کل اس کی قبر پانی اور زمین تھے آج رحم مادر اس کی قتل گاہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کی جتنی حالت خراب پہلے تھی اس سے کہیں زیادہ بدتر حالت اس "مہذب" اور "روشن" دور میں ہے۔ بس فرق ہے تو عنوان کا جسے پہلے اس کو طوائف کہا جاتا تھا۔ آج سیکس ورکر، پہلے داشتہ کہلاتی تھی آج لیوان ریلیشن کا عنوان دے دیا۔ کوٹھوں کی جگہ اسکول اور کالجوں نے لے لی۔ جہاں کلچرل پروگراموں کے نام پر باپ کے سامنے ہی بیٹی کو نچایا جاتا ہے۔ گھر کی شوبھا کہلانے والی آج دفتروں اور محفلوں کی زینت ہے۔ ایلورا، اجنتا کی سنگی شبیہوں کے عملی مظاہرے، ریسٹورینٹ، ہوٹل، پارک اور نائٹ کلب تمام سہولیات اور آرائش کے ساتھ موجود ہیں۔ جو کل تک معیوب اور قبیح تھا آج وہ آرٹ کلچر کے نام سے فیشن بن گیا ہے۔ مغربی حیوانی تہذیب سارے عالم کے اہل خیر وفکر کے لئے نمونہ عبرت ہے، جس نے انسان کو شرف انسانیت سے محروم

کر دیا ہے۔ رشتے ناتوں کی تقدیس پامال ہو چکی ہے۔ جنسی انارکی کی حالت یہ ہے کہ بچوں کو اپنے ماں باپ کا پتہ تک نہیں ہے۔ خاندانی نظام پارہ پارہ ہو چکا ہے۔ فرانس کے صدر لیوان ریلیشن کے تحت ازدواجی زندگی گذار رہے ہیں۔ امریکی صدر بل کلنٹن اپنی پرائیوٹ سکریٹری سے تعلق رکھتے ہیں۔ برطانیہ کے پرنس چارلس کی بیوی کے معشوقوں کی فہرست میں بعد از مرگ بھی نام جڑتے جا رہے ہیں۔ یورپ کے کئی سربراہان مملکت پر جنسی بے اعتدالیوں کے الزامات ثابت ہو رہے ہیں۔ جب سربراہان قوم کی یہ حالت ہو تو عوام کی حالت کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے۔ ہندی کی اس کہاوت کے مصداق "جیسا راجہ ویسی پرجا"۔

ویدک تہذیب کو بیان کرنے کے لئے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے.جی بالا کرشنن نے اسی سال ۲۳ / مارچ کو اپنے ریمارکس کے ثبوت میں ویدک دھرم کے عظیم دیوتا کے عملی کردار کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شادی سے قبل مرد اور عورت کے درمیان ازدواجی تعلقات قائم ہونا کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی جرم ہے۔ مرد و عورت کا ساتھ رہنا کوئی جرم نہیں اور یہ جرم کیسے ہو سکتا ہے جب کہ باہمی طور سے دونوں رضا مند ہیں؟ کرشن اور رادھا بھی لیوان ریلیشن یعنی بنا شادی کیئے ازدواجی تعلقات رکھتے تھے"۔

چیف جسٹس کے جی بالا کرشنن کا مذکورہ ریمارکس انتہائی غیر معمولی اور محتاج توجہ ہے۔ ملک کی سب سے بڑی کورٹ کے مصنف اعظم، ماہر قانون و دانشور کا یہ بیان حقیقت میں ویدک دھرم اور تہذیب کا کھلا آئینہ ہے جو بہیمانہ تہذیب ہے۔ مغربی تہذیب کی اباحیت پسندی، جنسی انارکی، فحاشی و بے حیائی مغربی اقوام کے اخلاقی زوال اور مذہب سے بغاوت اور نفرت کا نتیجہ ہے۔ جب کہ ویدک مذہب و تہذیب میں عورت کی عفت و عصمت، پاکدامنی و پاکیزگی کوئی معنی ہی نہیں رکھتی،

ان کی نہ کوئی حیثیت ہے نہ کوئی اہمیت۔ جنسی معنوں میں ویدک دھرم ''فطری'' دھرم اور اس کے پیروکار سچے ''نیچرلسٹ'' ہیں۔ اپنی تہذیب پر فخر کرنے والے ہندوؤں کے آباواجداد اور ناجائز جنسی تعلقات کو قبیح یا برا نہیں سمجھتے تھے۔ عورتیں حیوانوں کی طرح کسی بھی مرد سے خواہشات کی تکمیل کر سکتی تھیں۔ مہابھارت کے آدی پرو ادھیائے ۱۲۲ میں راجہ پانڈ اپنی بیوی کنتی سے کہتے ہیں: ''اے حسینہ! پہلے وقت میں عورتوں کو کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ ان دنوں وہ آزادی کے ساتھ خواہشات کی تکمیل کی امید میں مست ہو کر گھوما کرتی تھیں۔ اے خوش بخت! کنوارے پن سے ہی وہ خواہشات پوری کیا کرتی تھیں اس سے ان کو کوئی ادھرم نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ وہی پہلے زمانے کا دھرم تھا''۔

کنتی نے اپنے شوہر راجہ پانڈو کے مجبور کرنے پر دھرم راج، وایو اور اندر تینوں دیوتاؤں کے ساتھ نیوگ کر کے علی الترتیب یدھشٹر، بھیم اور ارجن کو جنم دیا۔ (غیر مرد کے ساتھ تعلق کے ذریعے بچے کو جنم دینے کو نیوگ کہا جاتا ہے۔ اولاد (خصوصاً لڑکے کی پیدائش کے لئے یہ عمل انجام دیا جاتا ہے جس کو آج بھی مذہبی تحفظ حاصل ہے) یہ وہی کنتی ہے جو کنوارے پن میں سوریہ دیوتا کی ہوس کی شکار بن کر کرن نام کے ناجائز بچے کی ماں بنی تھی۔ اس کے علاوہ راجہ پانڈو کی دوسری بیوی مادری نے اشونی کماروں سے نیوگ کر کے نکل اور سہدیو دو پتر رتنوں کو حاصل کرنے کا گورو پراپت کیا۔ اس طرح پانچوں پانڈوں کی پیدائش حیوانی طرز پر ہوئی۔ ویدوں کے رچیتا مہان رشی وید ویاس نے بھی اسی حیوانی دھرم کا سہارا لے کر پرائی عورتوں سے خواہشات پوری کیں۔ ان کے علاوہ بڑے بڑے مہارشیوں اور دیوتاؤں نے جار کرم اور نیوگ کے ذریعے اپنی خواہشات پوری کر کے پرائی عورتوں کا جنسی استحصال کیا۔ (ہندو جاتی کا اتھان اور پتن۔ رجنی کانت شاستری)

شویت کیتو کے سامنے ہی ایک برہمن اس کی ماں کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی کھینچنے لگا۔ اس غیر انسانی اور غیر اخلاقی حرکت کو دیکھ کر غیرت مند شویت کیتو کے غصے سے ہونٹ کانپنے لگے تب اس کے باپ اُدّالکلن نے کہا: ''اے تات! غصہ مت کرو، یہی سناتن دھرم ہے۔ اس زمین میں سبھی ورنوں کی عورتیں بنا کسی بندھن کے ہیں۔ اے تات! سب ہی لوگ اپنے اپنے ورنوں کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں جیسے گائیں''۔

مہارشی آتری بھی اس قدیم پرتھا کے مطابق جا اکرم کو گناہ نہیں مانتے۔ اتری اسمرتی میں حرام کاری کی حمایت کرتے یعنی جائز قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں: ''عورتیں جارو سے گنہگار نہیں ہوتیں، جیسے برہمن یگ میں تشدد (جانوروں کی قربانی) وغیرہ ویدک عمل سے گنہگار نہیں ہوتے''۔

کرشن جی جو مہابھارت کے ہیرو اور رادھا کے پرم پریمی اور نام نہاد پتی سبھی کچھ ہیں۔ ان ہی کے کردار کو چیف جسٹس نے لیوان ریلیشن شپ کو ویدک دھرم کے پیروکاروں کے سامنے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ یہ عمل تو دیوتاؤں کی روایت رہا ہے۔ تو اس پر یہ واویلا اور ہائے توبہ کیوں؟ گھروں اور مندروں میں رادھا، کرشن کی ایک ساتھ پوجا اور آرتی... بھجن..... کیرتن میں کرشن جی سے پہلے رادھا کا نام رادھا کرشنا، رادھا سوامی، ہندو دھرم کے انتہائی محبوب، مقبول اور عقیدت سے لبریز پوجنیہ کردار ویدک دھرم اور سبھیتا کے ''مقدس'' ثبوت ہیں۔ ۹۹ فیصد سے زیادہ ہندو کرشن کی حقیقی بیوی کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں، لیکن لیوان ریلیشن کے کردار رادھا سے ان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ مہابھارت میں کرشن جی کی راس لیلا جس میں وہ گوپیوں کے ساتھ ایسی ایسی حالت میں نظر آتے ہیں جس کا ایک مہذب شائستہ اور صالح کردار شخص تصور بھی نہیں کرسکتا۔ مہابھارت ہندوؤں

کے گھروں کی شوبھا ہے جس کا پاٹھ انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے انتہائی عقیدت اور احترام سے کیا جاتا ہے۔ ایسے کرداروں کے عقیدت مندوں کی ذہنی اور اخلاقی حالت کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں۔

ویدک دھرم میں عورت کی حیثیت اور رتبہ کیا ہے اس کے ساتھ کسی قسم کا برتاؤ کرنے کے احکام ہیں؟ ان کو کتنی آزادی حاصل ہے اور ان کو کیا حقوق عطا کیے گئے ہیں؟ ان پر کیا پابندیاں عائد کی گئی ہیں؟ ہندو دھرم گرنتھوں سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ پردہ، طلاق، کثیر الازواج وغیرہ کے تعلق سے اسلام کی تعلیمات کی مخالفت اور ان پر بے جا تنقید کرنے والوں کو اپنی قابل فخر گورو پورن سبھیتا کا ''سچا گیان'' ہو سکے۔

ویدک دھرم کی شریعت منواسمرتی جس میں ہندوؤں کے لئے انفرادی واجتماعی طور پر کئے جانے والے مختلف دھارمک اور سماجک رسوم واعمال ادا کرنے کے طور طریقے اور احکام دیئے گئے ہیں۔ اس میں ایک جگہ عورت کی فطرت بتاتے ہوئے مردوں کو ان سے سلوک کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

''عورت کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ مردوں میں بگاڑ پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے عقل مند مردوں کو عورت کے بارے میں لاپرواہی نہیں کرنی چاہئے''۔ (۲:۴۱)

منواسمرتی میں ہی عورتوں کو وید منتر پڑھنے سے صاف طور پر منع کیا گیا ہے:

''عورتوں کا کوئی بھی سنسکار وید منتروں سے نہیں ہوتا، یہی دھرم کا اصول ہے''۔

عورتوں کی تعلیم وتربیت اور عبادت سے روکنے کی ہدایت دیتے ہوئے منواسمرتی کہتی ہے: ''عورتوں کی شادی ہی ان کا ویدک سنسکار ہے، پتی کی خدمت ہی گروکل ہے اور گھر کا کام کاج ہی اگنی ہوتر کرم (ہون اور دیگر عبادتیں) ہیں''....

اس منتر میں عورت کی شادی کو ویدک سنسکار (وہ تقریب جس کے بعد بچے کی تعلیم کا

آغاز ہوتا ہے) کہہ کر اور شوہر کی خدمت کو ہی ''گرو کل نواس'' بتاتے ہوئے حصول تعلیم پر پابندی لگادی گئی اور گھر کے کام کاج کو سب سے بڑی عبادت بتا کر تمام عبادتوں سے محروم کر دیا۔ (اب اگر وہ تعلیم حاصل کرتی ہیں تو یقیناً دھرم گرنتھوں کے احکام کی خلاف ورزی (النگھن) کرتی ہیں۔ حالت حیض میں عورت کو سور اور کتے کے مساوی بتاتے ہوئے برہمنوں کو ان کے سامنے کھانا نہ کھانے کی ہدایت بھی منواسمرتی میں درج ہے: ''چنڈال، سور، کتا، ماہواری کی حالت والی عورت اور ہجڑے کے سامنے برہمن کو بھوجن تک نہیں کرنا چاہئے''۔

شادی خاندان کی پہلی اکائی ہے اس کی بنیاد جتنی پاکیزگی، نیکی اور اخلاق کی اینٹوں پر رکھی جائے گی، وہ اتنی ہی مضبوط، پائیدار اور شائستہ ہوگی۔ ہر مذہب میں شادی کے طریقے یا رسوم میں یکسانیت پائی جاتی ہے، لیکن ویدک دھرم میں شادی کے آٹھ طریقے ہیں۔ مہارشی منو شادی کے آٹھ طریقوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''برہم، دیو، آرش، پرجاپتے، آسر، گندھرو، راکشش اور پشاچ، یہ آٹھ قسم کے وواہ ہیں۔ ان میں پشاچ نام کا وِواہ دھرم وِواہ ہے''۔

شادی کے مذکورہ آٹھ طریقوں میں آخری چار طریقے قبیح اور بہیمانہ ہیں اور بتدریج ان کی قباحت اور بہیمیت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ آسر شادی لڑکی کی خرید وفروخت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ چونکہ اس شادی میں لڑکی کی خرید وفروخت، لڑکی لڑکے دونوں کے گھر والوں کی رضا مندی سے ہوتی ہے، اس لئے یہ آسر شادی کہلاتی ہے۔ گندھرو شادی کا طریقہ لڑکے اور لڑکی کی آپسی محبت اور رضا مندی پر منحصر ہوتا ہے۔ جس میں والدین یا سرپرستوں کی رضا مندی ضروری نہیں ہوتی۔ راکشش شادی کے تحت لڑکا لڑکی کے گھر والوں کا بہیمانہ قتل کر کے ان کے اعضاء کو کاٹ کر، روتی بلکتی لڑکی کو بہ زور قوت اٹھا لے جاتے ہیں۔ جب کہ پشاچ شادی کے تحت مرد

سوتی ہوئی، نیند میں مست، اپنا تحفظ کرنے سے لاچار لڑکی کی زبردستی عصمت دری کرتا ہے، ہندو دھرم گرنتھوں میں ایسی قبیح اور وحشی طریقوں کی شادیوں کو جائز مانا گیا ہے۔ ہندو عورتوں پر ظلم و زیادتی اور وحشت کی حد وہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ موت تک جاری رہتی ہے۔ چونکہ ویدک دھرم میں شادی زندگی بھر کا بندھن ہے اس لئے اس میں طلاق لفظ کا وجود ہی نہیں۔ شوہر چاہے کتنا ہی ظالم، بدکردار، وحشی، مجرم ہو یا نامرد ہی کیوں نہ ہو زندگی بھر کے اس بندھن سے عورت کو صرف موت ہی نجات دلا سکتی ہے۔ یہ نہیں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو چھوڑ دے یا بیچ دے تب بھی وہ اس کی ملکیت بنی رہتی ہے۔ منو اسمرتی میں ہے: ”بیچنے یا چھوڑ دینے سے عورت اپنے شوہر کے اختیار سے باہر نہیں ہو جاتی۔ ایسا ہی حکم دھرم کا ہم جانتے ہیں۔ ایسی عورت سے اگر دوسرے مرد کا کوئی بچہ بھی پیدا ہو تو وہ پہلے ہی شوہر کی اولاد سمجھا جائے گا۔“

ہندو سماج میں بیوہ کی حالت تو آج بھی قابل رحم ہے۔ شوہر کی موت کا ذمہ دار مانتے ہوئے اسے منحوس اور ڈائن تک سمجھا جاتا ہے۔ آج بھی بہت سے مقامات پر شادی اور دیگر خوشی کی تقریب میں بیوہ کے وجود کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ بیوہ کی دوسری شادی کا تو ویدک دھرم میں تصور تک نہیں۔ اس کے برخلاف اگر کوئی بیوہ اپنے شوہر کے ساتھ اس کی چتا میں زندہ جل کر ”ستی“ ہو جائے تو یہی منحوس ”ڈائن بیوہ“ بن کر پوجنیہ ہو جاتی ہے۔

ویدک دھرم میں عورت کو کسی بھی ملکیت کے مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہیں اور اگر وہ کچھ کماتی بھی ہے تو وہ بھی شوہر کی ملکیت میں شامل ہوتا ہے۔ عورت کی ملکیت کے مالکانہ حقوق کے تعلق سے واضح احکام درج ہیں۔: ”بیوی، بیٹا اور غلام یہ تینوں نردھن ہیں۔ یعنی یہ جو کچھ کماتے ہیں وہ ان کا نہیں ہوتا بلکہ وہ اسی شخص کا ہوتا ہے جس کی وہ بیوی، بیٹا یا غلام ہوتے ہیں“۔

ویدک دھرم میں عورت کو نہایت کمزور اور بے بس مانا گیا ہے۔ اس کے وجود کو ہی اس کی آزادی کے لئے خطرہ بتایا گیا ہے۔ مرد کے ماتحت پیدائش سے موت تک رہنا اس کی قسمت ہے۔ منواسمرتی کے مطابق: (عورت کی) باپ بچپن میں حفاظت کرتا ہے، جوانی میں شوہر محافظ ہوتا ہے اور بڑھاپے میں بیٹا حفاظت کرتا ہے۔ عورتیں آزاد رہنے کے قابل نہیں ہیں"۔

یہی نہیں عورت کی گواہی بھی ناقابل اعتبار ہے کیونکہ وہ فطرتاً جھوٹی ہوتی ہے۔ دیکھئے منواسمرتی کا یہ حکم: "گواہی میں بچے، بوڑھے، عورتیں، اور تلون مزاج لوگوں کی باتیں جھوٹی ہوتی ہیں اس لئے ان کی گواہی کو بھروسے کے قابل نہیں ماننا چاہئے"۔

ہندو سماج میں پنڈ سنسکار اور جہیز رسم کی وجہ سے ہر ہندو کی خواہش لڑکے کی ہی ہوتی ہے۔ لڑکی کو ایک بوجھ اور لعنت سمجھا جاتا ہے۔ قدیم ویدک دھرم میں نوزائدہ بچی کو جل پرواہ (بچی کو ٹوکری میں رکھ کر ندی میں چھوڑ دینا) کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا تھا۔ ترسنتہا کے آس شلوک میں ہندوؤں کی اسی ذہنیت کو واضح کیا گیا ہے: "جب ان کے ہاں بیٹی جنم لیتی ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتے ہیں اور بیٹے کو اپنا لیتے ہیں"۔ آج بھی ہندو سماج میں یہ ذہنیت برقرار ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ لڑکی سے نجات حاصل کرنے کے طریقے بدل گئے ہیں۔ آج ماں کا پیٹ ہی اس کی قبر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ لاکھوں بچیوں کو ہر سال جنین کی حالت میں ختم کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت میں مرد وعورت کے تناسب میں تشویشناک حد تک فرق پیدا ہو گیا ہے۔ یہ فرق عورت کو "دیوی" کے طور پر پوجنے والے سماج میں ہی ہے۔ مسلم معاشرے کو یہ "خوش بختی" حاصل نہیں ہے۔

ہندو دھرم گرنتھوں میں کھلی اجازت ہے کہ بغیر بیٹے والی عورت چاہے وہ شوہر والی ہو یا بیوہ کسی بھی غیر مرد کے ذریعہ بیٹا پیدا کر سکتی ہے۔ کیونکہ آخرت میں اس کو بھی

نجات حاصل ہو سکتی ہے کہ بیٹا متوفی کی پنڈ ترپن کریا کو انجام دے۔ دتک میمانسا میں منو کا کہنا ہے کہ: ”بنا بیٹے والے شخص کو چاہئے کہ وہ کسی بھی طرح پتر پنڈ ترپن کریا کو کرے اور ونش (نسل، خاندان) کا نام برقرار رکھنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرے“۔

بیٹے کی پیدائش کے لئے جائز یا ناجائز کا سوال تو تب پیدا ہوگا جب ویدک مذہب میں اس کے گناہ کا تصور موجود ہو۔ اس ک برعکس نیوگ تو مہارشیوں اور دیوتاؤں والا عمل ہے۔ کارِ ثواب ہے۔ جس دھرم کے دیوتا اور مہارشی جارکرم، عصمت دری اور نیوگ کے نام پر غیر عورتوں سے اپنی خواہش دھرم کے نام پر پوری کریں اس دھرم کا سماج کتنا مہذب اور مثال ہوگا۔ اس کا اندازہ کوئی بھی شخص لگا سکتا ہے۔ (ہندو جاتی کا اتھان اور پتن۔ رجنی کانت شاستری)

بنگال کے مشہور و معروف ہندو قانون کے ماہر گوپال چند شاستری ایم اے بی ایل، اپنی کتاب "A Treatise on Hindu Law" Sixth Edition, P- 130-138" میں مختلف طریقوں اور قابل اعتراض حالت میں بیٹیوں کی پیدائش پر اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں: ”مندرجہ بالا مختلف قسم کے بیٹوں کی تفصیل سے جو قدیم زمانے میں رائج تھے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (قدیم ہندوؤں میں) جنسی تعلق بہت ڈھیلا تھا۔ اور عورتوں کی عفت و عصمت کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ شوہر و بیوی کا، باپ اور بیٹے کا، مالک اور غلام کا تعلق ایک جانب بے شمار حقوق سے وابستہ تھا تو دوسری جانب ادھرم اور رعیت اور ایک دوسرے کی ملکیت ہونے کے جذبات و احساسات سے بھرا تھا۔ حقیقی باپ کے ذریعہ ہی بیٹے کا پیدا ہونا قطعی ضروری نہیں تھا۔“

یہ ہے ویدک دھرم میں ہندو عورت کی حقیقی حالت۔ عورت کے حقوق، اس کے احترام، اس کی آزادی و پاکیزگی کے بارے میں خود کچھ بھی کہنا غیر مناسب ہی

ہوگا، کیونکہ ہندو دھرم گرنتھوں کے احکام، دھرم آچاریوں، اور دیوتاؤں کے عمل سے ہندو عورت کی حیثیت اور حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی بے جا نہیں ہوگا کہ مسلم عورتوں کی حالت پر تڑپنے اور اسلام کے پردہ، طلاق، تعداد ازدواج، حقوق نسواں اور آزادی و مساوات نسواں کے تعلق سے مقدس اور پر حکمت تعلیمات اور احکام پر ناپاک حملے اور تنقیص کرنے والے ''مہذب اور ہمدرد'' اپنے سماج کی مقدس مہارشیوں کے ''مثال کارناموں'' کی تلافی کرنے کی کوشش کریں، نہ کہ ان کی پیروی کر کے اپنے سماج کو قدیم ویدک زمانے میں لے جانے یا اس کے جدید پرتو مغربی تہذیب سے وابستہ کرنے کی سعی و جدوجہد کریں۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی رہے کہ شیشے کے نازک گھروں میں رہنے والے لوگ، پکے گھروں پر پتھر مار کر ان کے مکینوں کا تو ہرگز نقصان نہیں کر سکتے۔ البتہ اپنی تباہی و بربادی کا سامان ضرور پیدا کر سکتے ہیں۔

(یہ مضمون ماہنامہ دارالسلام مالیرکوٹلہ آگست، ستمبر ۲۰۱۱ء کے شمارے میں شائع ہوا جس کو ایم شیزی نے تحریر کیا ہے)

☆☆☆

ماں ہو تو ایسی؟

''ماہنامہ دارالسلام مالیر کوٹلہ کے اکتوبر، نومبر ۲۰۱۱ء کے شمارہ میں ڈاکٹر خالد انجینئر صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے ایک اللہ والی صابرہ خاتون کا واقعہ لکھا ہے۔ آج آپ کو وہ صبر آزما واقعہ سنا کر صبر کے اس اعلیٰ مقام کی فضیلت بیان کرنا اصل مقصد ہے کہ ایک مومن مسلمان عورت کو کس طرح زندگی کے مراحل سے گذرنا چاہئے''۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ منگل کا دن تھا، جب میں نے ایک ڈھائی سالہ ننھے سے بچے کا آپریشن کیا تھا، آپریشن کامیاب رہا اور دو دن تک بچے کی حالت بہتر رہی۔ جمعرات کے دن سوا گیارہ بجے ایک نرس میرے کمرے میں داخل ہوئی اور کہنے لگی کہ بچے کے دل نے کام کرنا بند کر دیا ہے اور اس کی سانس بھی رک چکی ہے۔ میں تیزی سے بچے کے پاس گیا اور تقریباً ۴۵ منٹ تک اس کے سینے کو دباتے اور رگڑتے رہا، تب جا کر اس کے دل نے پھر سے کام کرنا شروع کر دیا۔ بچے کی ماں کو میں نے صورت حال کی اطلاع دی اور بتایا کہ بچے کی سانس کی نالی میں خون بہنے لگا ہے، اسی کے سبب دل نے کام کرنا بند کر دیا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ شاید بچے کا دماغ بھی ماؤف ہو چکا ہے۔

آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اس نازک صورت حال کے بارے میں سن کر اس خاتون کا ردِعمل کیا رہا ہوگا؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ چیخنے چلانے لگی؟ اور مجھے موردِ الزام ٹھہرانے لگی؟ نہیں نہیں! اس نے بڑے صبر وضبط کے ساتھ کہا: ''الحمد للہ'' اور کسی قسم کی بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ دس دن کی مدت گذری تو بچے کے بدن میں ہلکی سی حرکت نظر آنے لگی، ہمیں اطمینان ہوا کہ دماغ کی حالت سدھر رہی ہے.....
بارہ دن گذرے تھے کہ پھر سے سانس کی نالی سے خون کے بہاؤ کے سبب دل نے کام کرنا بند کردیا۔ ماں کو خبر ہوئی تو اس نے پھر سے ''الحمد للہ'' کہا اور دعا کرتے ہوئے کہنے لگی: ''پروردگار! اس بچے کی شفایابی میں خیر ہو تو اسے شفا دیدے''۔ میں فوراً بچے کے پاس پہنچا اور دوبارہ تقریباً پون گھنٹے تک اس کے سینے کو رگڑتے اور دباتے رہنے سے پھر کام کرنا شروع کردیا۔ اس کے بعد بھی سانس کی نالی میں خون کے بہاؤ کے سبب دل کا عمل متاثر ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے بار بار بہتے اس خون پر قابو پالیا لیکن ابھی مشکلات نے اس بچے کا پیچھا چھوڑا نہ تھا۔
بچے کی حالت اس وقت دگرگوں ہوگئی جب اچانک اس کے سر میں پیپ بھر گئی اور جسم حرکت کرنے سے اس قدر عاجز ہوگیا جیسے کہ وہ شل ہوچکا ہو، مجھے لگا کہ اب کی بار یہ بچہ بچ نہیں پائیگا میں نے بچے کی ماں کو اس صورت حال کی اطلاع دی تو اس صابر وشاکر بندی نے پھر ''الحمد للہ'' کہا۔ اس کے سوا کچھ نہ کہا۔ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے اس تشویشناک صورت حال کا جائزہ لیا اور تقریباً تین ہفتوں کے علاج کے بعد سر میں بھری ہوئی پیپ اور زہریلی رطوبت پر قابو پالیا گیا مگر ابتلاء وآزمائش کی ایک اور گھڑی اس بچے کا انتظار کررہی تھی۔ جب ٹھیک دو ہفتے بعد ایک عجیب وغریب مرض کا حملہ ہوا تو بچے کے خون میں خرابی پیدا ہوگئی اور بچہ ۱۰۵ ڈگری سے بھی زیادہ شدید بخار میں مبتلا ہوگیا۔ بچے کی زندگی پوری طرح خطرے میں گھری

ہوئی تھی۔ جب اس کی اطلاع دکھ پر دکھ سہتی ہوئی اس کی ماں کو ہوئی تو اس پیکر صبر ورضا نے پھر سے "الحمد للہ" کہا اور وہی دعائیہ الفاظ دہرانے لگی کہ: "پروردگار! اس بچے کی شفایابی میں خیر ہو تو اسے شفا دیدے"۔

میں بچے کی تشخیص سے فارغ ہو کر قریب والی چارپائی پر لیٹے ایک اور مریض کی تشخیص کیلئے پہنچا، جس کی حالت اس بچے کی حالت سے بھی بہتر تھی مگر میں نے دیکھا کہ اس کی ماں بڑی بے چین اور مضطرب ہوئی جارہی تھی۔ میں نے اسے صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہا: "اس خاتون کو دیکھو! یہ بھی تو ایک ماں ہے، جس کا پے در پے آزمائشوں میں گھرا بچہ ہمہ وقت موت سے لڑ رہا ہے مگر وہ کس قدر صابرہ وشاکر ہے"۔ وہ کہنے لگی: "ایسا ہے تو پھر وہ بے رحم اور سنگ دل ماں ہے" اس خاتون کے اس جواب کو سن کر مجھے عجیب سا لگا کہ بے چاری خود بے صبری بنی ہوئی ہے اور اس پر مستزاد اس صابر وشاکر ماں پر اس کے طعنے بھی! مجھے بے ساختہ نبی ﷺ کی ایک حدیث یاد آ گئی: "**بدا الاسلام غریباً وسیعود کما بدا فطوبی للغرباء**"۔

"اسلام کا آغاز اجنبیت کے عالم میں ہوا، پھر سے وہ دوبارہ اسی اجنبیت کے عالم میں لوٹ جائے گا، جس میں اس کا آغاز ہوا تھا، تو خوشخبری ہے اجنبیوں کے لئے"۔ (ترجمہ حدیث مذکورہ)

کہنے کو تو یہ دو جملے ہیں مگر یہ پوری امت کو جھنجوڑ دینے والے ہیں۔ میں نے اپنے ۲۳ سالہ دورِ ملازمت میں ایسی صابر وشاکر ماں نہیں دیکھی۔ تقدیر نے ابھی اس ماں اور بچے کا پیچھا نہ چھوڑا تھا قدرت کو انہیں اور آزمانا مقصود تھا۔ چنانچہ کچھ مدت بعد بچے کے گردوں میں خرابی محسوس کی گئی۔ ہر مرتبہ کی طرح اس مرتبہ بھی ماں کی زبان پر "الحمد للہ" کے سوا کچھ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ سے امید لگائے علاج جاری رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو شفا دینی مقصود تھی۔ لہٰذا اس مصیبت سے بچ نکلنے میں بچہ کامیاب ہو گیا۔

گردوں کی خرابی سے کیا شفا ملی کہ سینے کے اندرونی حصے میں انفکشن ہو گیا اور اندرونی سینہ بہ شمول ہڈیوں میں ورم کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ علاج کے لئے مجھے باقاعدہ بچے کے سینے کو کھولنا پڑا، بایں طور کہ بچے کے دھڑکتے دل کو بآسانی دیکھا جاسکتا تھا۔ مجھے تواب کی بار یقین ہو گیا کہ بچہ بچ نہیں پائے گا مگر اس کی ماں کے صبر کو دیکھ کر مجھے حوصلہ ملا اور میں نے اپنا علاج جاری رکھی۔ کیا آپ یقین کریں گے، اگر میں آپ کو یہ بتاؤں کہ یہ ننھا سا معصوم بچہ ان تمام خطرات سے گذرنے کے باوجود مکمل طور پر شفایاب ہو گیا؟ ہاں یقیناً شفایاب ہو گیا۔ ماں کا صبر اس کی مخلصانہ دعائیں اور اس کے غیر معمولی ایمان ویقین کے صدقے گویا اللہ تعالیٰ نے موت کے منہ میں جاچکے اس بچے کو دوبارہ زندگی بخش دی۔ مکمل شفایابی کے بعد بچے کو گھر بھیج دیا گیا مگر واقعے میں اصل عبرت کا پہلو وہ ہے جو میں آگے بیان کرنے جا رہا ہوں۔

بچے کو شفایاب ہوئے ڈیڑھ سال کا عرصہ گذرا تھا کہ ہسپتال کے میرے ایک رفیق کار نے مجھے خبر دی کہ ایک جوڑا اپنے دو بچوں کے ساتھ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی ماں اپنے اس کرشماتی بچے کے ساتھ میں ایک اور ننھے سے بچے اور شوہر کو لئے ہوئے آئی ہوئی ہے۔ اس کرشماتی بچے کا چہرہ گلاب کی مانند کھلا ہوا تھا، جیسے اسے کبھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہی وہ بچہ ہے جسے مصائب وآلام نے ایک عرصے تک مشق ستم بنائے رکھا تھا۔ میں نے چار ماہ کے اس معصوم بچے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ازراہ مذاق اس کے باپ سے سوال کیا کہ اس بچے کا کیا نمبر ہے؟ تیراہواں ہے کہ چودھواں؟ باپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ میرا دوسرا لڑکا ہے۔ پہلا لڑکا ہے جس پر پے در پے آزمائشیں آئی تھیں، جو شادی کے ستر سال بعد پیدا ہوا تھا۔ یہ سن کر میں جیسے سکتے میں پڑ گیا۔ ستر سال کے طویل انتظار کے بعد پیدا ہونے والا یہ بچہ ماں باپ کی

نظروں میں کس قدر محبوب نہ رہا ہوگا۔ اس کے باوجود اس کی مسلسل آزمائشوں کو اس کی ماں نے کیسے برداشت کیا ہوگا۔ یہ سب سوچ کر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ میں اس کے شوہر کا ہاتھ پکڑے اسے اپنے کمرے میں لے گیا اور پوچھنے لگا کہ سچ بتاؤ کہ تمہاری اس رفیقۂ حیات کے اس بے مثال صبر کے پیچھے کیا راز ہے؟

وہ کہنے لگا: ''سنئے ڈاکٹر صاحب! اس خاتون سے میری شادی ہوئے دو دہائیاں گذر چکی ہیں۔ اس دوران اس نے کبھی تہجد کی نماز نہیں چھوڑی، الا یہ کہ کوئی شرعی عذر پیش آگیا ہو اور میں نے کبھی اس کی زبان سے غیبت، چغل خوری اور جھوٹ نہیں سنا۔ میں جب بھی گھر سے نکلتا ہوں تو محبت کے ساتھ مجھے رخصت کرتی ہیں اور جب لوٹتا ہوں تو خوش مزاجی سے میرا استقبال کرتی ہے اور اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دیتی ہے''۔

میں نے کہا: ''ان صفات کی حامل خاتون ہی کا جگر ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے جگر گوشے کو متعدد حوصلہ شکن امراض میں مبتلا دیکھ کر بھی ایسے بے مثال صبر کا مظاہرہ کرے کہ نادان اسے سنگ دلی تصور کرنے لگیں۔ صبر کے ان اعلیٰ مقامات سے وہ لوگ بالکل ناواقف ہوتے ہیں جن کے دل ایمان سے خالی اور جو ایمان کی حقیقی لذت سے ناآشنا ہوتے ہیں''۔ (ترجمہ ماہنامہ الرابطہ مکہ مکرمہ جون ۲۰۱۰ء، ص: ۷۸-۷۹)

☆☆☆

تربیتِ اولاد

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

بچوں کی تربیت کے لئے موثر طریقہ اختیار کرنا نہایت اہم اور ضروری ہے، کیونکہ بچہ والدین کے پاس خدا کی امانت ہے اور اسکا دل ایک صاف اور سادہ آئینہ کی مانند ہے جو بالفعل اگرچہ ہر قسم کے نقش وصورت سے خالی ہے لیکن ہر طرح کے نقش واثر کو قبول کرنے کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے، اور جس چیز کی طرف چاہو مائل کیا جاسکتا ہے، چنانچہ اگر اس میں اچھی عادتیں پیدا کی جائیں اور اسے علم پڑھایا جائے تو وہ ایسی ہی عمدہ نشوونما پا کر دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس کے ثواب میں اس کے والدین اور استاد وغیرہ بھی حصہ دار ہوتے ہیں اور اگر اس میں بری عادتیں پیدا کی جائیں اور جانوروں کی طرح بے قید چھوڑ دیا جائے تو وہ بداخلاق ہو کر تباہ ہو جاتا ہے۔ جس کا گناہ اس کے والی اور سرپرست کی گردن پر پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: اے ایمان والو اپنی جانوں کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اور جب کہ باپ اپنے بچے کو دنیا کی آگ سے بچاتا ہے تو بطریق اولیٰ اس پر لازم آتا ہے کہ اسے آخرت (جہنم) کی آگ سے بچائے

اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ اسے آداب اور تہذیب سکھائے اور محاسن اخلاق کی تعلیم دے اور برے ساتھیوں اور ہم نشینوں سے اس کی حفاظت کرے اور ناز ونعم کا عادی نہ بنائے۔ اور اس کے دل میں بناؤ سنگار اور زیب وزینت، تن آسانی اور آرام طلبی کی رغبت نہ بیٹھنے دے ورنہ وہ بڑا ہو کر ان ہی حقیر چیزوں کی طلب اور جستجو میں اپنی عمر عزیز کو ضائع کر کے ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائے گا؟ بلکہ لازم ہے کہ باپ ابتدا سے اس کی کڑی نگرانی اور دیکھ بھال کرتا رہے۔

حلال غذا کی ضرورت واہمیت

اس کی پرورش اور اسے دودھ پلانے کیلئے بھی نیک اور دیندار عورت مقرر کرے جو رزق حلال کھاتی ہو، کیوں کہ جو دودھ رزق حرام سے پیدا ہوتا ہے اس میں کوئی خیر وبرکت نہیں ہوتی بلکہ جب حرام کے دودھ سے بچے کی پرورش ہوتی ہے، تو اس مایہ خمیر میں خباثت رچ جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی طبیعت شیطانی کاموں کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور جب بچے میں نیکی بدی کا شعور محسوس ہو تو اسکی نہایت کامل نگہداشت شروع کر دیں۔ اور اسکا اندازہ حیا کی ابتدائی علامات کے ظہور سے ہوتا ہے کیونکہ جب وہ اپنی عزت وشرف کو محسوس کر کے شرمانے لگتا ہے تو یہ صرف اسکی عقل ہی کی ضیا کا نتیجہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ بعض کاموں کو برا اور دوسرے کاموں کے خلاف سمجھ کر ایسے کاموں سے شرماتا ہے اور ان دوسرے بعض کاموں سے شرم محسوس نہیں کرتا، اور یہی حیا کا احساس ہے جو اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور ایک بین علامت ہے جو اسکے اعتدال اور اخلاق اور دل کی صفائی پر دلالت کرتی ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ بھلائی برائی کا احساس پیدا کرنے والا شعور قدرت کی طرف سے اس امر کی بشارت ہے کہ وہ بچہ بالغ ہو کر کامل عقل والا

ہوگا، اس لئے حیاء دار بچے کو ہرگز آزاد نہیں چھوڑنا چاہئے، بلکہ اسکی حیا و تمیز سے مدد لیتے ہوئے اور اسکی خوب تربیت کرنی چاہئے۔

آداب طعام کا بیان

سب سے پہلے جو بری خواہش بچے پر غلبہ کرتی ہے زیادہ کھانے کی حرص ہے اس لئے اسکو کھانے کے آداب سکھانا نہایت ضروری ہے مثلاً یہ کہ وہ کھانا صرف داہنے ہاتھ سے کھائے، شروع میں بسم اللہ ضرور پڑھے، اپنے سامنے سے ہی کھائے دوسروں سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے کھانے کی طرف دیکھتے ہی نہ لگ جائے اور نہ ہی کسی کھانے والے کی طرف نظر جمائے، کھانے میں حد سے زیادہ جلدی نہ کرے اچھی طرح چبا کر کھائے، لگاتار لقمے منہ میں نہ ڈالے، سالن وغیرہ سے ہاتھ اور کپڑے خراب نہ کرے، بعض اوقات اسے خشک روٹی بھی کھلائی جائے تاکہ وہ سالن وغیرہ کو اس قدر ضروری نہ سمجھے کہ اس کے بغیر گزارہ ہی نہ کر سکے، اس طرح اسکے سامنے زیادہ کھانے کی برائی بیان نہ کی جائے، مثلاً اسطرح کہ زیادہ کھانے والوں کو جانوروں سے تشبیہ دی جائے، اسکے سامنے زیادہ کھانے والے بچوں کی مذمت اور کم کھانے والے بچوں کی تعریف کی جائے، اسے کھانے میں ایثار کرنے یعنی اپنے ساتھیوں کا ضرور خیال رکھنے کی طرف پوری توجہ دی جائے۔ کھانے کی کم پرواکرنے اور ہر قسم کے سادہ کھانے پر قناعت کرنے کا خوگر بنایا جائے۔

آداب لباس کا بیان

اسی طرح رنگین کپڑوں اور ریشمی لباس کے نہ پہننے اور اسکے دل میں سفید کپڑوں کی محبت و رغبت پیدا کرے، اور اچھی طرح اس کے ذہن نشین کیا جائے کہ

ایسے کپڑے پہننا عورتوں کا کام ہے۔ اور شریف لوگوں کو اس سے نہایت نفرت ہے اور ایسی باتیں وقتاً فوقتاً عام طور پر کہی جائیں اور ماں باپ کا فرض ہے کہ جب کبھی کسی بچے کو ریشمی یا رنگین کپڑے پہنے ہوئے دیکھیں تو اس کے سامنے اس کی خوب برائیاں کریں اور اس کے دل میں اس کی نفرت بٹھائیں اسے ان تمام بچوں کے میل جول سے محفوظ رکھیں جو خوشحالی آرام طلبی اور فاخرہ کپڑے پہننے کے عادی ہوں اور ہر اس شخص کی صحبت سے بھی اسے محفوظ رکھیں جو اسے ایسی مرغوب چیزوں کی باتیں سنائیں جو ابتدائی اٹھان کے وقت ایسی باتوں میں آوارہ ہو جاتا ہے وہ بڑا ہو کر عام طور پر بداخلاق، جھوٹا، چغل خور، ضدی، بیہودہ گو، ہنسی مذاق کرنے والا، مکار، فریبی اور بیوقوف ثابت ہوتا ہے اور ان خرابیوں سے محفوظ رکھنے کا واحد ذریعہ صرف عمدہ تعلیم و تربیت ہی ہے اس کے بعد بچے کو مکتب میں داخل کرنا چاہئے تا کہ وہ قرآن وحدیث پڑھے اللہ کے نیک بندوں کے حالات اور سوانح وحکایات کا علم حاصل کرے، تا کہ بچپن ہی سے اس کے دل میں اولیاء کرامؒ کی جڑ لگ جائے۔

شعر وشاعری کی وبا

نیز اس کو عشقیہ اشعار اور عاشق مزاج شاعروں سے بھی محفوظ رکھے اور ایسے ادیبوں سے بھی الگ تھلگ رکھے جو یہ سمجھتے ہوں کہ شعر گوئی زندہ دلی اور لطافت طبعی کی علامت ہے کیونکہ یہ بچوں کے دلوں میں فساد اور خرابی کا بیج بونے والی چیزیں ہیں۔

نیکیوں پر ابھارنے اور برائیوں سے روکنے کا طریقہ

پھر جب کبھی بچے سے کوئی عمدہ خصلت یا قابل تعریف فعل ظاہر ہو تو باپ کو چاہئے کہ اسے شاباش کہے اور ایسا انعام دے جس سے وہ خوش ہو جائے اور لوگوں میں

اس کی تعریف کرے، پھر اگر کبھی وہ اس کے خلاف کر بیٹھے تو مناسب ہے کہ اس سے بے خبری ظاہر کرے نہ کہ اس کی بے عزتی اور تذلیل کرے، بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہ ہونے دے کہ وہ اپنے سامنے اس کی ایسی جرأت کرنا بھی ناممکن سمجھتا ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ بچہ خود ہی اپنی غلطی کو ڈھانپتا اور چھپانے کی کوشش کرتا ہو کیونکہ بسا اوقات کسی کی غلطی کا اظہار کرنا اس کے زیادہ بیباک ہوجانے کا باعث ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ اپنے عیب ظاہر ہونے کی بھی پروانہیں کرتا، اگر ایسی عاقلانہ احتیاط کے باوجود دوبارہ وہ ایسی ہی حرکت کرے تو مناسب ہے کہ اسے تنہائی میں جھڑکا جائے۔ اور اس فعل کی برائی اس پر خوب ظاہر کی جائے اور کہا جائے کہ خبردار کہ اس کے بعد ایسی بری حرکت کبھی نہ کرنا، خدانخواستہ اگر تیری اس غلطی کا کسی کو پتہ لگ گیا تو لوگوں میں تو رسوا اور بدنام ہوجائے گا وغیرہ وغیرہ وعلی ہذاالقیاس۔

زیادہ جھڑکنے کے نقصانات

لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسے زیادہ نہ جھڑکا کریں، کیوں کہ اس سے بچے میں طعن و ملامت سننے کی عادت اور غلطیوں کا ارتکاب کرنے کی عادت بڑھتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کے دل سے پند ونصیحت کی وقعت بھی جاتی رہتی ہے اس طرح باپ پر لازم ہے کہ اس سے بات چیت کرنے میں اپنے رعب اور ہیبت کو قائم رکھے اور صرف کبھی کبھی ہی جھڑکا کرے اور ماں کو چاہئے کہ کسی بات پر ضد کرنے کے موقع پر اسے باپ سے ڈرائے اور بری باتوں سے سختی کے ساتھ روکے۔

سونے کے آداب ولوازم

دن کو سونے سے منع کرے، کیوں کہ اس سے سستی پیدا ہوتی ہے، لیکن اسے رات کو سونے سے نہ روکا جائے، لیکن نرم بستر سے بہرحال روکا جائے، تاکہ اس کے

اعضاء مضبوط ہوں اور بدن بھدا نہ ہونے پائے جس کی وجہ سے وہ بغیر آرام کے نہ رہ سکے، بلکہ اسے سخت بستر پر سونے، موٹے جھوٹے کپڑے پہننے اور سادہ خوراک کھانے کی عادت ڈالی جائے اور پھر جو کام وہ چھپا کر کرتا ہو اس سے اسے روکا جائے کیوں کہ وہ اس کام کو برا سمجھنے ہی کی وجہ سے تو چھپاتا ہے اس لئے اگر اسے نظر انداز کیا گیا تو وہ اس برے کام کا عادی ہو جائے گا، اسی طرح دن کو چلنے پھرنے اور ورزش کرنے کی عادت بھی ڈالی جائے، لیکن اس امر کی نہایت احتیاط رکھی جائے، کہ وہ اپنا سر، پنڈلیاں، گھٹنے، رانیں وغیرہ ہرگز ننگی نہ کرے، نہ بہت جلد چلے، نہ ہی اپنے ہاتھوں کو ڈھیلا ڈھالا رکھے، بلکہ انہیں اپنے سینے سے ملا کر چست رکھے۔

غرور اور تکبر کی ممانعت

اپنے ساتھیوں کے سامنے ماں باپ کی ملکیت پر کسی چیز پر فخر کرنے، اپنے کھانے پینے کی چیزوں، کپڑوں حتی کہ تختی اور کتاب تک پر اترانے سے منع کیا جائے بلکہ اپنے ہر ساتھی سے انکساری اور تعظیم و تکریم سے پیش آنے اور پاکیزہ گفتگو کرنے کا عادی بنایا جائے اور اسے دوسرے بچوں سے کوئی چیز لینے نہ دیا جائے، اگر کسی مالدار کا لڑکا ہو تو اسے یوں سمجھا جائے کہ عزت و سربلندی دینے میں ہے لینے میں نہیں ہے بلکہ لینا تو کمینہ پن ذلت اور خرد مائیگی ہے اور اگر غریب کا لڑکا ہو تو اسے سکھایا جائے کہ لالچ کرنا اور کسی سے کچھ لینا اپنی توہین و رسوائی کا باعث ہے اور کتے کی سی خصلت ہے کہ وہ لقمہ کے انتظار میں دم ہلاتا رہتا ہے اسی طرح بچوں کو سونے چاندی سے نفرت اور سانپوں بچھوؤں سے زیادہ ان کی محبت سے خوف دلاتا رہے، کیونکہ سونے چاندی کی محبت اور طمع بچوں بلکہ بڑوں کو بھی زہروں کی آفت سے زیادہ نقصان پہنچانے والی ہے۔

آداب مجلس و آداب کلام

نیز اسے سکھایا جائے کہ مجلس میں نہ تھوکے، نہ ناک صاف کرے، نہ کسی کے سامنے جمائی لے، نہ کسی کی طرف پیٹھ کرے، نہ پیر پر پیر رکھے، اسی طرح اپنی ہتھیلی کو تھوڑی کے نیچے رکھ کر یا اپنے سر کو بانہہ کا سہارا دے کر بھی نہ بیٹھے کیوں کہ یہ سب سستی اور کاہلی کی علامتیں ہیں غرضیکہ اسے بیٹھنے کا طریقہ بھی سکھایا جائے اور زیادہ باتیں کرنے سے روکا جائے، اور اچھی طرح ذہن نشین کیا جائے کہ یہ سب بے شرمی کی باتیں ہیں اور ذلیل لوگوں کے بچوں کے کام ہیں نیز سچی ہو یا جھوٹی ہر قسم کی قسم کھانے سے بالکل منع کر دیا جائے، تاکہ اسے بچپن ہی سے قسم نہ کھانے کی عادت پڑ جائے، اسی طرح گفتگو میں بھی پہل کرنے سے روکا جائے، اور اس امر کی عادت ڈالی جائے کہ صرف جواب دینے کے لئے بولا جائے اور وہ بھی بقدر سوال اور جب کوئی شخص اس سے باتیں کر رہا ہو تو اچھی طرح سنے اور اپنے سے بڑے کے لئے اٹھ کر جگہ خالی کرے اور پھر ادب سے اس کے سامنے بیٹھے، اسی طرح بچے کو بیہودہ گوئی، فحش کلامی لعن وطعن، دشنام دہی، گالی گلوچ سے روکے اور ایسی باتیں کرنے والوں کے میل جول سے منع کرے کیوں کہ برے ساتھیوں کی بری باتیں بچے پر ضرور اثر ڈال کر ہی رہتی ہیں اور بچوں کی تربیت کا اصلی راز تو ان ہی برے ساتھیوں سے محفوظ رکھنے ہی میں مضمر ہے۔

☆☆☆

گالی گلوچ سے پرہیز کرنے کی سخت تاکید

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَی الْبَادِیْ مَالَمْ یَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو دو آدمی آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دیں سب کا وبال اسی پر ہوگا جس نے گالی دینے میں پہل کی ہے، جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے"۔ (مشکوۃ المصابیح ص: ۴۱۱، از مسلم)

تشریح: زبان کے گناہوں میں گالی دینا بھی ہے، یہ بھی ایک ایسی بری چیز ہے جو کسی طرح سے بھی مومن کے شایان شان نہیں ہے ایک حدیث میں ارشاد ہے:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُہٗ کُفْرٌ۔ (بخاری و مسلم) "یعنی مسلمان کو گالی دینا بڑی گنہگاری کی بات ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر کی چیز ہے"۔

بہت سے مردوں اور عورتوں کو گالی دینے کی عادت ہوتی ہے اور بعضے تو اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ جہالت اور جاہلیت کی بات ہے، اور اس میں سخت گناہ بھی ہے اور اس کی وجہ سے آپس میں تعلقات بھی خراب ہوتے ہیں اور گالی گلوچ کرتے کرتے مردوں تک پہنچ جاتے ہیں، ایک نے کسی کو گالی دی، دوسرے نے

اس کے باپ کو گالی دی، پھر پہلے والے نے جواب میں دوسرے والے کے باپ کے ساتھ دادا کو بھی لپیٹ میں لیا، اس طرح سے اپنے ماں باپ کو گالیاں دلوانے کا ذریعہ بھی بن جاتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بڑے بڑے گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے، صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! کوئی کسی آدمی کے باپ کو گالی دے گا تو وہ الٹ کر اس کے باپ کو گالی دے دیگا اور کسی کی ماں کو گالی دے گا تو وہ الٹ کر اس کی ماں کو گالی دے دے گا۔ (بخاری و مسلم)

یعنی خود گالی نہ دی دوسرے سے گالی دلوادی، اور اس کا سبب بن گیا تو وہ ایسا ہی ہوا جیسے خود گالی دے دی، اور یہ بھی اس زمانہ کی بات ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو کیسے گالی دے گا؟ آج کل تو بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو ماں باپ کو بالکل سیدھی صاف ستھری گالی دے دیتے ہیں، گالی یوں بھی کبیرہ گناہ ہے لیکن ماں باپ کو گالی دینا اور بھی شدید ہے، اللہ تعالیٰ جہالت سے بچائے۔

اگر کوئی شخص کسی کو گالی دیدے تو اچھی بات یہ ہے کہ جس کو گالی دی ہے وہ خاموش ہوجائے اور صبر کرے اور گالی دینے کا وبال اسی پر رہنے دے۔ لیکن اگر صبر نہ کرے اور جواب دینا چاہے تو صرف اسی قدر جواب دے سکتا ہے جتنا دوسرے نے کہا ہے، اگر آگے بڑھ گیا تو یہ ظالم ہوجائے گا حالانکہ اس سے پہلے مظلوم تھا اسی کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب دو آدمی گالم گلوچ کر رہے ہوں تو سب کا گناہ پہل کرنے والے پر ہوگا اور اگر مظلوم نے زیادتی کر دی (جسے اولاً گالی دی تھی) تو پھر دونوں گناہوں میں شریک ہوگئے۔

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا وہاں میں نے دیکھا کہ ایک بڑی شخصیت ہے کہ سب لوگ ان کی رائے پر عمل کرتے ہیں، جو بھی کچھ فرمایا جھٹ لوگوں نے عمل کر لیا، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: علیک السلام یا رسول اللہ دو مرتبہ ایسا ہی کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیک السلام مت کہو۔ کیونکہ علیک السلام (زمانہ جاہلیت میں) میت کے لئے کہا جاتا تھا، تم السلام علیک کہو۔ میں نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں، وہ اللہ ایسا صاحب قدرت ہے کہ اگر تم کو کوئی تکلیف پہنچ جائے پھر تم اس سے دعا کرو تو تمہاری تکلیف رفع کر دے اور اگر تم کو قحط سالی پہنچ جائے اور تم اس سے دعا مانگو تو وہ تمہارے لئے (ضرورت کی چیزیں زمین سے) اگا دے اور جب تم کسی چٹیل زمین میں ہو، جہاں گھاس، پانی اور آبادی نہ ہو اور ایسے موقع پر تمہاری سواری گم ہو جائے، پھر تم اس سے دعا کرو تو تمہاری سواری تمہارے پاس واپس لوٹا دے، میں نے عرض کیا مجھے کچھ نصیحت فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز کسی کو گالی مت دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بعد کبھی میں نے کسی آزاد کو یا غلام کو یا اونٹ کو یا بکری کو گالی نہیں دی۔ (پھر تین نصیحتوں کے بعد فرمایا کہ) اگر کوئی شخص تم کو گالی دے اور تم کو اس چیز کا عیب لگائے جو تمہارے اندر ہے تو تم اسے اس چیز کا عیب نہ لگاؤ جو عیب اس کا تم اس کے اندر جانتے ہو۔ (مشکوۃ المصابیح عن ابی داؤد)

دیکھو! اس حدیث میں کیسی سخت تنبیہ فرمائی کہ ہرگز کسی کو گالی نہ دینا، جن صحابی کو نصیحت کی تھی انہوں نے ایسی سختی کے ساتھ اس کو پلہ باندھا اور ایسی مضبوطی کے ساتھ اس پر عمل کیا کہ کبھی کسی انسان کو یا حیوان کو گالی نہیں دی، اونٹ، بکری، گدھا، گھوڑا کبھی کسی کو گالی کا نشانہ نہیں بنایا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ“۔

”اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے“۔

دیکھئے آیت شریفہ میں مشرکین کے بتوں کو گالیاں دینے سے بھی منع فرمایا اور وجہ یہ بتائی کہ جب تم ان کے بتوں کو گالی دو گے تو وہ تمہارے معبود برحق اللہ جل شانہ کی شان اقدس میں گستاخی کریں گے، پس تم اس کا ذریعہ کیوں بنتے ہو؟

اسی طرح سے مسلمانوں کو آپس میں کسی کے خاندان کے بڑوں کو (خاندان نسبی ہو یا دینی ہو یا علمی ہو) گالی دینے یا برا کہنے سے پرہیز کرنا لازم ہے، کیونکہ ایک فریق دوسرے فریق کے بڑوں کو برا کہے گا تو دوسرا فریق بھی جواب میں برا کہے گا اور گالی دے گا، اگر کوئی شخص کسی کے باپ کو گالی دے تو جواب میں دوسرا شخص گالی دینے والے کے باپ دادا اور پردادا کو گالی دے گا۔ اس میں بسا اوقات ان لوگوں کو گالی دینے کی نوبت آجاتی ہے جو دنیا سے گزر گئے ہیں، مردہ لوگوں کو برا کہنے کی ممانعت خصوصیت کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ فرمایا حضور اقدس ﷺ نے کہ جو لوگ مر گئے ان کو گالی نہ دو، یعنی برائی کے ساتھ یاد نہ کرو، کیونکہ وہ ان اعمال کی طرف پہنچ گئے جو انہوں نے پہلے سے آگے بھیجے۔ (بخاری)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ مردوں کو گالی نہ دو۔ جس کی وجہ سے تم زندوں کو ایذا دو گے۔ (ترمذی)

یعنی جب مُردوں کو گالی دو گے تو ان کے متعلقین جو زندہ ہیں ان کو تکلیف پہنچے گی اور اس سے دوہرا گناہ ہوگا، ایک اموات کو گالی دینے کا دوسرا ان کے متعلقین کا دل دکھانے کا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کیا کرو اور ان کی برائیوں سے (زبان کو) روکے رکھو۔ (ابوداؤد، ترمذی)

اسلام پاکیزہ دین ہے اس میں جانوروں کو گالی دینے تک کی بھی ممانعت کی گئی، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مرغ کو گالی نہ دو کیونکہ وہ نماز کے لئے جگاتا ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں ایک شخص کو چیچڑی نے کاٹ لیا (یہ جوں سے ذرا بڑا جانور ہوتا ہے جو اونٹ وغیرہ کے جسم میں ہوتا ہے) اس شخص نے چیچڑی کو گالی دے دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو گالی نہ دے، کیونکہ اس نے اللہ کے نبیوں میں سے ایک نبی کو نماز کیلئے جگایا تھا۔ (جمع الفوائد)

فائدہ: لفظ سَبٌّ کا ترجمہ جگہ جگہ ہم نے گالی دینے سے کیا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فحش بازاری گالی دی جائے، بلکہ کسی کو کسی بھی برے لفظ سے یاد کرنا بھی گالی میں شامل ہے، خوب سمجھ لیں، اگر ماں بہن کی گالی نہ دی بلکہ بیہودہ گدھا، کمینہ، کہہ دیا یہ بھی ان احادیث کے مفہوم میں آتا ہے جس میں سب وشتم کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

☆☆☆

مصیبت سے نجات کیسے؟

سعودی عرب کے ایک نامور عالم دین ڈاکٹر عائض بن عبداللہ القرنی کی کتاب لاتحزن کے اردو ترجمہ غم نہ کریں سے ماخوذ ہیں، جنہیں میدان عمل میں لاکر پرلطف اور فرحت وتازگی سے بھرپور زندگی گذاری جاسکتی ہے۔

ایمان سے رنج وغم اور فکریں ختم ہوتی ہیں، ایمان اہل ایمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور عبادت گذاروں کی تسلی جوگزرا سوگزرا، گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں، لہٰذا جو گزر گیا اس کے بارے میں مت سوچو، کسی کے شکریہ کا انتظار نہ کرو، بس اللہ الصمد کا ثواب کافی ہے منکروں کے انکار اور حاسدوں کے حسد سے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، اپنے دل کو حسد سے پاک کرلو اس بغض وعداوت کو نکال پھینکو۔

لوگوں سے بس خیر کے لئے ملو گھر میں زیادہ رہو اپنے کام سے کام رکھو، لوگوں سے کم ملو جلو، کتاب بہترین دوست ہے، اس کی ہم نشینی اختیار کرلو، علم ومعرفت سے ہمیشہ کے لئے دوستی کرلو، تاریخ کا مطالعہ کرو، اس کے عجائب وغرائب پر غور کرو، اس کے قصوں اور کہانیوں سے لطف اندوز ہو، حزن وملال، مایوسی اور حسرت پیدا کرنے والی کتابیں نہ پڑھو، جو تم پر ظلم کرے اس سے درگزر کرو، جو تم کو کاٹے اس سے جڑو، جو محروم کرے اس کو دو، جو برائی کرے اس سے بردباری برتو تم کو خوشی وامن ملے گا، جان لو کہ

عسر کے ساتھ یسر ہے اور کرب کے ساتھ کشادگی ہے ایک حالت ہمیشہ نہیں رہتی، زمانہ الٹتا پلٹتا رہتا ہے، اللہ نے جو تمہارے لئے چنا ہے اس پر خوش رہو، کیونکہ مصلحت کیا ہے تم نہیں جانتے، کبھی شدت بھی فراخی سے بہتر ہو سکتی ہے، مصیبت سے اللہ اور بندے کے درمیان قربت ہوتی ہے تم دعا کرتے رہو، مصیبت کبر و غرور اور فخر کو ختم کر دے گی، یقین کرو کہ دنیا ابتلاء و آزمائش، رنج و غم اور کدورتوں کی جگہ ہے اس لئے اسے اسی طرح قبول کرو اور اللہ سے مدد مانگو، جو مصیبت پہونچی اس کا ثواب ملے گا، حاسدوں، سخت دلوں اور چغل خوروں کے ساتھ نہ بیٹھو، کیونکہ وہ روح کا تجار ہیں کدورت پھیلاتے اور افسردہ کرتے پھرتے ہیں، تمہارے بارے میں جو بھی بری بات کہی جائے کہنے والے کو ہی تکلیف دے گی تمہیں نہیں، اس سے ذرا بھی اثر نہ لینا، اگر دشمن تمہیں برا بھلا کہتے ہیں حاسد سب وشتم کرتے ہیں تو اس سے تمہارا ہی وزن بڑھتا ہے اس کے معنی ہیں کہ تم اہمیت والے ہو گئے تبھی تو تمہارا ذکر ہو رہا ہے، سعادت کے بڑے دروازوں میں سے والدین کی دعا ہے اسے غنیمت جانو تاکہ ان کی دعا ہر برائی سے تمہارے لئے ڈھال بن جائے، لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملو ان کی محبت مل جائے گی نرمی سے ان سے بات کرو تواضع سے پیش آؤ تو وہ تمہارا احترام کریں گے، متوسط درجہ کا لباس پہنو نہ کہ عیش پسندوں اور محتاجوں کا اس لباس سے اپنے آپ کو ممتاز کرو، عام لوگوں کی طرح رہو، صدقہ دیا کرو چاہے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اس سے گناہ ختم ہوگا دل کو خوشی ملے گی فکر دور ہوگی، رزق میں اضافہ ہوگا، اپنا نمونہ اپنے امام محمد ﷺ کو بناؤ، دینی سعادت تک پہونچائیں گے وہی نجات دہندہ اور فلاح و کامیابی سے ہمکنار کریں گے، رحمان کی رحمت کے بارے میں سوچو کہ اس نے زانیہ عورت کو بخش دیا جس نے کتے کو پانی پلا دیا تھا اسے بخش دیا جس نے سو قتل کئے تھے اسے بخش دیا۔ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے حتی کہ اس نے نصرانیوں کو بھی توبہ کی دعوت دی ہے۔

پریشانیوں سے نہ گھبراؤ اس سے دل مضبوط ہوگا، عافیت کا مزہ ملے گا حوصلہ بڑھے گا، تمہارا صبر ظاہر ہوگا، شان بلند ہوگی، ماضی کے بارے میں سوچنا حماقت اور جنون ہے، وہ تو ایسا ہی ہے جیسے آٹے کو پیسنا، چرے ہوئے کو چیرنا اور قبروں سے مردے اکھاڑنا، جو اعتدال کو اپنائے گا اسے سعادت ملے گی، جو میانہ رو ہوگا اسے کامیابی ملے گی جو آسان پہلو پر توجہ دے گا وہ کامران ہوگا، جب کوئی بحران درپیش ہو تو یاد کرو کہ کتنے بحران تم پر گذرے اور اللہ نے تمہیں ان سے نجات دی اس سے پتہ چلے گا کہ جس نے پہلی بار عافیت دی اب کی بار بھی دے گا، دن کو ضائع کرنے والا وہ ہے جو اسے بغیر حق ادا کیے، بغیر کسی فرض نبھائے، بغیر کسی مقام کو پائے خوشی حاصل کیے، بغیر علم سیکھے، بغیر کسی صلہ رحمی کے اور بغیر کسی خیر کو انجام دیئے گزارے۔

اچھا یہ ہے کہ ہمیشہ ہاتھ میں کتاب رکھو، کیونکہ بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے وقت کی حفاظت اور فرصت کے استعمال کا بہترین ذریعہ کتاب ہے، چار چیزیں سعادت لاتی ہیں، نفع بخش کتاب، صالح اولاد، پیار کرنے والی بیوی، نیک دوست ان سب کا اجر اللہ کے یہاں ہے، امن سب سے نرم قالین ہے عافیت بہترین پردہ، علم لذیذ تر غذا اور محبت سب سے زیادہ مفید تر دوا اور حجاب سب سے اچھا لباس ہے، خوشی لحظۂ مستعار ہے، حزن کفارہ ہے غضب ایک شعلہ ہے بیکاری خسارہ ہے اور عبادت نفع بخش تجارت ہے، آنسو کے ساتھ مسکراہٹ ہے تکلیف کے ساتھ خوشی بھی ہے، بلاء کے ساتھ عطیہ ہے، آزمائش میں انعام بھی ہے، یہ اللہ کی سنت اور اس کا قاعدہ ہے۔

جو اختلاف کو ترک کر دے، تفاخر سے بچے، جھوٹ سے محفوظ رہے، تقدیر پر راضی ہو، حسد کو چھوڑ دے اللہ اس کے لئے اپنی مخلوق کے دل میں جگہ بنا دیتا ہے، نیکی سے آدمی غلام بن جاتا ہے، احسان سے انسان بندہ بے دام ہو جاتا ہے، بردباری سے دشمن مغلوب ہو جاتا ہے، اور صبر شعلوں کو بجھا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

☆☆☆

قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک

معاشرے کی تنظیم میں خاندان کے ادارے سے آگے بڑھ کر قرابت دار کے ساتھ حسن سلوک کا بھی ذکر ہے۔خاندان کے ادارے کو مستحکم کرنے کے بعد اب انسان کے حسن سلوک کا دائرہ کار درجہ بدرجہ آگے بڑھنا چاہئے اور ''الاقرب فالاقرب'' کے اصول کے مطابق جو سب سے قریب ہے وہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ حسن سلوک کا مستحق ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:

''وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا''۔ (بنی اسرائیل:۲۶) ''اور رشتے دار کو اس کا حق ادا کرو، اور محتاج اور مسافر کو بھی (اپنے مال میں سے دو) اور اپنی دولت کو نمود و نمائش کے لئے نہ اڑاؤ''۔

قرآن مجید کے اندر متعدد بار قرابت داروں کا ذکر ہے:

''وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى''۔ (البقرہ:۱۷۷)

''وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى''۔ (النساء:۳۶)

قرابت داروں کے بعد حسن سلوک کے دائرہ میں معاشرے کے محروم افراد کو بھی شامل کرنا ہوگا، جن میں یتیم، مساکین، مسافر، غرض سبھی لوگ شامل ہوں گے۔قرابت دار کے بعد یتیم اور مساکین کا نمبر آتا ہے:

"وَبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ". (النساء:۳۶)

"اور احسان کرو رشتہ داروں، یتیموں اور مساکین پر"۔

اس سے آگے بڑھے تو پڑوس کا نمبر آتا ہے: "وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی" اور پڑوسی جو قرابت دار بھی ہو" اگر پڑوسی قرابت دار بھی ہو تو یوں سمجھئے کہ سونے پر سہاگا ہے کہ اس کے دو حقوق جمع ہو گئے۔ "وَالْجَارِ الْجُنُبِ" اور پڑوسی چاہے اجنبی ہو۔ یعنی وہ آپ کے قبیلے کا نہ ہو تب بھی پڑوسی ہونے کے اعتبار سے وہ آپ کے حسن سلوک کا مستحق ہے۔ اس طرح آپ بس یا ریل میں سفر کر رہے ہیں تو آپ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا شخص آپ کا پڑوسی ہے۔ اور آپ کا فرض ہے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ "وَابْنِ السَّبِیْلِ" اور پھر مسافر "وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" اور پھر وہ جو تمہاری ملک یمین میں ہوں۔ "اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا".

(النساء:۳۶) "یقیناً اللہ تعالیٰ کو متکبر اور اکڑنے والے لوگ بالکل پسند نہیں ہیں"۔

آخر میں ایک حدیث کا حوالہ دے رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ قِیْلَ وَمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَایِقَهٗ". (صحیح بخاری، کتاب الادب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہ بات فرمائی کہ "خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے، یعنی اسے ایمان کی حقیقت حاصل نہیں یا ہمارے یہاں جو احتیاط کی وجہ سے ترجمہ کیا جاتا ہے کہ اس کو ایمان کامل حاصل نہیں ہے اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ جب ہم یہ ترجمہ کرتے ہیں تو اس حدیث میں جو زور اور تاثیر ہے وہ ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ بس یہ ذہن میں رکھئے کہ قانوناً وہ شخص کافر نہیں ہوتا بلکہ مسلمان رہتا ہے۔ لیکن ایمان کی کوئی لطیف حقیقت ہے جس سے وہ محروم ہے۔ وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ "خدا کی قسم وہ مومن نہیں!" پوچھا گیا حضور کون؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص کہ جس کی ایذا رسانی سے اس کا پڑوسی چین میں نہیں ہے"۔

خلاصۂ کلام

قرآن وحدیث میں تین اصولوں کا ذکر ہے جن پر تمام انسانی معاملات (چاہے وہ معاشرتی ہوں، معاشی ہوں یا سیاسی) کو استوار کرنا چاہئے۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا: ''اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ''۔ (النساء:۵۸)

''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو''۔

اس آیت میں دو اصولوں کا ذکر آیا (۱) امانت داری (۲) عدل وانصاف۔
اب ایک حدیث ملاحظہ کیجئے: ''لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَهٗ''۔ (الترغیب والترہیب للمنذری:۴/۷۷)

''اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں اور اس شخص کا کوئی دین نہیں جس میں ایفائے عہد نہیں''۔

اس حدیث میں ایک تو اسی اصول کا ذکر ہے جو مندرجہ بالا آیت میں مذکور ہے یعنی امانت داری، اور ایک تیسرے اصول کا تذکرہ ہے یعنی عہد کی پابندی۔

قرآن کی اور بھی کئی آیات میں ان اصولوں کا تذکرہ ملے گا، مثلاً سورۃ المومنون اور سورۃ المعارج میں فرمایا: ''وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ''۔

ایفائے عہد، امانت داری، اور عدل وانصاف، یہ تین اصول ہیں، ان پر اپنے تمام انسانی معاملات استوار کرو۔ پھر انہی اصولوں پر ایک صالح ریاست، صالح حکومت، اور ایک سیاسی نظام وجود میں آئے گا اور پھر آگے چل کر انہی اصولوں پر ہمارے معاشی نظام کی عمارت تعمیر ہوگی۔ ☆☆☆

علاج کرانے میں پردہ کا اہتمام واجب ہے

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ اُمَّ سَلِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اِسْتَأْذَنَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحِجَامَةِ فَاَمَرَ اَبَاطَيْبَةَ اَنْ يَّحْجِمَهَا قَالَ حَسِبْتُ اَنَّهٗ كَانَ اَخَاهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ اَوْ غُلَامًا لَمْ يَحْتَلِمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سینگی لگوانے کی اجازت طلب کی، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طیبہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو سینگی لگا دیں۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابوطیبہ رضی اللہ عنہ سے جو سینگی لگوائی تو میرے خیال میں اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت ام سلمہ کے دودھ شریک بھائی تھے یا نابالغ لڑکے تھے۔ (مشکوۃ شریف، ص:۲۶۸ از مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے علاج کے سلسلہ میں بھی پردہ کا خیال رکھنا ضروری ہے، اگر معالج کے سامنے بے پردہ ہو کر آجانے میں کچھ حرج نہ ہوتو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ کیوں بتانا پڑتا کہ ابوطیبہ رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے

دودھ شریک بھائی یا نابالغ لڑکے تھے، ہمارے زمانے کے لوگوں کا عجیب حال ہے کہ جن خاندانوں اور گھروں میں پردہ کا اہتمام ہے علاج کے سلسلہ میں ان کے یہاں بھی پردہ کا خیال چھوڑ دیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا احدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے علاج کے لئے محرم کو تلاش کریں، اگر کوئی محرم معالج نہ ملے تو غیر محرم سے بھی علاج کرا سکتے ہیں۔

علاج کیلئے ستر کھولنے کے احکام

لیکن اس میں شریعت کے ایک اہم اصول "اَلضَّرُوْرَۃُ تَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَۃِ" کا خیال رکھنا لازم ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مجبوراً جتنے بدن کا دیکھنا ضروری ہے معالج بس اسی قدر دیکھ سکتا ہے، مثلاً علاج کے لئے نبض دیکھنے اور حال کہنے سے کام چل سکتا ہے تو اس سے زیادہ دیکھنے یا ہاتھ لگانے کی اجازت نہ ہوگی، اسی طرح اگر بازو میں یا پنڈلی میں زخم ہے تو جتنی جگہ بدرجۂ مجبوری دیکھنے کی ضرورت ہو بس اسی قدر معالج دیکھ سکتا ہے۔ اگر علاج کی مجبوری کے لئے آنکھ، ناک، دانت، دیکھنا ہے تو اس صورت میں پورا چہرہ کھولنا جائز نہیں، جس قدر دیکھنے سے کام چل سکتا ہو بس اسی قدر دکھا سکتے ہیں بلکہ ایسے معالج کے لئے بھی یہی تفصیل ہے جو عورت کا محرم ہو اور وجہ اس کی یہ ہے کہ محرم کے لئے بھی اپنی محرم عورت کا پورا بدن دیکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ عورت کو اپنے محرم کے سامنے پیٹ اور پیٹھ اور ران کھولنا منع ہے، پس اگر پیٹ یا پیٹھ میں زخم ہو تو حکیم ڈاکٹر خواہ محرم ہو یا نامحرم صرف زخم کے اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے تاکہ پیٹ یا پیٹھ کے بقیہ حصہ پر اس کی نظر نہ پڑے اور چونکہ عورت کو ناف سے لے کر گھٹنوں کے ختم تک کسی عورت کے سامنے کھولنا ناجائز ہے اس لئے اگر لیڈی ڈاکٹر کو مثلاً ران یا سرین کا پھوڑا وغیرہ دکھانا

مقصود ہو تو اس صورت میں بھی کپڑا کاٹ کر صرف پھوڑے کی جگہ دکھائی جائے، اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا ضرورت ہے کہ ضرورت کے لئے حکیم ڈاکٹر کو جگہ دکھائی جائے تو حاضرین میں جو عزیز واقارب موجود ہوں ان کو اس جگہ کے دیکھنے کی اجازت نہیں ہے، ہاں اگر حاضرین میں سے کوئی شخص ایسا ہے جسے شرعاً اس جگہ کا دیکھنا جائز ہے تو وہ اس پابندی سے خارج ہے، مثلاً اگر پنڈلی میں زخم ہے اور وہ ڈاکٹر یا جراح کو دکھانا ہے اور عورت کا باپ یا حقیقی بھائی وہاں موجود ہے اس نے اگر دیکھ لیا تو گناہ نہ ہوگا، کیونکہ پنڈلی کا کھولنا محرم کے سامنے درست ہے۔

فائدہ: یہ تفصیل جو ابھی ذکر کی گئی ہے مرد کے علاج کے سلسلہ میں بھی ہے، کیونکہ ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد کا مرد سے بھی پردہ ہے، اگر ران یا سرین کا زخم کسی ڈاکٹر کو دکھانا ہے یا کولہے میں کسی مجبوری سے انجکشن لگوانا ہے تو صرف ڈاکٹر بقدر ضرورت دیکھ سکتا ہے، دوسرے لوگوں کا دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ: زمانہ حمل وغیرہ میں اگر دائی سے پیٹ ملوانا ہو تو ناف سے نیچے کا بدن کھولنا درست نہیں ہے، چادر وغیرہ ڈال لینی چاہئے، بلا ضرورت کوئی جگہ دائی کو بھی دکھانا جائز نہیں۔

ولادت کے موقع پر بے احتیاطی

بچہ پیدا ہونے کے وقت دائی اور نرس کو صرف بقدر ضرورت پیدائش کی جگہ دیکھنا جائز ہے، اس سے زیادہ دیکھنا منع ہے اور آس پاس جو عورتیں موجود ہوں اگرچہ ماں اور بہنیں ہی ہوں ان کو بھی دیکھنا منع ہے، کیونکہ انکا دیکھنا بلا ضرورت ہے، لہٰذا ان کو نظر ڈالنے کی اجازت نہیں، یہ جو دستور ہے کہ عورت کو ننگا کر کے ڈال دیتے ہیں اور سب عورتیں دیکھتی رہتی ہیں یہ حرام ہے۔

مسئلہ: اگر غیر مسلم دائی یا نرس بچہ پیدا کرانے کے لئے بلائی جائے تو اس کے سامنے سر کھولنا حرام ہوگا کیونکہ کافر عورت کے سامنے مسلمان عورت صرف منہ اور پہنچوں تک دونوں ہاتھ کھول سکتی ہے، نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنا حرام اس وجہ سے نہیں کہ چہرہ (نماز کے) ستر میں داخل ہے بلکہ اس لئے کہ (نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے میں) فتنہ کا خوف ہے۔

شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ زاد الفقیر میں شرائط نماز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی الفتاویٰ الصحیح ان المعتبر فی فساد الصلوۃ انکشاف ما فوق الاذنین وفی حرمۃ النظر یسوی بینهما ای مافوق الاذنین وتحتهما.

''فتاوی کی کتابوں میں ہے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ کانوں سے اوپر (یعنی بال اور سر) کے کھل جانے سے نماز فاسد ہوگی اور غیر مردوں کے لئے کانوں کے اوپر کا حصہ اور کانوں کے نیچے کا حصہ یعنی چہرہ وغیرہ کے دیکھنے کا ایک ہی حکم ہے، یعنی دونوں حصوں کا دیکھنا حرام ہے''۔

بہت سے لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اور اپنے کو دیندار بھی سمجھتے ہیں اور پردہ کو بھی مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ پردہ کے سخت احکام مولویوں نے ایجاد کیے ہیں، یہ لوگ ملحدین بد دین لوگوں کی باتوں سے متاثر ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں تھوڑا بہت اسلام سے تعلق باقی ہے ان کو راہ حق سے ہٹانے کیلئے شیطان نے یہ نئی چال چلی ہے کہ ہر ایسے حکم کو جس کے ماننے سے نفس گریز کرتا ہو، مولوی کا تراشیدہ بتا دیتا ہے اور اسکی بات کو باور کرنے والے اس دھوکہ میں پڑے رہتے ہیں کہ ہم نے نہ تو اسلام کو جھٹلایا نہ قرآن کے ماننے سے پہلو تہی کی، بلکہ مولوی کے غلط مسئلہ کا انکار کیا ہے۔ کاش یہ لوگ اپنی مومنانہ ذمہ داری کا احساس کرتے اور علماء حق سے گھل مل کر ان کے ظاہر و باطن کا جائزہ لیتے، اور ان کے بیان کردہ مسائل کے دلائل معلوم

کر کے اپنے نفوس کو مطمئن کرتے، علماء حق اپنی طرف سے کسی بھی کوئی حکم کو تجویز کر کے امت کے سر نہیں منڈھتے اور نہ وہ ایسا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ چونکہ علماء کرام کو قرآن وحدیث کی تشریحات اور احکام شرعیہ کی پوری پوری تفصیلات معلوم ہیں نیز دین کی وسعتیں اور رخصتیں بھی جانتے ہیں اور شرعی پابندیوں اور عزیمتوں سے بھی واقف ہیں اسلئے تحریراً وتقریراً احکام شرعیہ کی حدود وقیود اور ضوابط وشرائط سے امت کو آگاہ فرماتے رہتے ہیں، اسکولوں اور کالجوں کے پڑھے ہوئے نیم ملا چونکہ شریعت کا پورا علم نہیں رکھتے اسلئے حقائق شرعیہ اور بالکل متفق علیہ مسائل دینیہ کو مولوی کی ایجاد کہہ کر ٹال دیتے ہیں اور یہ عجیب تماشہ ہے کہ جس مسئلہ پر عمل نہ کرنا ہو اس سے بچنے کیلئے "ایجاد مولوی" کا بہانہ پیش کر دیتے ہیں حالانکہ نماز، روزہ وغیرہ کے جن مسائل پر عمل کرتے ہیں وہ بھی تو مولویوں نے ہی بتائے ہیں، لیکن چونکہ ان سے گریز کرنے کی نیت نہیں ہے اسلئے ان کو صحیح مانتے ہیں، میدان قیامت میں جب پیشی ہوگی تو کیا ایسی کج روی اور حیلہ سازی جان بچا سکے گی؟ اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ بوجھ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆

مصیبت کے وقت بھی پردہ لازم ہے

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ جَآءَتِ امْرَأَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهَا اُمُّ خَلَّادٍ وَهِيَ مُتَنَقِّبَةٌ تَسْاَلُ عَنِ ابْنِهَا وَهُوَ مَقْتُوْلٌ فَقَالَ لَهَا بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْتِ تَسْاَلِيْنَ عَنِ ابْنِكَ وَاَنْتِ مُنَقَّبَةٌ فَقَالَتْ اِنْ اُرْزَأَ ابْنِي فَلَنْ اُرْزَأَ حَيَائِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْنُكِ لَهُ اَجْرُ شَهِيْدَيْنِ قَالَتْ وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ لِاَنَّهُ قَتَلَهُ اَهْلُ الْكِتَابِ. (رواہ ابوداؤد فی کتاب الجہاد)

حضرت قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک صحابی عورت جن کو ام خلاد کہا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بیٹے کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئیں، ان کا بیٹا (کسی غزوہ میں) شہید ہو گیا تھا، جب وہ آئیں تو اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھیں، ان کا یہ حال دیکھ کر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لئے آئی ہو اور نقاب ڈالے ہوئے ہو؟ حضرت ام خلاد نے جواب دیا کہ اگر بیٹے کے بارے میں مصیبت زدہ

کر دینے والی چیز ہے جیسے بیٹے کا ختم ہو جانا) حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا کے پوچھنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تمہارے بیٹے کے لئے دو شہیدوں کا ثواب ہے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں؟ ارشاد فرمایا اس لئے کہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے"۔(سنن ابوداؤد، ص: ۳۳۶، ج:۱، کتاب الجہاد باب فضل قتال الروم)

تشریح: اس واقعہ سے بھی ان مغربیت زدہ مجتہدین کی تردید ہوتی ہے جو چہرہ کو پردہ سے خارج کرتے ہیں، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ ہر حال میں لازم ہے، رنج ہو یا خوشی نامحرم کے سامنے بے پردہ ہو کر آنا منع ہے۔ بہت سے مرد اور عورت ایسا طرز اختیار کرتے ہیں کہ گویا ان کے نزدیک شریعت کا کوئی قانون مصیبت کے وقت لاگو نہیں ہے۔ جب گھر میں کوئی موت ہو جائے گی تو اس بات کو جانتے ہوئے کہ نوحہ کرنا سخت منع ہے عورتیں زور زور سے نوحہ کرتی ہیں، جنازہ کا کچھ خیال نہیں کرتیں، خوب یاد رکھو غصہ ہو یا رضامندی، خوشی ہو یا مصیبت ہر حال میں احکام شریعت کا پاس ولحاظ رکھنا ہر مسلمان کیلئے لازم وضروری ہے۔

☆☆☆

عہد رسالت ﷺ میں پردہ کا اہتمام

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ خَیْبَرَ وَالْمَدِیْنَۃِ ثَلٰثًا یُبْنٰی عَلَیْہِ بِصَفِیَّۃَ بِنْتِ حُیَیٍّ فَدَعَوْتَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلٰی وَلِیْمَتِہٖ فَمَا کَانَ فِیْھَا مِنْ خُبْزٍ وَّلَا لَحْمٍ اَمَرَ بِالْاَقْطَاعِ فَاُلْقِیَ فِیْھَا مِنَ التَّمْرِ وَالْاَقِطِ وَالسَّمْنِ فَکَانَتْ وَلِیْمَتُہٗ فَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ اِحْدٰی اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَوْ مِمَّا مَلَکَتْ یَمِیْنُہٗ فَقَالُوْا اِنْ حَجَبَھَا فَھِیَ مِنْ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنْ لَّمْ یَحْجُبْھَا فَھِیَ مِمَّا مَلَکَتْ یَمِیْنُہٗ فَلَمَّا ارْتَحَلَ وَطَّأَلَھَا خَلْفَہٗ وَمَدَّ الْحِجَابَ بَیْنَھَا وَبَیْنَ النَّاسِ۔ (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید عالم ﷺ نے تین روز خیبر اور مدینہ کے درمیان قیام فرمایا، تینوں دن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے ساتھ شب باشی کی (اور وہیں جنگل میں ولیمہ ہوا) ولیمہ میں کوئی گوشت روٹی نہیں تھی (بلکہ متفرق قسم کی دوسری چیزیں تھیں) آنحضرت ﷺ نے چمڑے کے دسترخوان بچھانے کا حکم فرمایا، جس پر کھجوریں اور پنیر اور گھی لا کر رکھ دیا گیا، میں لوگوں کو بلا لایا اور لوگوں نے ولیمہ کی دعوت کھائی۔ (پورے لشکر میں سے جن کو نکاح کا علم نہ ہوا تھا

وہ) لوگ اس تردد میں رہے کہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمالیا ہے یا باندی بنالیا ہے، پھر ان لوگوں نے خود ہی اس کا فیصلہ کرلیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پردہ میں رکھا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں اور امہات المومنین میں سے ہیں ورنہ یہ سمجھیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لونڈی بنالیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوچ فرمایا تو اپنی سواری پر ان کے لئے پیچھے جگہ بنائی، اور ان کو سوار کر کے ان کے اور لوگوں کے درمیان پردہ تان دیا، اس سے سب سمجھ گئے (کہ وہ ام المومنین ہیں)۔ (صحیح بخاری، ص:۷۷۵، باب البناء فی السفر)

تشریح: ۷ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر کیلئے تشریف لے گئے، خیبر میں یہودی رہتے تھے (ان میں حضرت صفیہ کا باپ حیی بن اخطب بھی تھا) اس جنگ میں حضرت صفیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شوہر قتل ہوگیا تھا، جنگ کے ختم پر جب قیدی جمع کئے گئے تو ان میں حضرت صفیہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے نکاح فرمالیا۔

حضرات صحابہ میں یہ بات بہت مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی تھی کہ حرہ یعنی آزاد عورت کو پردہ میں رہنا لازم ہے اسی لئے انہوں نے خود ہی فیصلہ کرلیا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پردہ میں رکھا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں ورنہ یہ سمجھیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لونڈی بنالیا ہے، پھر جب روانگی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور لوگوں کے درمیان پردہ تان دیا، تو سب نے سمجھ لیا کہ لونڈی نہیں بلکہ بیوی ہیں، اگر اس زمانہ میں پردہ کا رواج نہ ہوتا تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کے دلوں میں یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

اوپر کے مسئلہ میں لونڈی سے مراد شرعی لونڈی ہے جو کافر عورتیں میدان جہاد سے قید ہو کر آتی تھیں اور امیر المومنین ان کو مجاہدین میں تقسیم کردیتا تھا، وہ شرعی

لونڈیاں بن جاتی تھیں، مسلمانوں نے جب سے شرعی جہاد چھوڑا ہے اس وقت سے غلام اور باندیاں بھی موجود نہیں رہیں، جو عورتیں ملازمت اور مزدوری پر گھروں میں کام کرتی ہیں یہ لونڈیاں اور باندیاں نہیں ہیں، ان کو پردہ کا ویسا ہی اہتمام کرنا لازم ہے جو ہر آزاد عورت کے لئے ضروری ہے، اسی طرح جو لڑکے امیر گھرانوں میں ملازم ہوتے ہیں جب بالغ ہو جائیں یا بلوغ کے قریب پہنچ جائیں تو ان سے پردہ کرنا لازم ہے، کیسی بے شرمی کی بات ہے کہ نوکروں کے سامنے بہو بیٹیاں آتی ہیں اور ذرا بھی گناہ اور عیب نہیں سمجھتیں۔

سفر میں شادی اور ولیمہ

حدیث بالا میں جو واقعہ مذکور ہے ہم لوگوں کے لئے ایک اور اعتبار سے بھی قابل عبرت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے سفر ہی میں نکاح فرمالیا اور سفر ہی میں شب زفاف ہوگئی اور ولیمہ بھی وہیں ہوگیا، لوگوں نے شادی بیاہ کے لئے بڑے بکھیڑے تجویز کر رکھے ہیں ان بکھیڑوں کی وجہ سے شادیوں میں دیر ہو جاتی ہے اور بھاری قرضوں سے زیر بار ہو جاتے ہیں۔ دنیا بھر کے عزیز و قریب جمع ہوں، جو سفر کے اخراجات کر کے آئیں اور عورتوں کی تراشی ہوئی رسموں کی پابندی ہو، مکان لیپ پوت کر مزین کئے جائیں، دولہا و دلہن کے لئے بہت جوڑے بنیں، زیورات تیار ہوں اور اسی طرح کی بہت سی قیدیں اور شرطیں پیچھے لگا رکھی ہیں جو خاندانوں کے لئے عذاب بنی ہوئی ہیں، ان رسوم کو بہت سے لوگ مصیبت سمجھتے تو ہیں مگر عورتوں کے پھندے میں اور رواج کے شکنجہ میں اپنے کو ایسا پھنسا رکھا ہے کہ سنت کے موافق سادہ طریقہ پر بیاہ شادی کرنے کو عیب جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔

ایک بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ حضور ﷺ نے جو اس موقع پر ولیمہ کیا اس میں گوشت روٹی نہیں تھی بلکہ کچھ پنیر تھا اور کچھ دوسری چیزیں تھیں، حاضرین کے سامنے وہی رکھ دی گئیں، معلوم ہوا کہ ولیمہ بغیر بکرے کاٹے اور قیمتی کھانے پکوائے بغیر بھی ہوسکتا ہے اور غریب آدمی بھی ولیمہ کی سنت پر عمل کرسکتا ہے، اس طرح کے ولیمہ سے گونام نہ ہوگا جس کے آج کے مسلمان حریص ہیں مگر سنت ادا ہوجائے گی۔

☆☆☆

مال کی اہمیت اور حفاظت

جن چیزوں پر انسانی زندگی کا انحصار اور اس کی معیشت کی بنیاد ہے ان میں سے ایک مال ہے، زندگی گزارنے کے لئے مال ناگزیر شئی ہے۔ مال کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ومحال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں ہر جگہ ہر قوم کے اندر مال کی بڑی اہمیت اور قدر وقیمت رہی ہے اور کسب معاش کی متنوع شکلیں ایجاد ہوتی رہی ہیں۔ انسانی زندگی کی اس بنیادی ضرورت واہمیت کے پیش نظر دین اسلام جو کہ بنی نوع انسان کی مکمل خیر خواہی کرنے والا اور ان کی ضروریات زندگی کی خاطر خواہ تکمیل کرنے والا دنیا کا واحد مذہب ہے اس نے حصول مال کو نہ صرف یہ کہ مشروع قرار دیا، بلکہ اس کی ترغیب دی اور تجارت وزراعت، محنت ومزدوری اور صنعت وحرفت کے ذریعہ مال کمانے اور اس کے لئے تگ ودو کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا: ''فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ''۔ ''نماز پڑھ چکنے کے بعد زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (روزی روٹی، مال ودولت) حاصل کرنے میں مصروف ہو جاؤ''۔ (جمعہ:۱۰)

مذہب اسلام نے کسب معاش اور حصول زر کے تمام مفید اسباب وذرائع اور سود مند

طریقوں و معاملات کی نشاندہی کی ہے اور مباح قرار دیا ہے اور ان تمام طریقوں، وسیلوں اور معاملات و ذرائع آمدنی کو ناجائز و حرام قرار دیا ہے جن میں مالی نقصان، اقتصادی استحصال اور جہالت و دھوکہ، جھوٹ و ضرر ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا: "اَحَلَّ اللّٰـهُ الْبَيْعَ حَرَّمَ الرِّبٰوا". "اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا ہے"۔ (بقرہ:۲۷۵) اور نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: "عمل الرجل بیده و كل بيع مبرور". "آدمی کی اپنے ہاتھ سے کی ہوئی کمائی اور بیع مبرور"۔ (رواہ البزار عن رفاعۃ بن رافع)

مذہب اسلام کی یہ ایک اہم خصوصیت ہے کہ اس نے حصول مال کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت کو بڑی اہمیت اور توجہ خاص دیا ہے چنانچہ اس نے حقوق و معاملات میں ایسے ایسے اصول و ضوابط اور احکام و مسائل میں ایسے ایسے امور و نواہی کا ذکر کیا ہے کہ ان کے ذریعہ امیر و غریب، حاکم و محکوم، طاقتور و کمزور، عالم و جاہل، اپنے و پرائے، مرد و عورت اور چھوٹے بڑے ہر ایک کے مال کی حفاظت و صیانت بہم ہو جاتی ہے اور ضیاع و بربادی سے مامون ہو جاتا ہے۔ زیر نظر تحریر میں اسلام کی اسی امتیازی خصوصیت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مال یتیم کی حفاظت

ایام جاہلیت میں انسانی معاشرہ میں کمزوروں پر ظلم کرنا ایک عام رواج تھا، خصوصاً یتیم طاقتور طبقوں کے جبر و زیادتی کے نشانہ بنتے تھے، یتیموں کی جائداد غصب کر لی جاتی تھی، جائداد میں ان کی حق تلفی کی جاتی تھی اور اگر ان کے پاس وراثت کے ذریعہ حاصل شدہ کچھ مال نقدی یا جائداد کی صورت میں ہوتا تو کفیل حضرات کفالت کے نام پر ان کے عقل و شعور کی عمر کو پہونچنے سے پہلے ہی ہڑپ

لیتے تھے۔ اس طریقے سے یتیموں کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی ہوتی تھی جس کے نتیجہ میں ان کے مال ضیاع و بربادی کی نذر ہو جاتے تھے۔ لیکن مذہب اسلام نے یتیموں پر ہونے والے ظلم و زیادتی، حق تلفی و بدسلوکی پر روک لگایا اور حکم دیا کہ جائداد میں ان کو ان کا حق بہر صورت دیا جائے اور ان کے مال کی حفاظت کا انتظام فرماتے ہوئے یہ تعلیم دیا کہ یتیموں کے ساتھ جانی و مالی ہر طرح کی خیر خاہی کرنا فرض و ضروری ہے۔ اور سن بلوغت کو پہونچ کر جب تک ان کے اندر سوجھ بوجھ نہ آجائے اور مال کی حفاظت کرنے کی اہلیت جب تک ان میں نہ آجائے کفیلوں کی یہ شرعی ذمہ داری اور مذہبی فریضہ ہوگا کہ وہ یتیموں کے مال کی صحیح دیکھ ریکھ اور مکمل حفاظت کریں اور ان کا مال ہرگز نہ ہڑپیں بلکہ غصب کی نیت سے ان کے مال کے قریب تک نہ جائیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ''۔ ''(غصب کی نیت سے) یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر بہتر اور اچھے طریقے سے''۔ (انعام: ۱۵۲) رسول رحمت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے یتیم کا مال کھانے کو ہلاکت خیز گناہ قرار دیا ہے''۔ (متفق علیہ)۔ (سورۂ نساء: ۱۰) میں ناجائز طریقے سے یتیموں کے مال کھانے اور ہڑپنے کو جہنمی عمل قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا''۔ ''جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں حقیقت میں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ لوگ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے''۔

ناجائز طریقے سے یتیموں کا مال کھانے والوں کے لئے مذکورہ وعید جب نازل ہوئی تو صحابہ کرام کے اندر اللہ کا خوف و ہراس پیدا ہو گیا اور وہ یتیموں کے مال کے سلسلے میں بہت زیادہ محتاط ہو گئے اور یتیموں کے مال وغیرہ ہر چیز الگ تھلگ

کردی اور اس کے استعمال سے غلو کی حد تک احتراز کرنے لگے حتی کہ کھانے پینے کی چیز اگر بچ جاتی تو اسے بھی استعمال میں نہ لاتے بلکہ اسے یوں ہی چھوڑ دیتے اور وہ چیز ضائع و برباد ہو جاتی تھی، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ''۔ ''وہ لوگ آپ سے یتیموں کے تعلق سے سوال کرتے ہیں آپ جواب دید یجئے کہ یتیموں کی خیر خواہی بہتر ہے، اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو کوئی حرج نہیں ہے وہ تمہارے بھائی ہیں''۔ (بقرہ:۲۲۰) یعنی اصلاح وحفاظت کے مقصد سے ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ مطلوب ہے، بس یتیموں پر ظلم نہیں ہونا چاہئے کہ تم ان کے مال میں سے عمدہ چیزیں لے لو اور اس کے بدلے میں گھٹیا اور خراب چیزیں دیدو بلکہ ان کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرو اللہ تعالی نے فرمایا: ''وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ''۔ ''یتیموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو'' اس طریقے سے مذہب اسلام نے مال یتیم کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔

عورتوں اور بچوں کے مال کی حفاظت

دنیا جب نور ہدایت سے محروم تھی اور کفر وشرک کی زد میں تھی تو سوسائٹی بے اعتدالیوں کا شکار تھی۔ ظلم وزیادتی کی حکمرانی تھی، طغیانی وعصیان کا دور دورہ تھا، چھین جھپٹ ولوٹ مار کا بازار گرم تھا، کمزوروں کے حقوق پامال کرنے میں طاقتور طبقہ کو روکنے کی جسارت کوئی نہیں کرتا تھا، عدل وانصاف کا فقدان تھا، بالخصوص عورتوں کے ساتھ بے انصافی کچھ زیادہ ہی کی جاتی تھی، ان کا اقتصادی استحصال کیا جاتا تھا اور مالی حقوق سے انہیں محروم رکھا جاتا تھا، حتی کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ بھی تقریباً یہی معاملہ کیا جاتا تھا، چنانچہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ رقمطراز ہیں:

"اسلام سے قبل یہ ایک ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے سارے مال کے وارث قرار پاتے"۔ (تفسیر احسن البیان: سورہ نساء: ۷ کا حاشیہ) اس طریقے سے کمسن بچوں اور عورتوں کا مالی استحصال ہوتا تھا اور انہیں ان کے حقوق سے محروم رکھا اور ان کا مال ضائع و برباد ہو جاتا تھا، لیکن دنیا جب نور ہدایت سے منور ہوئی تو مذہب اسلام نے بچوں اور عورتوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا۔ ان کے مناسب حقوق متعین کیے اور مردوں کی طرح انہیں بھی جائداد کا حق دار ٹھہرایا اور وراثت میں ان کو حصہ دلا کر ان کے مال کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ"۔ "اس مال میں عورتوں کا بھی حصہ ہے جو اس کے والدین ورشتہ دار چھوڑ جائیں وہ مال کم ہو یا زیادہ"۔ (نساء: ۷) نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "يُوصِيكُمُ اللّهُ فِي أَوْلاَدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ"۔ "اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ (ترکہ میں) ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصوں کے برابر ہے"۔ (نساء: ۱۱)

یعنی لڑکے اور لڑکیاں چھوٹی عمر کے ہوں یا بڑی عمر کے سب وارث ہوں گے حتی کہ ترکہ میں وہ جنین بھی حصہ دار ہوگا جو ابھی پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ ماں کے پیٹ میں زیر پرورش ہے، بشرطیکہ وہ زندہ پیدا ہو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "اذا استهل المولود ورث" بچہ اگر (پیدا ہوتے وقت) چیخ پڑا تو وہ وارث ہوگا کیوں کہ (چیخنا اس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے)"۔ (ابوداؤد) اور ایک روایت میں ہے کہ "قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يرث الصبي حتى يستهل" اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ بچہ چیخے بغیر وارث نہیں ہوگا"۔ (ذکرہ الالبانی فی الصحیحہ: ۱۵۳) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ کمسن بچیوں اور نابالغ

لڑکوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے تھے، چنانچہ اوس بن ثابت نامی ایک انصاری شخص کا انتقال ہوا، اس نے اپنے پیچھے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑا، اوس کے چچا کے دو لڑکے اللہ کے رسول کے پاس آئے اور میراث کے کل مال لے کر چلے گئے۔ (میراث میں سے مانگنے کی غرض سے) اوس کی بیوی خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں تو اللہ کا فرمان: (يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) نازل ہوا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس بن ثابت کے کل میراث کو منگوایا اور کل ترکہ سے آٹھواں حصہ اوس کی بیوی کو دیا اور بقیہ ترکہ (لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ) کے تحت اوس کی اولاد کے درمیان تقسیم فرمایا۔ (باختصار العلام: ۲۴۲، بتالیف ڈاکٹر محمد لقمان السلفی حفظ اللہ)۔

محترم قارئین! مذکورہ تفصیل سے یہ حقیقت بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ مذہب اسلام نے کتنی حکمت سے بچوں اور بالخصوص عورتوں کے مال کو ضائع و برباد ہونے اور غصب ہونے سے بچایا اور اس کی حفاظت کیا اور اس سلسلہ میں احکام سازی میں کتنی باریکی و گہرائی سے کام لیا۔ عورتوں کے مال کی حفاظت ہی تو پیش نظر ہے کہ مذہب اسلام نے عورتوں کے لئے حق مہر مشروع کیا اور اسے ادا کرنا شوہروں پر واجب قرار دیا اور تاکید کی کہ خبردار! مہر کا مال عورتوں کا حق ہے، مہر سے ملا ہوا مال کے مالک ومختار وہی ہیں۔ لہٰذا رضامندی کے بغیر تمہارے لئے مال مہر سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا) ''تم لوگ مال مہر میں سے کچھ نہ لو''۔ (نساء: ۲۰)

دوسرے کے مال کی حفاظت

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا امتحان گاہ ہے اور آزمائش کے لئے ہمیں یہاں بسایا گیا ہے۔ اچھے و برے کو پرکھنے کے لئے ہی انسانوں کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا''۔ ہم نے انسان کو مرد وعورت کے ملے جلے نطفے سے آزمائش کیلئے پیدا کیا ہے اور اسی لئے اس کو سننے والا اور دیکھنے والا بنایا ہے''۔ (سورہ دہر:۲)۔ نیز اللہ نے فرمایا: ''اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا''۔ ''اس نے تمہاری آزمائش کیلئے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ وہ پرکھے کہ کون تم میں سے اچھا کام کرنے والا ہے''۔ (ملک:۲)۔

اللہ تعالیٰ ہم انسانوں کی آزمائش متعدد ومتنوع طریقے سے کرتا ہے۔ کسی کو حکومت وسربلندی اور خوشی عطا کرکے آزماتا ہے تو کسی کو محکومیت وماتحتی اور حزن وملال سے دوچار کرکے امتحان لیتا ہے۔ یہی وہ حکمت الٰہی ہے کہ کسی کے یہاں مال ودولت کی فراوانی ہوتی ہے اور کوئی ایک ایک دانہ کے لئے ترستا ہے۔ لہٰذا امیر کو اپنی دولت پر نہ اترانا چاہیئے نہ غریب کو غربت پر کف افسوس ملنا چاہیئے۔ کیوں کہ مالداری ومفلسی اللہ کے یہاں کسی کے مقبول ومردود ہونے کی دلیل وعلامت نہیں ہوتی ہے بلکہ اللہ کے محبوب وپسندیدہ اور کامیاب بندے تو وہ ہوتے ہیں جو ہرحال میں اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں اور اللہ کی بندگی میں ان کے لئے دولت مخل ہوتی ہے نہ غربت مانع ہوتی ہے اور جو کچھ بھی مال ان کے پاس ہوتا ہے اسی پر راضی رہتے ہیں اور اسی پر قناعت کرتے ہیں۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ''۔ ''وہ شخص کامیابی سے ہمکنار ہوگیا جس نے اسلام کو گلے سے لگالیا اور اسے بقدر کفایت وضرورت روزی دی گئی اور جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے اسی پر قناعت کرنے کی توفیق دی''۔ (رواہ مسلم عن عبد اللہ بن عمرو) لہٰذا ہر شخص کو چاہیئے کہ جو کچھ مال ومتاع اللہ نے اس کو عطا کیا ہے اسی پر صبر وقناعت کرے اور اسے اپنے

لئے کافی وشافی سمجھے، اپنی تقدیر پر رضا مند رہے اور دوسرے کے مال پر حسد اور حرص وطمع ہرگز ہرگز نہ کرے۔

دین اسلام کے یہ وہ عقائد واحکام ہیں جن کو ماننا قبولیت ایمان کے لئے شرط لازم اور ان پر عمل کرنا حول نجات کے لئے فرض وضروری ہے ورنہ اگر کسی نے خلاف ورزی کی اور دوسرے کا مال غصب کیا یا چوری کی تو مذہب اسلام نے اس پر شدید وعید اور سخت سزا سنائی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''من اقتطع شبراً من الارض ظلما طوقه الله اياه يوم القيامة من سبع ارضين''۔ ''جس نے کسی کی ایک بالشت زمین زبردستی چھین لیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اتنی زمین ساتوں زمین میں سے اس کا طوق بنا کر گلے میں ڈال دے گا''۔ (متفق علیہ) اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا) ''چوری کرنے والے مرد وعورت کا ہاتھ قلم کردو''۔ (مائدہ:۳۸) (ماہنامہ طوبیٰ مارچ ۲۰۱۱ء سے ماخوذ)

☆☆☆

غیر مخلوط اسلامی معاشرہ

یہ بات قبل ازیں عرض کی جا چکی ہے کہ اسلامی معاشرہ مخلوط معاشرہ نہیں ہے، اس میں عقیدے اور ایمان کی بنیاد پر تقسیم ہے۔ یہ اصلاً مسلمان معاشرہ ہے، غیر مسلم اس معاشرے کا اصلاً شریک نہیں ہے۔ البتہ جو بھی غیر مسلم ہمارے مقابلے میں متحارب نہیں ہے، اس کے ساتھ بھلائی، خدمت خلق، تالیف قلب، عدل وانصاف، یہ سارے معاملات کریں گے۔ لیکن محبت اور مودت کا معاملہ صرف اہل ایمان کی برادری کے دائرے کے اندر رہے گا۔ اسی طرح مسلمان معاشرے میں جنس کے اعتبار سے مخلوط معاملہ نہیں ہے۔ یہ ایک غیر مخلوط (seggregated) سوسائٹی ہے، جہاں مرد کا علیحدہ دائرہ کار ہے اور عورت کا علیحدہ۔ ان دونوں کا میدان کار جدا، فرائض جدا، ذمہ داریاں جدا، لہٰذا ان کا آپس میں میل جول اور اختلاط اسلام بالکل گوارا نہیں کرتا۔ اس لئے کہ یہ بارود کو چنگاری دکھانے والی بات ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جنسی جذبہ بہت ہی خوفناک اور خطرناک حد تک منہ زور ہے اور اس کے لئے بہت زیادہ احتیاط اور پابندیاں کی ضرورت ہے۔

حجاب کے تفصیلی احکام میں تو کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن میں اس وقت جو اصول بیان کر رہا ہوں کہ "مرد و عورت میں سے ہر ایک کا ایک جداگانہ دائرہ کار

ہے''، میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ جس زمانے میں ستر وحجاب اور پردہ کی بڑی بحثیں چل رہی تھیں ایک مرتبہ میں پروفیسر وارث میر صاحب کے گھر ان کے بچے کی عیادت کے لئے گیا تھا۔ چونکہ وہ بھی میرے خلاف بڑے مضامین لکھ رہے تھے تو وہاں میں نے ان سے بات کی اور ان سے کہا کہ مجھے بتایئے تو سہی کہ اسلام نے ستر وحجاب اور seggregation کے جو اصول رکھے ہیں، ان کو اگر ہم ملحوظ رکھیں تو ہماری کون سی تمدنی ضرورت ہے جو رکتی ہے؟ پھر میں نے غیر مخلوط معاشرے کا ایک خاکہ ان کے سامنے رکھا کہ آپ تعلیم کا نظام علیحدہ کر دیجئے کہ مردوں اور عورتوں کی یونیورسٹیاں اور کالج علیحدہ ہوں، اسکے اسپتال علیحدہ ہوں۔ خواتین کے اسپتالوں میں خواتین ڈاکٹر ہوں۔ اور خواتین نرسیں ہوں، جب کہ مردوں کے اسپتالوں میں مرد نرسوں کا اہتمام ہو، کیونکہ وہاں زنانہ نرسیں فساد کی جڑ ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا مرد نرسنگ نہیں کر سکتے؟ آرمی میں جہاں شدید ترین نرسنگ کی ضرورت ہوتی ہے آپ اگلے مورچوں پر کیا عورتوں کو نرسیں بنا کر بھیجتے ہیں؟ وہاں نرسنگ کا کام مرد سر انجام دیتے ہیں اور وہاں کی ساری ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ تو اسی طرح مردانہ اسپتالوں میں مرد نرس کام کیوں نہیں کر سکتے؟ عورتوں کے اسپتالوں میں عورتوں کو نرس رکھئے اور مردوں کے اسپتال میں مردوں کو نرس رکھئے۔

آج کل یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس دور میں ہمیں جو معاشی مسائل در پیش ہیں اور دنیا کے اندر جو اقتصادی بھاگ دوڑ کا مقابلہ ہے تو اس کے پیش نظر کیا ہم مردوں کے ساتھ عورتوں کی نفری کو بروئے کار نہ لائیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ضرور ان سے کام لیجئے، اور اس کے لئے گھریلو صنعتوں کو فروغ دیجئے تا کہ خواتین کو گھروں کے اندر کام دیا جائے۔ یا آپ ایسے یونٹس بنایئے جس میں عورتیں کام

کریں، عورتیں کام لیں، سپروائزنگ بھی عورتیں کریں اور اس کی چار گھنٹے کی شفٹ رکھئے تاکہ وہ خاتون خانہ کی حیثیت سے بھی اپنے فرائض ادا کر سکے اور یہاں آکر قوم کی اجتماعی اقتصادیات میں بھی اپنا ایک حصہ ادا کر سکے۔ اگر گھر پر بیٹھ کر اسے کام کرنے دیں گے تو وہ انتہائی مفید اور Productive ہوگا، اس کے آنے جانے، کپڑے تبدیل کرنے اور بننے سنورنے کا وقت بھی بچے گا۔ دوسری جنگ عظیم میں دہلی کے ایک بہت بڑے علاقے ''باڑا ہندوراؤ'' کا ایک گھر کارخانہ بنا ہوا تھا۔ صبح آرمی کے ٹرک آتے اور سامان دے کر چلے جاتے تھے۔ کہیں وردیاں سل رہی ہیں، کہیں بکلز بن رہے ہیں، کہیں بٹنز بن رہے ہیں، گھروں میں چھوٹے چھوٹے پریس لگے ہوئے تھے۔ شام کو ٹرک آتے اور تیار سامان لے کر چلے جاتے۔ نہ عورت کو گھر سے نکلنا پڑا، نہ اسے کوئی مشقت جھیلنی پڑی۔ وہ گھر میں بیٹھ کر بچوں کو ساتھ لگا کر کام کر رہی ہیں، کہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ بس اصول طے ہو جائیں اور ایک دفعہ عزم کر لیں تو پھر راستے کھلتے جائیں گے۔ اس بات کو یقین محکم کے ساتھ مان لیں کہ مرد وزن کا اختلاط انتہائی خطرناک ہے اور اس میں شدید خطرات مضمر ہیں، اس لئے اس کو بہر صورت روکنا ہے۔

ستر و حجاب کے احکام کی پابندی اور غیر مخلوط نظام سے شوہر اور بیوی کے اندر وہ باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے جس سے گھر کے اندر اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے اور اس میں مثبت جذبات پروان چڑھتے ہیں، پھر وہ گھر واقعتاً جنت کا ایک نمونہ بنتا ہے۔ اس فضا میں جو اولاد پروان چڑھے گی اس کے اندر مثبت اقدار وجود میں آئیں گے۔ اس کے اندر بھلائیاں اور نیکیاں پرورش پائیں گی۔ اگر ایسا نظام نہ ہو تو انتقام اور منفی اثرات پروان چڑھتے ہیں۔ نہ بیوی کو شوہر پر اور نہ شوہر کو بیوی پر اعتماد ہوتا ہے۔ اس طرح وہ صرف ایک قانونی بندھن میں بندھے ہوتے ہیں۔ جس سے

چھٹکارا پانے کے لئے امریکہ اور مغرب میں بڑی کوششیں جاری ہیں۔ ان کا پورا عائلی نظام ان کے لئے ایک بہت بڑا اشکنجہ، بہت بڑی مصیبت اور بہت بڑی لعنت بن کر رہ گئی ہے۔ لیکن ہم اب بھی مغربی تہذیب کی ظاہری چکاچوند سے مرعوب ہیں، جس کو اقبال نے : Dazzling exterior of the Western Civilization کہا تھا۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی   یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے!

ہم تو اسی کی مرعوبیت میں مبتلا ہو کر اس کی پیروی کر رہے ہیں اور اسی کو سمجھتے ہیں کہ یہ تہذیب اور تمدن ہے۔ یہ درحقیقت ہمارے ذہنی افلاس کا مظہر ہے ورنہ ہمارے پاس تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بہترین معاشرتی و عائلی نظام ہے۔ سب سے پہلے اگر آپ میں ایمان کی بنیاد موجود ہو تو آپ کو وہ بصیرت حاصل ہوگی کہ ان تمام اوامر و نواہی اور دین کے تمام احکام کی نورانیت معنویت اور ان احکام کی پوشیدہ حکمتیں اور برکات نظر آئیں گی۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ''اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤمِنِ فَاِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ''۔

نور اللہ سے کیا مراد ہے؟ اسکے دوسرے پہلو بھی ہیں جنکی طرف اشارہ موجود ہے لیکن یہ بھی ہے کہ وہ نور ایمان ہے۔ پھر جسے اللہ انشراح عطا کرتا ہے اسے اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہی نظام صحیح ہے اور اسی میں خیر و فلاح ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ''اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ'' (الزمر:۲۲)

''پھر بھلا وہ شخص کہ جس کے سینے کو اللہ نے اسلام کیلئے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور (ہدایت) پر ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو کفر کی تاریکیوں میں پڑا ہے''۔ (ماہنامہ ذکری جدید دسمبر ۲۰۱۱ء سے ماخوذ)

☆☆☆

عورتوں کیلئے اخلاقی ہدایات

قرآن مجید میں کئی آیات ایسی ہیں جن میں عورتوں کو اور مردوں کو مختلف اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں جن سے ایک صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے جس کی نظیر رسول اللہ ﷺ کے دور میں مدینۃ المنورہ میں وجود میں آیا تھا جس کی تشکیل رسول اللہ ﷺ دے کر اس عالم رنگ وبو سے پردہ فرما گئے چنانچہ سورہ احزاب کی آیت مبارکہ کا ترجمہ ہے: "اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے مرد اور خدا کی فرمانبرداری کرنے والی عورتیں، ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور اللہ کی طرف جھکنے والے مرد اور اللہ کی طرف جھکنے والی عورتیں، سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں، راہ حق میں استقامت رکھنے والے مرد اور راہ حق میں استقامت رکھنے والی عورتیں اور اللہ کے سامنے تواضع کرنے والے مرد اور تواضع کرنے والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ پاک نے ان سب کے لئے گناہوں کی مغفرت اور بڑا اجر وثواب تیار رکھا ہے۔ (سورہ احزاب)

اس آیت میں جو صفات اور اخلاقی ہدایت دی گئی ہیں وہ ترجمہ سے ظاہر ہیں نیز اس آیت مبارکہ کے بعد دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے: ”کسی ایمان والے مرد اور کسی ایمان والی عورت کیلئے یہ جائز نہیں کہ جب کسی معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اپنا فیصلہ سنا دیں تو وہ اس میں اپنے اختیار کو دخل دے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔ (احزاب)

یعنی مرد و عورت کو چاہئے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلوں حکموں اور ان کی باتوں کے سامنے سر جھکا دیں اور چوں و چرا کے بغیر احکامات الٰہیہ کو تسلیم کریں کسی قسم کا اعتراض یا ہچکچاہٹ بندۂ مومن کے ایمان کو سلب کرنے کا سبب بن سکتی ہے اللہ حفاظت فرمائے۔

سورہ نور میں شریف عورتوں کی خوبیوں کا تذکرہ ہے پاک دامن بھولی بھالی، ایمان والیاں (رکوع ۳) رسول اکرم ﷺ جب عورتوں سے بیعت لیتے تھے جن اخلاقی پابندیوں پر اقرار لیتے تھے وہ قرآن مجید کی سورہ ممتحنہ ہے۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ جب مسلمان عورتیں آپ ﷺ کے پاس بیعت کے لئے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی، بدکاری نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، اور نہ کوئی ایسا بہتان تراشیں گی جو ان کے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے متعلق ہو اور نہ کسی جائز کام میں آپ ﷺ کے نافرمانی کریں گی تو ان کی بیعت کرلو۔ (سورہ ممتحنہ: رکوع ۲) ان اخلاقی ہدایات کے ساتھ ساتھ قرآن کریم عورتوں کے سامنے عمدہ و اعلیٰ صفات کی حامل مومن عورتوں کی دو مثالیں بھی پیش کیں ہیں اور مسلمان عورت کو حکم دیا ہے کہ ان نمونوں کی پیروی کرے، ایک نمونہ تو فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا کا ہے فرعون جیسے ظالم و جابر اور خدا کا دشمن اور اللہ کے مقابلے میں خدائی کا دعویٰ کرنے والا تھا اس کی

بیوی تھیں لیکن ایسے خطرناک انسان کی بیوی ہونے کے باوجود اور ایسے گندے اور بے دینی کے ماحول میں رہنے کے باوجود، اللہ سے ڈرنے والی اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے والی تھیں رات دن اس سے پناہ کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی تھیں۔

قرآن مجید میں ہے: ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ مثال پیش کرتے ہیں ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کی جب کہ اس نے دعا مانگی اے میرے پروردگار میرے لئے اپنی جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کی بدعملیوں سے بچا اور ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔ (سورہ تحریم)

فرعون نے اپنی بیوی پر ظلم وستم کی انتہا کردی تھی لیکن حضرت آسیہ کی ایمانی ثابت قدمی میں ذرہ بھی فرق نہ آیا اس طرح ظلم سہتے سہتے اللہ پاک کے پاس چلی گئیں۔ یقیناً آج کے عورتوں کے لئے یہ بہت بڑا نمونہ ہے۔ دوسرا نمونہ: حضرت بی بی مریم علیہا السلام ہے جو عصمت وعفت اور پاکدامنی اور پاکیزگی کی مجسم تصویر تھیں اسی سورہ تحریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''خدائے پاک مثال پیش فرماتے ہیں عمران کی لڑکی مریم کی، جس نے اپنی پاکدامنی کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی طرف سے ایک روح پھونک دی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتیں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اپنے رب کے فرمانبرداروں میں سے تھیں۔ (سورہ تحریم)

جس طرح یہ دو عمدہ مثالیں پیش کی گئی ہیں اسی طرح عبرت ونصیحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو خراب عورتوں کی مثالیں بھی پیش کیں ہیں۔

ایک مثال حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور دوسرے لوط علیہ السلام کی بیوی کی جن کو خدا کے فضل سے بہت بڑے مرتبے کے شوہر یعنی نبی کی بیویاں بننے کا شرف حاصل تھا لیکن یہ بجائے اپنے شوہر کے ساتھ وفاداری نبھانے اور راست بازی سے زندگی گزارنے کے انہوں نے دھوکہ بازی سے کام لیا۔ ان کی تحقیر وتذلیل کی اور نبیوں

کی تکلیفوں میں اضافہ کردیا، نافرمان ثابت ہوئیں جس کی وجہ سے اس عذاب میں مبتلا ہوگئیں جو ان کی قوموں پر اترا تھا۔ چنانچہ سورہ تحریم میں ہے: ''اللہ تعالیٰ مثال پیش کرتے ہیں کافروں کے لئے نوح علیہ السلام کی بیوی کی اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی دونوں عورتیں پیارے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں تو انہوں نے ان کے ساتھ بے وفائی کی تو وہ دو نیک بندے اللہ کے مقابلے میں ان کو کچھ کام نہ آسکے اور ان کو حکم ملا کہ آگ میں داخل ہوجاؤ''۔ (سورہ تحریم)

یہ دونوں مثالیں مومنوں اور کافروں مردوں اور عورتوں کے لئے قابل عبرت ونصیحت ہیں جو اپنے ایمان وعمل صالح کے ذریعہ اپنے آپ کو بنائیں گے وہ کامیاب ہوجائیں گے ورنہ ناکامی اور بربادی اور خسران کے علاوہ کچھ نہیں ہاتھ آئے گا اور کوئی حامی وناصر بھی نہ ہوگا۔

اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور عبرت انگیز واقعہ اور مثال ابولہب کی بیوی کا بھی پیش کیا گیا ہے اسلام سے قبل عرب میں جہالت کا جو نظام قائم تھا ابولہب اس کا سب سے بڑا لیڈر تھا اور یہ شخص خود اپنے طور پر بہت ہی بڑا کمینہ، بدخصلت اور ذیل قسم کا تھا اور اس سے کہیں زیادہ بدخصلت وبدذات اس کی بیوی تھی۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت حق کو عام کیا تو یہ دونوں سب سے بڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہوگئے اور یہ دشمنی صرف ناپاک مقاصد اور اغراض کے حصول کے لئے تھی دونوں میاں بیوی کو اسی بات کا ڈر تھا کہ اگر اسلام کا بول بالا ہوگیا تو ہمارے اقتدار کا خاتمہ ہوجائے گا ہماری جھوٹی شان وشوکت خاک میں مل جائے گی ابولہب کی بیوی بناؤ سنگار کیلئے اور اپنی من مانی خواہشات پوری کرنے کیلئے ابولہب کو تنگ کرتی تھی کہ وہ کسی بھی طرح اور جہاں سے بھی ہوسکے اس کیلئے دولت جمع کرے اور ابولہب اپنی فطری بدذاتی اور بزدلی کی وجہ سے جائز اور ناجائز کی پرواہ کئے بغیر

حلال وحرام جو کچھ ہاتھ لگ جاتا سمیٹ لاتا اور اپنی اس کمینی عورت کے ارمان پورے کرتا اور اس کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو بڑا آدمی کہتے ہوئے بھی 'رفادہ' نام کے عوامی فنڈ سے بھی غبن کرتا تھا، بلکہ تاریخ میں یہ بھی ہے کہ بیت اللہ کے خزانے میں جب سونے کے زیورات یا ہرنوں کی چوری ہوئی تو شبہ اس کے اوپر تھا کیونکہ یہ سب اپنی بیوی کے اشارے پر کرتا تھا اور اس کی بیوی کیلئے یہ سب اچھا تھا، اور بگڑی عورت تھی اس لئے قرآن کریم نے اس کی مثال پیش کی اور اس کے نالائق شوہر کے دردناک انجام میں اس کو بھی شامل کرلیا اور قرآن مجید میں اس کی اس طرح تصویر کھینچی کہ قیامت کے دن اس کو ایک ایسی لونڈی کی صورت میں اٹھایا جائے گا جو اپنے گلے میں رسیاں لٹکا کر لکڑیاں چننے جارہی ہو اور وہ لکڑیاں لاکر اس آگ کو بھڑکائے گی جس میں اس کا بدبخت شوہر جل رہا ہوگا کیونکہ حقیقت میں دنیا میں اپنے شوہر کو آگ کا مستحق بنانے والی وہ خود ہی تھی۔

قرآن کریم نے اس عورت کو تمام مردوں اور عورتوں کے لئے ایک سبق آموز مثال کے طور پر پیش کیا ہے تاکہ سب لوگ اس کی یہ مثال دیکھ کر پڑھ کر ضرور نصیحت حاصل کریں چنانچہ فرمایا: ترجمہ: ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو، نہ تو اس کا مال اس کو کام آیا اور نہ اس کی حرام کی کمائی، اب وہ بہت جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن لادتی پھرتی ہے اس کی گردن میں ایک اچھی بنی ہوئی رسی ہوگی۔

یہ اخلاقی نمونہ ہیں جن کو قرآن کریم نے عورتوں کے سامنے رکھے ہیں تاکہ انہیں پڑھ کر عبرت حاصل کریں قرآن مجید کے پیش کردہ مثالوں کی روشنی میں ہماری ماں بہنوں اور بیٹوں کے لئے کونسا طریقہ اختیار کرنا مناسب ہے؟ ترقی یافتہ ہونے کے دعویداروں کا گھڑا ہوا طریقہ یا قرآن کریم کا بتلایا ہوا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟

اخلاقی ہدایات احادیث منورہ میں

رسول اکرم ﷺ کے مشہور معروف صحابی جنہیں رسول اللہ ﷺ نے یمن کا گورنر بھی بنایا تھا ان کی پھوپھی زاد بہن حضرت اسماء بنت یزید کے متعلق احادیث کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید کا شمار عقلمند اور دیندار خواتین میں ہوتا تھا۔ ان سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں عورتوں کی بڑی جماعت کی طرف سے نمائندہ بن کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں آئی ہوں تمام عورتوں کی طرف سے یہ عرض ہے کہ اللہ پاک نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے اس لئے ہم بھی آپ پر ایمان لے آئیں اور ہم آپ ﷺ کی اتباع کر رہے ہیں لیکن ہم عورتیں پردہ میں رہنے والی اور اپنے بچوں کی پرورش کرنے والی ہیں مرد حضرات ہم سے جمعہ، جنازہ اور جہاد میں بازی لے گئے جب کہ مرد جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھر بار وغیرہ کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم کو بھی ان کے جتنا ہی ثواب ملے گا؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: ”دین اور مذہب کے سلسلہ میں اس قسم کی خوبی سے بھرا ہوا سوال آج تک کسی دوسری عورت سے نہ سنا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں خدا کی قسم یا رسول اللہ ﷺ! اس کے بعد حضرت رسول خدا ﷺ نے بی بی اسماء سے مخاطب ہو کر فرمایا اے اسماء میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تم کو نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان کو میری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ تم حسن و خوبی سے گھریلو زندگی کا نظام چلاؤ اور اپنے شوہر کو خوش رکھا کرو اور آپس میں صلح و سکون کے لئے ان کی تابعداری کیا کرو تمہارے ان کاموں اور امور کا

ثواب اوپر بتلائے ہوئے مردوں کے کاموں کے برابر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک سن کر حضرت بی بی اسماء رضی اللہ عنہا بے حد خوش ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی تعریف کرتی ہوئی وہاں سے واپس ہوئیں۔

اور ایک دوسری مشہور حدیث ہے کہ عورت خاوند کے گھر اور اس کے بال بچوں کی ذمہ دار ہے قیامت کے دن اس سے اس سلسلہ میں باز پرس ہوگی۔ (مشکوٰۃ) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور گرد آلود عورت قیامت کے دن اس طرح ہوں گے راوی کا بیان ہے کہ حضرت نبی پاک ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی ساتھ ملا کر "اس طرح ہوں" ایسا فرمایا۔ گرد آلو عورت کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت جو گھر کے کام کاج شوہر کی خدمت اور اسکے بال بچوں کا نہلانے دھلانے کی مصروفیت کی وجہ سے اور چولھے چکی کی وجہ سے جو دھواں وغیرہ لگتا ہے وہ "گرد" مراد ہے سبحان اللہ یہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایتیں ہیں کہ وہ اپنا گھر کا سارا کام حتی کہ پانی لانا جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا چکی پیسنا وغیرہ سب کام خود کرتی تھیں۔

جس کی بنا پر ہاتھ پر اور جسم کے دوسرے حصوں پر گٹوں کے نشانات لگے ہوئے تھے کوئی اندازہ کیا کرسکتا ہے دونوں جہاں کے سردار کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا! جبھی تو انہیں جنت کی تمام عورتوں کی سردار کہا گیا ہے۔

مثالی خاتون کیسی ہوتی ہے

اسلامی تعلیم کے رنگ میں رنگی ہوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری میں گذارنے والی خاتون کس طرح ہوتی ہے اللہ کے نبی ﷺ کی اس حدیث سے معلوم کرسکتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں بتاؤں تم کو کہ آدمی کا بہترین خزانہ کیا ہوتا ہے؟ نیک بیوی وہ ہے کہ خاوند جب اس کی طرف

دیکھے تو اس کو خوش کرے جب کسی بات کا حکم دے تو فوراً بجالائے اور جب وہ کہیں باہر جائے تو گھر بچوں اور اپنی عزت ہر چیز کی حفاظت کرے۔ (ابوداؤد)

نقالی کرنے والے مرد اور عورتیں

جو عورتیں وضع قطع چال ڈھال، لباس پوشاک میں اور دیگر امور میں مردوں کی نقل کرتی ہیں ایسی عورتوں پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی۔ چنانچہ فرمایا اللہ کے نبی ﷺ نے مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر اللہ کے رسول نے لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی اس مرد پر جو عورتوں جیسا لباس پہنے اور ان عورتوں پر جو مردوں جیسا لباس پہنے۔ (مشکوٰۃ)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ ایک عورت جو مردوں جیسے جوتے پہنتی ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں جیسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد)

مزید رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت خوشبو لگا کر بن ٹھن کر دوسروں کے پاس سے گذرے اور وہ اس کی خوشبو کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوں تو ایسی عورت ایسی ویسی ہے یعنی بہت ہی سخت الفاظ میں اس کی مذمت کی ہے۔ (ابوداؤد)

دوسری حدیث ہے آپ نے فرمایا جو عورتیں کپڑے پہننے کے باوجود ننگی کی ننگی ہوں گی وہ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گی۔ (مسلم) جب کہ جنت کی خوشبو پانچ سو میل کی مسافت سے محسوس ہوا کرے گی۔

عورتوں کو کیسا رہنا چاہئے

ان تمام قرآنی آیات واحادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کو بے حد محتاط زندگی گذارنی چاہئے تا کہ ان کی وجہ سے ماحول میں کسی قسم کے فتنے پیدا نہ

ہوں جیسا کہ احادیث مبارکہ میں ہے۔ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورت کی وجہ سے ہی ہوا تھا لہٰذا عورتیں آخرت کا خیال کریں اپنے اللہ کے سامنے جوابدہی کا خوف پیدا کریں اپنے گھروں میں چچیرے، مولیرے وغیرہ رشتہ کے بھائیوں سے مکمل پردہ کریں، اس طرح نکاح کے بعد اپنے دیور اور جیٹھ سے بالضرور پردہ کریں اس لئے کہ اللہ کے نبی نے اس کی بڑی سخت تاکید کی ہے بلکہ شوہر کے بڑے چھوٹے بھائیوں کو رسول اللہ ﷺ نے موت کے برابر قرار دیا ہے کہ آدمی جیسے موت سے گھبراتا ہے دیور جیٹھ سے بے پردہ ہونے سے بھی گھبرائے اسی طرح بہنوئی کا سالی سے سخت پردہ ہونا چاہئے ورنہ فتنوں کے دروازے کھل سکتے ہیں جس کے بعد خاندانی نظام برباد ہوجاتا ہے گھر میں رہتے وقت بھی اپنے اپنوں کے سامنے چہرہ کھلا رکھ سکتے ہیں لیکن سر کے اوپر پلو اس طرح اوڑھے رکھے کہ پیشانی کے بال تک نظر نہ آئیں اس میں ادب بھی ہے اور شرعی ستر کا لحاظ بھی! عورتوں کا مردوں سے مذاق کسی بھی صورت میں درست نہیں، رسول اللہ ﷺ نے دس سال کی عمر میں بھائی بہن کا بستر الگ کرنے کا حکم دیا ہے اور خاص بھائی بہنوں کو دور سے گفتگو کرنے اور پوری حیاء وتہذیب سے بات کرنے کا حکم دیا ہے تہذیب سے گری ہوئی کوئی گفتگو یا حرکت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بے حد ناپسند ہے جیسا کہ سورہ نور میں صراحت ہے جو لوگ مومنوں میں بری باتوں یا حرکتوں کو پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لئے دنیا وآخرت میں سخت عذاب ہے آج کے سخت ترین فتنوں کے دور میں ٹی وی، انٹرنیٹ، یا موبائل فون، تمام بے حیائیوں کو پھیلا رہے ہیں اس میں اپنی اولاد کو ان برائیوں سے بچانا بے حد ضروری ہے تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں مسلمان رہیں اور باحیاء ہوں، ورنہ کوئی ضمانت نہیں کہ آئندہ آنے والی نسلیں مسلمان رہیں گی اور باحیاء ہوں گی صرف دنیا کی چار دن کی زندگی کی فکر نہیں کرنی چاہئے بلکہ اپنی

آنے والی نسلیں مسلمان ہوں یا باحیاء ہوں دین و شریعت میں چلنے والی ہوں، اپنی قبر کا چراغ بن سکیں، سب سے زیادہ اس کی فکر لازم ہے اولاد کی خیر اس میں ہے کہ ان کے دین کی درستگی کی فکر دنیا کی درستگی کی فکر سے زیادہ ہو۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ آدمی کا دوست وہ ہے جو آخرت کی درستگی کی کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا کچھ نقصان ہو اور اس کا دشمن وہ ہے جو اس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا فائدہ ہو۔ (مجالس الابرار)

عورتیں باہر کیسے نکلیں

اسلام نے عورتوں کو ضرورت پر باہر نکلنے کی اجازت دی ہے لیکن چند شرائط پر چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ (۱) نگاہیں نیچی رکھیں سورہ نور میں اس کا تذکرہ ہے۔ (۲) نقاب کے ساتھ نکلیں (سورہ احزاب) (۳) بن سنور کر نہ نکلیں (سورہ احزاب) (۴) سادہ برقعہ ہو، کام والا یا خوبصورت نہ ہو، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کیلئے میلے کچیلے کپڑوں میں یا معمولی برقعہ میں باہر نکلیں ضرورت پر اگر نکلنا پڑے۔ (ابوداؤد) (۵) کوئی خوشبو یا پاؤڈر وغیرہ نہ لگا کر نکلیں (۶) سفر میں محرم یا شوہر کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ (صحیح مسلم شریف)

اسی طرح اگر عورتیں احتیاط برتیں تو اللہ ان سے راضی ہوگا اور اللہ کی رحمت و برکت اور عافیت انہیں حاصل ہوگی جس کے بغیر زندگی میں سکون کا ملنا مشکل ہے۔

☆☆☆

کھانے پینے کے آداب

فرمایا رحمت کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے کہ:

☆ کھانے کی برکت ہے، کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو کرنا۔ یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا۔ (ترمذی)

◆ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔

◆ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔

◆ اور اپنے پاس سے کھاؤ (یعنی برتن کے چاروں طرف ہاتھ نہ مارو، اپنی طرف سے کھاؤ۔ (بخاری)

◆ بائیں ہاتھ سے ہرگز نہ کھاؤ نہ پیو، کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے۔ (مسلم)

◆ جو شخص جس برتن میں کھانا کھائے پھر اسے صاف کرے تو اس کے لئے برتن استغفار کرتا ہے۔

◆ جب تمہارے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو جو (تنکا وغیرہ) لگ جائے اس کو ہٹا کر لقمہ کھا لو اور شیطان کے لئے مت چھوڑو۔

◆ جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھ دھونے سے پہلے اپنی انگلیاں چاٹ لو، تمہیں معلوم نہیں کہ کھانے کے کونسے حصہ میں برکت ہے۔ (مسلم)

- برتن کے درمیان سے نہ کھاؤ بلکہ کناروں سے کھاؤ، کیونکہ درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔ (ترمذی)
- آپس میں ایک ساتھ مل کر کھایا کرو اور اللہ کا نام لے کر کھاؤ کیونکہ اس میں تمہارے لئے برکت ہوگی۔ (ابوداؤد)
- جب کھانا کھانے لگو تو جوتے اتار دو، اس سے تمہارے قدموں کو آرام ملے گا۔ (داری)
- اونٹ کی طرح ایک سانس میں مت پیو بلکہ دو یا تین سانس میں پیو۔
- اور جب پینے لگو تو بسم اللہ کہو اور جب پی کر منہ سے برتن ہٹاؤ تو الحمد للہ کہو۔ (ترمذی)
- جو شخص (پانی وغیرہ کوئی چیز) پلانے والا ہو وہ سب سے آخر میں خود پینے والا بنے۔ (مسلم)
- حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ کھانا لایا گیا، آپ ﷺ نے حضرات اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے کھانے کو فرمایا، انہوں نے کہا اس وقت خواہش نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو۔ (ابن ماجہ) یعنی بھوک ہونے کے باوجود یہ نہ کہو کہ خواہش نہیں ہے۔
- جب شوربہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال دو اور (اس میں سے) پڑوسیوں کا خیال کرلو۔ (مسلم) یعنی ان کو بھی ہدیۃً سالن بھیج دو، تمہارے پانی بڑھا دینے سے پڑوسیوں کو سالن مل سکتا ہے۔
- حضور اکرم ﷺ نے میز پر اور چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں کھانا نہیں کھایا، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم دستر خوان پر کھاتے تھے۔ (بخاری شریف)
- حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو اور دو آدمیوں کا چار آدمیوں کو اور چار آدمیوں کا آٹھ آدمیوں کو کافی ہو جاتا ہے۔ (مسلم) یعنی اس طرح کام چل سکتا ہے اور گزارہ ہو سکتا ہے، کسی مہمان یا حاجت مند کے آنے سے تنگ دل نہ ہوں، خوشی کے ساتھ شریک کرلیا کرو۔

- اگر کچھ لوگ مل کر کھجوریں کھا رہے ہوں تو ان کے بارے میں فخر عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص ایک لقمہ میں دو کھجوریں نہ لے، جب تک کہ اپنے ساتھیوں سے اجازت نہ لے لے۔ (بخاری و مسلم) کھجوروں کی طرح اور کوئی چیز مل کر کھا رہے ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔
- حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پیاز یا لہسن کھائے تو (بدبو جانے تک) مسجد سے علیحدہ رہے یا فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔ (بخاری و مسلم)
- کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھیں، اگر شروع میں بھول جائیں تو یاد آنے پر بسم اللہ اولہ وآخرہ پڑھ لیں۔ (ترمذی)
- حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی شخص نے اس حال میں رات گزاری کہ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز (چکنائی وغیرہ) لگی ہو جس کو دھویا نہ اور پھر اس کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچے۔ (مثلاً زہریلا جانور کاٹ لے) تو یہ شخص اپنے نفس کے علاوہ ہرگز کسی کو ملامت نہ کرے۔ (ترمذی) کیونکہ اس شخص کو اپنی ہی سستی اور غفلت کی وجہ سے تکلیف پہنچی۔
- ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ پرانی کھجوریں کھا رہے تھے اور اس میں کیڑے ڈھونڈ کر نکالتے جاتے تھے۔ (ابوداؤد) معلوم ہوا کہ کیڑوں کے ساتھ کھجور یا کوئی پھل یا دانے وغیرہ کھانا جائز نہیں۔
- حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مکھی تم میں سے کسی کے برتن میں گر جائے (تو جو کچھ برتن میں ہے مثلاً شوربہ، دودھ، چائے وغیرہ) اس میں مکھی کو پوری طرح ڈبودے، پھر اس کو پھینک دے کیونکہ اس کے ایک بازو میں شفاء ہے اور دوسرے بازوں میں مرض ہے۔ (بخاری) ایک روایت میں ہے کہ اس کے ایک بازو میں زہر ہے اور دوسرے میں شفاء ہے اور وہ زہر والے

بازو کو پہلے ڈالتی ہے اور شفاء والے کو ہٹا کر رکھتی ہے۔ (شرح السنہ)
دوسری روایت میں ہے کہ وہ اپنے مرض والے بازوں کے ذریعہ بچاؤ کرتی ہے۔ (یعنی شفاء والے بازو کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے) لہٰذا اس کو پوری طرح ڈبودو۔ (تا کہ مرض کا علاج بھی ہوجائے)۔ (ابوداؤد)

فائدہ: حضور اقدس ﷺ نے یہ مرض کا علاج بتایا ہے اور اس کے کھانے کو کھا لینے کا حکم نہیں دیا ہے اگر طبیعت نہ چاہے تو نہ کھائیں۔

- آنحضرت ﷺ نے زیادہ کھانے کو ناپسند فرمایا اور فرمایا کہ زیادہ کھانا شوم ہے، یعنی اس شخص کے پیچھے ایسے علت لگی ہوئی ہے جس سے اسے ہر جگہ تکلیف ہوگی اور لوگ بری نظر سے دیکھیں گے۔ (بیہقی)
- حضور اقدس ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے تھے اور پونچھنے سے پہلے ہاتھ چاٹ لیا کرتے تھے۔ (مسلم)
- جب کوئی کھانا بہت گرم ہو تو اسے ڈھانک کر رکھ دیں، یہاں تک کہ اس کی بھاپ کی تیزی ختم ہوجائے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کرنا برکت کے لئے بہت بڑی چیز ہے۔ (داری)
- حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا کہ اُکڑوں بیٹھے ہوئے کھجوریں تناول فرما رہے ہیں۔ (بخاری) دونوں پنڈلیاں کھڑی کر کے قدموں پر بیٹھنے کو اُکڑوں بیٹھنا کہتے ہیں۔
- ایک مجلس میں کھانے والے زیادہ ہوگئے تو آنحضرت ﷺ دوزانو ہو کر بیٹھ گئے (کیونکہ اس میں تواضع بھی ہے اور اہل مجلس کی رعایت بھی، اس سے ان کے لئے جگہ نکل آتی ہے)۔ (ابوداؤد)
- دستر خوان اٹھانے سے پہلے نہ اٹھو۔

- اگر کسی دوسرے شخص کے ساتھ کھانا کھا رہے ہو تو جب تک وہ کھانا کھاتا رہے اپنا ہاتھ نہ روکو اگرچہ پیٹ بھر چکا ہو تاکہ اسے شرمندگی نہ ہو، اگر کھانا چھوڑنا ہی ہو تو عذر کر دو۔ (ابن ماجہ بیہقی)
- مشکیزے میں منہ لگا کر مت پیو۔ (بخاری) لوٹے، گھڑے یا صراحی یا بوتل وغیرہ کو منہ لگا کر پینا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے۔
- برتن میں نہ سانس لو نہ پھونک مارو۔ (ترمذی)
- کھڑے ہو کر مت پیو۔ (مسلم)
- برتن میں پھٹی، ٹوٹی جگہ منہ لگا کر نہ پیو۔ (ابوداؤد)
- ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے۔ (بخاری) کیونکہ یہ تکبر کی بات ہے۔
- آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی کھانے کو عیب نہیں لگایا۔ دل کو بھایا تو کھالیا، پسند نہ آیا تو چھوڑ دیا۔ (بخاری)
- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا کہ ہم سونے چاندی کے برتن میں کھائیں پیئیں۔ (بخاری ومسلم)

پہننے اور اوڑھنے کے آداب

- آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے تہبند کو تکبر کے طور پر اتراتے ہوئے گھسیٹا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھیں گے۔ (بخاری ومسلم)
- آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ٹخنے سے نیچے جو تہبند (پاجامہ وغیرہ) کا حصہ ہوگا وہ دوزخ میں ہوگا۔ (بخاری) یعنی ٹخنے سے نیچے کپڑا پہننا دوزخ میں لے

جانے کا سبب ہے، یہ مردوں کے لئے ہے۔ عورتے ٹخنے ڈھکے رہیں البتہ اتنا نیچا کپڑا عورتیں بھی نہ پہنیں جو زمین پر گھسیٹتا ہو۔

◆ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین پہنچے تک تھیں۔ (ترمذی)

◆ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنو، کیونکہ یہ صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوتے ہیں۔ (یہ مُردوں کو ترغیب دی گئی ہے) اور سفید کپڑوں میں اپنے مُردوں کو کفن دو۔ (ترمذی)

◆ حضرت رُکانہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان ٹوپیوں پر پگڑی ہونے کا فرق ہے۔ (ترمذی) یعنی پگڑی باندھنے کی صورت میں اس کے نیچے ٹوپی بھی ہونی چاہئے۔ (مرد اس کا اہتمام کریں۔)

◆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب پگڑی باندھتے تھے تو عمامہ کا شملہ مونڈھوں کے درمیان ڈال دیتے تھے۔ (ترمذی)

◆ ایک مرتبہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پگڑی پہنائی، تو اس کا کنارہ سامنے کی طرف اور دوسرا کنارہ پیچھے کی طرف ڈال دیا۔ (ابوداؤد) یعنی پگڑی کے دونوں طرف ایک ایک شملہ کر دیا اور ایک کو آگے اور ایک پیچھے ڈال دیا۔ (پگڑی کے مسائل مردوں سے متعلق ہیں۔)

◆ اور فرمایا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کھاؤ پیو اور صدقہ کرو اور پہنو (لیکن) اس حد تک کہ فضول خرچی اور غرور (یعنی شیخی پن) کی ملاوٹ نہ ہو۔ (مسند احمد)

◆ یہ بھی فرمایا میری امت کی عورتوں کے لئے سونا اور ریشم (پہننا) حلال ہے اور مردوں پر حرام کر دیا گیا۔ (ترمذی)

- اور فرمایا کہ جس نے (دنیا میں) نام ونمود کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔ (مسند احمد)
- نیز ارشاد فرمایا کہ جب تم (کپڑے) پہنو اور جب تم وضو کرو تو دائنی طرف سے شروع کیا کرو۔ (ابوداؤد)
- مرد عورت کا اور عورت مرد کا لباس نہ پہنے۔ کیونکہ اس سے خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)
- جوتا پہنتے وقت پہلے داہنے پاؤں میں جوتا ڈالو۔ اور جب جوتے اتارو تو پہلے بایاں پاؤں نکالو۔ (بخاری)
- ایک جوتا پہن کر نہ چلو، دونوں جوتے اتار دو یا دونوں پہن لو۔ (بخاری)

مہمان کے متعلق آداب

فرمایا معلم الاخلاق صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

- جو شخص اللہ اور آخرت پر یمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ مہمان کی عزت کرے۔
- مہمان کیلئے اچھے یعنی پرتکلف کھانے کا اہتمام ایک دن ایک رات ہونا چاہئے۔
- اور مہمانی تین دن تک ہے، اس کے بعد صدقہ ہوگا۔
- اور مہمان کے لئے یہ حلال نہیں کہ میزبان کے پاس اتنا ٹھہرے کہ وہ تنگ ہو جائے۔ (یہ سب بخاری شریف سے لیا گیا ہے)
- جس کی دعت کی گئی اور اس نے قبول نہ کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔
- اور جو شخص بغیر دعوت کے (کھانے کے لئے) داخل ہو گیا وہ چور بن کر اندر گیا، اور لٹیرا بن کر نکلا۔ (ابوداؤد)

- حضور اقدس ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ مرد (رخصت کرتے وقت) مہمان کے ساتھ گھر کے دروازہ تک نکلے۔ (ابن ماجہ)

سلام کے آداب

فرمایا سید الانبیاء ﷺ نے کہ:

- اللہ جل شانہ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو دوسرے کا انتظار کئے بغیر خود سلام میں پہل کرے۔ (بخاری)
- اسلام کا بہترین کام یہ ہے کہ کھانا کھلاؤ اور ہر مسلمان کو سلام کرو جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ (بخاری) عورتیں عورتوں میں اس کا لحاظ رکھیں کہ سلام میں جان پہچان کو معیار نہ بنائیں بلکہ مسلمان ہونے کو دیکھیں اور مرد، مردوں میں اس کا خیال کریں۔
- بات کرنے سے پہلے سلام کیا جائے۔ (ترمذی)
- سوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو، اور تھوڑی تعداد والی جماعت بڑی جماعت کو، اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ (بخاری)
- یہود و نصاریٰ کو سلام نہ کرو۔ (مسلم) "ہندو، سکھ، یہود و نصاریٰ اور مرزائی سب کافر اسی حکم میں ہیں"۔
- جب ملاقات کے وقت اپنے بھائی کو سلام کر لیا اور (ذرا دیر کو) درمیان میں درخت یا پتھر یا دیوار کی آڑ آ گئی، پھر اسی وقت دوبارہ ملاقات ہو گئی، تو دوبارہ سلام کرے۔ (ابوداؤد) یعنی یہ نہ سوچے کہ ابھی آدھا منٹ ہی تو سلام کو ہوا ہے، اتنی جلدی دوسرا سلام کیوں کروں۔
- جب کسی کے گھر میں داخل ہو تو وہاں کے لوگوں کو سلام کرو۔
- اور جب وہاں سے جانے لگو تو ان کو سلام کے ساتھ رخصت کرو۔ (بیہقی)

- جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو، اس سے تمہارے اور گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔ (ترمذی)
- جب کوئی شخص کسی کا سلام لائے تو یوں جواب دو: وَعَلَیْکَ وَعَلَیْهِ السَّلَامُ. (ابوداؤد)
- مریض کی عیادت کی تکمیل یہ ہے کہ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا جائے۔
- اور تمہارے آپس میں سلام کی تکمیل یہ ہے کہ مصافحہ کرلیا جائے۔ (احمد)
- جب دو مسلمان ملاقات کے وقت آپس میں مصافحہ کریں تو جدا ہونے سے پہلے ضرور ان کی بخشش کردی جاتی ہے۔ (ترمذی)

مجلس کے آداب

فرمایا معلم انسانیت سرور کائنات ﷺ نے کہ:

- مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں (یعنی مجلس میں جو باتیں سنیں ان کا دوسری جگہ نقل کرنا امانتداری کے خلاف ہے اور گناہ ہے۔ (ابوداؤد)
- کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھ جاؤ۔
- اور بیٹھنے والوں کو چاہئے کہ آنے والوں کو جگہ دینے کیلئے مجلس کشادہ کرلیں۔ (بخاری)
- جب مجلس میں تین آدمی ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں آہستہ سے باتیں نہ کریں۔ کیونکہ اس سے تیسرے کو رنج ہوگا۔ (بخاری) (کسی ایسی زبان میں باتیں کرنا جس کو تیسرا آدمی نہیں جانتا وہ بھی اسی حکم میں ہے)۔
- کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت کے بیٹھ جائے۔ (ترمذی) مجلس میں سب لوگ متفرق نہ بیٹھیں بلکہ مل مل کر بیٹھیں۔ (ابوداؤد) جب کوئی مسلمان بھائی تمہارے پاس آئے تو جگہ ہونے کے باوجود اس کے اکرام کے لئے ذرا سا کھسک جاؤ۔ (بیہقی)

- ہر چیز کا سردار ہوتا ہے اور مجلسوں کی سردار وہ مجلس ہے جس میں قبلہ رو ہو کر بیٹھا جائے۔ (طبرانی)
- عورتیں بھی اس کا خیال کریں جب کوئی عورت مجلس میں آئے تو اس کے لئے ذرا سی کھسک جائیں۔

چھینک اور جمائی کے آداب

فرمایا رحمۃ للعالمین ﷺ نے کہ:

- جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو چاہئے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے۔
- اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سننے والا ساتھی جواب میں یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہے۔ (بخاری)
- اور چھینکنے والا یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ کہے۔ (بخاری)
- ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ کو جب چھینک آتی تھی تو ہاتھ یا کپڑے سے چہرۂ مبارک ڈھانک لیتے تھے اور چھینک کی آواز بلند نہ ہونے دیتے تھے۔ (ترمذی)
- اور فرمایا حضور اکرم ﷺ نے کہ جب تم کو جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھ کر روک دو، کیونکہ جمائی کے سبب منہ کھل جانے سے شیطان داخل ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

لیٹنے اور سونے کے آداب

فرمایا سرورِ دو عالم ﷺ نے کہ:

- اس طرح چت نہ لیٹو کہ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا ہوا ہو۔ (مسلم)
- اوندھا ہو کر لیٹنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ (ترمذی)
- کسی ایسی چھت پر نہ سوؤ جس پر (دیوار یا جنگلہ وغیرہ) کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ (ترمذی)

- جب بستر پر جانے لگو تو اس کو جھاڑ لو۔
- اور باوضو داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ۔
- اور داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لو۔ (بخاری)
- بلاشبہ آگ تمہاری دشمن ہے، لہٰذا جب سونے لگو تو اس کو بجھا دیا کرو۔ (بخاری)
- جب تم سونے لگو تو چراغ بجھا دو۔ (ابوداؤد)
- فرمایا رسول اکرم ﷺ نے جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو ہرگز اپنا ہاتھ (پانی وغیرہ کے) برتن میں داخل نہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ رات بھر اس کا ہاتھ کہاں رہا۔ (بخاری)
- اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو کر وضو کرنے لگے تو تین بار اپنی ناک جھاڑ دے کیونکہ شیطان اس (کی ناک) کے بانسہ میں رات گزارتا ہے۔ (بخاری)

خواب کے آداب

فرمایا سید الکائنات فخرِ موجودات خاتم الانبیاء ﷺ نے کہ:

- جب اپنا پسندیدہ خواب دیکھو تو اسی سے بیان کرو جو تم سے محبت رکھتا ہے۔ (بخاری)
- اور جب برا خواب دیکھو تو تین بار بائیں طرف تھتکار دو۔
- اور کسی سے بیان نہ کرو۔
- اور کروٹ بدل دو۔
- اور تین بار اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم پڑھو، اور اس خواب کے شر سے پناہ مانگو۔ ایسا کرنے سے یہ خواب ضرر نہ دے گا۔ (مسلم)

سفر کے آداب

- سفر کو روانہ ہوتے وقت چار رکعت (نفل نماز) پڑھ لینا چاہئے۔ (مجمع الزوائد)
- ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ جمعرات کے دن سفر میں جانے کو پسند فرماتے تھے۔ (بخاری)
- اور تنہا سفر کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔
- بلکہ اگر دو آدمی ساتھ ہوں تب بھی سفر کرنے سے منع فرمایا۔
- اور اس کی ترغیب دی کہ کم از کم تین آدمی ساتھ ہوں۔ (ترمذی، ابوداؤد)
- اور چار ساتھی ہوں تو بہت ہی اچھا ہے۔ (ابوداؤد)
- اور فرمایا کہ سفر میں تین آدمی ساتھ ہوں تو ایک کو امیر بنالیں۔ (ابوداؤد)
- اور فرمایا کہ سفر میں جس کے پاس اپنی ضرورت سے فاضل کھانے پینے کی چیزیں ہوں تو ان لوگوں کا خیال کرے جن کے پاس اپنا توشہ نہ ہو۔ (مسلم)
- آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کے وقت مدینہ میں داخل ہوتے اور پہلے مسجد میں جا کر دو رکعتیں پڑھتے پھر (کچھ دیر) لوگوں کی ملاقات کے لئے وہیں تشریف فرما رہتے۔ (بخاری) اور اس پر مرد عمل کریں۔
- اور فرمایا کہ سفر میں اپنے ساتھیوں کا سردار وہ ہے جو ان کا خدمت گزار ہو، جو شخص خدمت میں آگے بڑھ گیا کسی عمل کے ذریعہ اسکے ساتھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے ہاں اگر کوئی شہید ہو جائے تو وہ آگے بڑھ جائے گا۔ (بیہقی)
- سفر میں جن لوگوں کے پاس کتا یا گھنٹی ہو ان کے ساتھ (رحمت کے) فرشتے نہیں ہوتے۔ (مسلم)

- جب سرسبزی کے زمانے میں جانوروں پر سفر کرو تو اونٹوں (اور دوسرے جانوروں کو) کو ان کا حق دے دو، جو زمین میں ہے۔ (یعنی ان کو چراتے ہوئے لے جاؤ)۔
- اور جب خشک سالی میں سفر کرو (جب کہ جنگل میں گھاس پھونس نہ ہو) تو رفتار میں تیزی اختیار کرو (تا کہ جانور جلدی منزل پر پہنچ کر آرام پا لے۔ (مسلم)
- ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے پہلے سفر ختم کر دو کہ جانور بالکل بے جان ہو جائے۔ (مسلم)
- جانوروں کی پشتوں کو منبر نہ بناؤ، (یعنی ان پر سوار ہو کر کھڑے کیئے ہوئے باتیں نہ کرو، کیوں کہ اس سے جانور کو خواہ مخواہ تکلیف ہوتی ہے، باتیں کرنی ہوں تو زمن پر اتر جاؤ، جب چلنے لگو تو پھر سوار ہو جاؤ)۔ (ابوداؤد)
- جب منزل پر اتریں تو جانوروں کے کجاوے اور زینیں کھول دیں، بعد میں نفل نماز میں (یا کسی اور کام میں مشغول ہوں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی عمل تھا۔ (ابوداؤد)
- جانوروں کے گلے میں تانت نہ ڈالو۔ (کیونکہ اس سے گلا کٹ جانے کا خطرہ ہے)۔ (بخاری و مسلم)
- اور جب رات کو جنگل میں پڑاؤ ڈالو تو راستہ میں قیام کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ رات کو طرح طرح کے جانور اور کیڑے مکوڑے نکلتے ہیں اور راستہ میں پھیل جاتے ہیں۔ (مسلم)
- جب کسی منزل پر اترو تو سب اکٹھے قیام کرو اور ایک ہی جگہ رہو اور دور دور قیام نہ کرو۔ (ابوداؤد)
- سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے، تمہیں نیند سے اور کھانے پینے سے روکتا ہے، لہٰذا جب وہ کام پورا ہو جائے جس کیلئے گئے تھے تو جلد گھر واپس آ جاؤ۔ (بخاری و مسلم)

طہارت کے آداب

فرمایا خاتم النبیین ﷺ نے کہ:

- جب پاخانہ جاؤ تو پیشاب کے مقام کو داہنے ہاتھ سے نہ چھوؤ اور داہنے ہاتھ سے استنجا نہ کرو۔ (مسلم)
- بڑا استنجا تین پتھروں (یا تین ڈھیلوں) سے کرو۔ (مسلم) اس کے بعد پانی سے دھوؤ۔ (ابن ماجہ)
- جب پاخانہ جاؤ تو قبلہ رخ ہو کر اور قبلہ کو پشت کر کے نہ بیٹھو۔ (بخاری)
- جب پیشاب کرنے کا ارادہ کرو تو اس کے لئے (مناسب) جگہ تلاش کرو۔ (ابوداؤد) مثلاً پردہ کا دھیان کرو اور ہوا کے رخ پر نہ بیٹھو۔
- ٹھہرے ہوئے پانی میں جو جاری نہیں پیشاب نہ کرو۔ (بخار) جیسے تالاب، حوض وغیرہ۔
- غسل خانہ میں پیشاب نہ کرو کیونکہ اس سے اکثر وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ (ترمذی)
- کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرو۔ (ابوداؤد)
- کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔ (ترمذی)
- پاخانہ کرتے ہوئے آپس میں باتیں نہ کرو۔ (مسند احمد)
- پانی کے گھاٹوں پر، راستوں میں، سایہ کی جگہوں میں (جہاں لوگ اٹھتے بیٹھتے ہوں) پاخانہ نہ کرو۔ (ابوداؤد)
- بسم اللہ کہہ کر پاخانہ میں داخل ہو، کیونکہ بسم اللہ جنات کی آنکھوں اور انسانوں کی شرم کی جگہوں کے درمیان آڑ ہے۔ (ترمذی)
- لید اور ہڈیوں سے استنجا نہ کرو۔ (ترمذی)

بعض وہ آداب جو عورتوں اور لڑکیوں کیلئے مخصوص ہیں

- مردوں سے علیحدہ ہو کر چلیں۔
- راستوں کے درمیان سے نہ گزریں، بلکہ کناروں پر چلیں۔ (ابوداؤد)
- چاندی کے زیور سے کام چلانا بہتر ہے۔ (ابوداؤد)
- جو عورت شان (بڑائی) ظاہر کرنے کے لئے سونے کا زیور پہنے گی تو اس کو (اس کی وجہ سے) عذاب ہوگا۔ (ابوداؤد)
- عورت کو اپنے ہاتھوں میں مہندی لگاتے رہنا چاہئے۔ (ابوداؤد)
- اور یہ بھی فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ عورت کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ ظاہر ہو اور خوشبو نہ آئے (یعنی بہت ہی معمولی خوشبو ہو)۔ (ابوداؤد)
- باریک کپڑا نہ پہنیں۔ (ابوداؤد)
- اگر دوپٹہ باریک ہو تو اس کے نیچے موٹا کپڑا لگالیں۔ (ابوداؤد)
- بجنے والا زیور نہ پہنیں۔ (ابوداؤد)
- جو عورتیں مردوں کی شکل وصورت اختیار کریں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ (بخاری)
- اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ہرگز کوئی (نامحرم) مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے اور ہرگز کوئی عورت سفر نہ کرے مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ محرم ہو۔ (بخاری)

متفرق آداب

- اکڑ اکڑا تے ہوئے نہ چلو۔ (قرآن شریف)
- کوئی مرد دو عورتوں کے درمیان نہ چلے۔ (ابوداؤد)

- اللہ تعالیٰ کو صفائی ستھرائی پسند ہے۔ لہٰذا گھروں سے باہر جو جگہیں خالی پڑی ہیں ان کو صاف رکھا کرو۔ (ترمذی) عورتیں گھر کے اندر صفائی خود کریں اور باہر بچوں سے صفائی کروایا کریں۔
- اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا (جاندار کی) تصویریں ہوں۔ (بخاری)
- جب کسی کا دروازہ کھٹکھٹاؤ اور اندر سے پوچھے کون ہے تو یہ نہ کہو کہ میں ہوں۔ (بلکہ اپنا نام بتا دو)۔ (بخاری)
- چھپ کر کسی کی بات نہ سنو۔ (بخاری)
- جب کسی کو خط لکھو تو شروع میں اپنا نام لکھ دو۔ (ابوداؤد)
- جب کسی کے گھر جاؤ تو پہلے اجازت لے لو، پھر اندر جاؤ۔ (بخاری)
- اور اجازت سے پہلے اندر نظر بھی نہ ڈالو۔ (ابوداؤد)
- تین بار اجازت مانگو، اگر اجازت نہ ملے تو واپس ہو جاؤ۔ (بخاری)
- اور اجازت لیتے وقت دروازہ کے سامنے کھڑے نہ ہو بلکہ دائیں یا بائیں کھڑے رہو۔ (ابوداؤد)
- اپنی والدہ کے پاس جانا ہو تب بھی اجازت لے کر جاؤ۔ (مالک)
- کسی کی چیز مذاق میں لے کر نہ چل دو۔ (ترمذی)
- ننگی تلوار (جو نیام سے باہر ہو) دوسرے شخص کے ہاتھ میں نہ دو۔ (ترمذی) (اسی طرح چاقو، چھری وغیرہ کھلی ہو کسی کو نہ پکڑاؤ، اگر ایسا کرنا پڑے تو اس کے ہاتھ میں دستہ ہو، پھل کو اپنے ہاتھ میں رکھو اور خود بھی احتیاط سے پکڑو)۔
- زمانہ کو برا مت کہو، کیونکہ اس کا الٹ پھیر اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔ (مسلم)
- ہوا کو برا مت کہو۔ (ترمذی)

◆ بخار کو بھی برا کہنا منع ہے۔ (مسلم)
◆ جب چھوٹے بچے کی زبان چلنے لگے تو اسے پہلے لا الہ الا اللہ کہلاؤ۔ (حصن حصین)
◆ اور سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز سکھاؤ اور نماز پڑھنے کا حکم دو۔
◆ اور جب اولاد دس سال کی ہو جائے تو ان کو نماز نہ پڑھنے پر مارو اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔ (ترمذی)
◆ جب شام کا وقت ہو جائے تو اپنے بچوں کو (باہر نکلنے سے) روک لو، کیونکہ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں۔ پھر جب رات کا ابتدائی کچھ وقت گزر جائے تو بچوں کو باہر جانے کی اجازت دے دو۔
◆ اور بسم اللہ پڑھ کر دروازے بند کر دو۔ کیونکہ شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا، اور بسم اللہ پڑھ کر مشکیزوں کے منہ تسموں سے باندھ دو۔
◆ اور اللہ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ پڑھ کر اپنے برتنوں کو ڈھانک دو، اگر ڈھانکنے کو کچھ بھی نہ ملے تو کم از کم برتن کے اوپر چوڑائی میں ایک لکڑی ہی رکھ دو۔ (بخاری و مسلم)
◆ ایک روایت میں برتنوں کے ڈھانکنے اور مشکیزوں کا تسمہ لگانے کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ سال بھر میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں وبا نازل ہوتی ہے۔ (یعنی عمومی مرض طاعون وغیرہ) یہ وبا جس ایسے برتن پر گزرتی ہے جس پر ڈھکن نہ ہو یا ایسے مشکیزہ پر جو تسمے سے بندھا ہوا نہ ہو تو اس وبا کا کچھ حصہ ضرور اس برتن اور مشکیزے میں نازل ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

☆☆☆

مساواتِ مرد وزن کے مغربی نعرے کی حقیقت

تاریخ گواہ ہے کہ ظہور اسلام کے اولین دور سے ہی مغرب اور اہل مغرب اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن رہے ہیں۔ شروع سے ہی ان کی یہی کوشش رہی ہے کہ وہ اسلام کی بنیاد جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ چنانچہ انہوں نے کئی چالیں چلیں۔ اور اخیر میں انہوں نے ایک بہت ہی منظّم سازش رچی اور سیدھے سادے مسلمانوں کے گھروں اور معاشروں پر حملہ کرتے ہوئے ''مساوات مرد وزن'' کی تحریک شروع کی۔ اس تحریک کے ذریعہ انہوں نے مسلمانوں میں عریانیت وفحاشیت اور اسلام سے بے رغبتی کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں انہوں نے اسلام پر یہ بے بنیاد الزام لگایا کہ اسلام عورتوں کو مکمل آزادی نہیں دیتا ہے بلکہ ان کی حق تلفی کرتا ہے۔ حالانکہ مرد وعورت میں سے ہر ایک کی جسمانی ساخت اور فطری وذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اسلام نے دونوں کو الگ الگ ذمہ داریوں سے نوازا ہے۔ عورت داخلی امور اور تدبیر منزل کی ذمہ دار ہے تو مرد پر کسب معاش اور خارجی امور کی دیکھ ریکھ کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔

مرد و عورت کے دو جنس ہونے کی وجہ سے دونوں کے مابین زبردست فطری اختلافات پائے جانے کے باوجود اسلام نے انسانیت کی بنیاد پر دونوں کو برابری کا درجہ عطا کیا ہے۔ قرآن کریم نے صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کی جنس ایک ہی ہے اور دونوں کے مجموعہ سے ہی انسان کی تکمیل ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: ''یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً''۔ (نساء:۱) قرآن نے تقویٰ کی بنیاد پر مرد و عورت کو تکریم کا مستحق قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح سے عقائد و عبادات، حقوق و واجبات، جزا و سزا اور دیگر دینی معاملات میں دونوں کو یکساں قرار دیا ہے۔ اور حدیث نبوی نے واضح طور پر یہ بیان کر دیا ہے کہ: ''انما النساء شقائق الرجال''۔ ''عورتیں مردوں کا ہی حصہ ہیں''۔ اس سے بڑھ کر کامل درجے کی مساوات کا مظہر اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب یا معاشرے میں سننے کو بھی نہیں ملتا۔

اسلام نے مرد و عورت کے لئے خارجی اور داخلی ذمہ داریوں کی جو تقسیم کی ہے وہ فطرت کے عین مطابق ہے۔ عورتوں اور مردوں کے درمیان جو نفسیاتی، جسمانی اور ذہنی فرق ہے اس کے مطابق یہ تقسیم نہایت ضروری ہے۔ علم تشریح الابدان کی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مرد کی جسمانی حالت عورت کی بہ نسبت بہت زیادہ قوی ہے۔ عورت مرد سے قد و کاٹھی، وزن و ثقل اور عضلات کے حجم و قوت میں بھی کم اور ضعیف ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر فارینی ''انسائیکلوپیڈیا'' میں لکھتا ہے: ''مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے عضلات سے اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر ان کی طبعی قوت کے تین حصے کئے جائیں تو دو حصہ قوت مرد کے حصے میں آئے گی اور صرف ایک حصہ کی قوت عورت میں ثابت ہوگی''۔ اسی طرح سے قلب جو انسانی زندگی کا اصل مرکز ہے اس میں بھی

اختلاف پایا جاتا ہے۔علمی تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت کا قلب مرد کے قلب سے ۶۰ گرام چھوٹا اور خفیف ہوتا ہے۔اس کے علاوہ عورت کا دماغ بھی مرد کے دماغ کے مقابلے میں ضعیف ہوتا ہے۔مشہور فلاسفر علامہ پروڈان اپنی کتاب ''ابتکار النظام'' میں لکھتا ہے: ''عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے وجدان کے اسی قدر کمزور ہوتا ہے جس قدر اس کی عقلی قوت مرد کی عقلی قوت کے مقابلہ میں ضعیف ہوتی ہے۔اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔وہ دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حسن وقبح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے مردوں کی رائے سے مطابقت نہیں رکھتی۔پس عورت ومرد میں عدم مساوات کوئی عارضی امر نہیں بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے''۔مرد اور عورت کی انہیں جداگانہ صلاحیتوں اور خصوصیتوں کے پیش نظر دونوں کو الگ الگ ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔اس لئے مرد کے اوپر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ اپنی بیوی بچوں کو کما کر کھلائے اور عورت کو معاشی بکھیڑوں سے الگ رکھے تاکہ وہ یکسوئی سے گھریلو کام سرانجام دے سکے اور اولاد کی صالح تربیت کر سکے۔اسی طرح سے عورت کے اوپر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ گھر کے اندر رہ کر امور خانہ داری سنبھالے اور مرد کو خانگی معاملہ اور ذمہ داریوں سے فارغ رکھے تاکہ وہ یکسوائی سے گھر سے باہر کسب معاش کے لئے جدوجہد کرتا رہے۔لیکن کتنی حیرت کی بات ہے کہ فطرت وسائنس سے سب سے زیادہ واقفیت رکھنے والے اہل مغرب ہی ان حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے مساوات مرد وزن کا نعرہ لگاتے ہیں۔دراصل ان کا مقصد یہ ہے کہ عورت عورت نہ رہے۔اور جب عورت عورت نہ رہے گی تو معاشرہ خود بخود تباہ وبرباد ہو جائے گا۔اس طرح کے خیالات ونظریات کے پیچھے ان کی اسلام دشمنی کا جذبہ کارفرما ہے۔

مساوات مردوزن کی اس تحریک کے نتیجے میں آج اکثر و بیشتر عورتیں اپنے گھروں کی چوکھٹیں پھلانگ چکی ہیں اور مردوں کی طرح کسب معاش، سیاست وحکومت، صنعت وحرفت غرض کہ زندگی کے تمام میدانوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہیں۔ اس تحریک کے نتیجے میں لوگ اپنی بہن بیٹیوں کو مخلوط ماحول میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیج رہے ہیں۔ ہر جگہ عورتوں کی تعلیم میں زبردست انقلاب رونما ہوا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ عورت میڈیکل کی تعلیم حاصل کرے اور ان عورتوں کے علاج ومعالجہ کی ذمہ داری سنبھالے جو آج مجبوراً مرد ڈاکٹروں سے علاج کرواتی ہیں۔ لیکن ضروری ہے کہ اس ادارہ میں لڑکیوں کی عزت وناموس کی حفاظت کا مکمل اہتمام ہو۔ اور شرعی حجاب کی مکمل پابندی کی جائے۔

معاشی مساوات کا نعرہ لگاتے ہوئے اہل مغرب کہتے ہیں کہ عورت آبادی کا نصف حصہ ہے۔ وہ جب تک مردوں کے دوش بدوش ترقی میں حصہ نہیں لے گی ملک ترقی نہیں کرسکتا۔ اور یہ کہ جب عورت نوکری کرنے لگتی ہے تو مرد کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔ خاندان میں خوشحالی اور فراوانی آتی ہے۔ اور مل کر کام کرنے سے ترقی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ غرض کہ ہزاروں بہانے بنا کر عورتوں کو باہر دھکیلا جارہا ہے۔ لیکن کیا یہ عورت پر ظلم اور بے حد ظلم نہیں کہ ایک طرف وہ فرائض منزلی اور بقائے نوع انسانی کی ذمہ داری ادا کرے اور دوسری طرف تلاش معاش کا بھی اس پر بار ڈالا جائے؟ کیا یہ غلامی نہیں ہے کہ مرد اپنا کام بھی عورتوں کے سپرد کرکے طبعی فرائض کی انجام دہی سے سبکدوش ہوجائے اور عورت کو فرائض منزل کیساتھ ساتھ تمدن اور سیاست کے انتظام واہتمام کی بھی ذمہ دار قرار دے؟ بلاشبہ یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ عورت گھر بھی چلائے۔ بچوں کو بھی سنبھالے اور روزی روٹی کی فکر بھی وہی کرے۔ واضح رہے کہ کاروبار، وتجارت، زراعت وباغبانی، فیکٹری اور کارخانے

کی نگرانی، امور سیاست و جہاں بانی، یہ مردوں کی ہی ذمہ داریاں ہیں عورتیں ان سب کو انجام دینے میں سدا ناکام رہی ہیں۔ خواہ دنیا میں کیسی ہی بڑی تبدیلی کیوں نہ آئی ہو۔ اور اہل مغرب کا یہ کہنا کہ عورت گھر میں بیکار رہتی ہیں، حقیقت سے ان کی چشم پوشی ہے۔ کیا انہیں نہیں معلوم کہ بچوں کی پرورش و پرداخت اور صحیح تعلیم و تربیت کس قدر مشکل مسئلہ ہے، جو صرف عورت ہی انجام دے سکتی ہے۔

سیاسی اور معاشرتی معاملات میں عورتوں کا بڑھ چڑھ کر حصہ لینا بھی مساوات مرد وزن کی طرف لوگوں کے رجحان کا نتیجہ ہے۔ اسلام اس بات کا مخالف ہے کہ عورت سیاست میں حصہ لے اور حکمرانی کی ذمہ داری سنبھالے۔ اسلام نے صاف صاف اعلان کر دیا ہے۔ ”اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ“. ”یعنی مرد عورتوں پر حکمراں ہیں۔ چنانچہ میدان سیاست میں بھی مرد ہی قوام ہیں۔

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ جب بھی کسی قسم نے قول رسول اللہ ﷺ: ”لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ“ سے روگردانی کرتے ہوئے عورت کو سردار بنایا۔ اس قوم پر زوال کے دروازے کھل گئے۔ اس لئے کہ اگر عورت سیاست میں مہارت حاصل کر بھی لے تو اس میں جہاں بانی کی وہ صلاحیت مفقود ہوتی ہے جو مردوں میں پائی جاتی ہے۔ تاریخ میں چند عورتوں کا سیاسی میدان اور حکومتی میدان میں کامیاب ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی ہے کہ عورتیں سیاست اور حکومت کی ذمہ داریاں نبھانے کی اہل ہیں جیسا کہ چند مردوں کا گھریلو امور میں طاق ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ مرد اندرون خانہ کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بہتر کردار ادا کر سکتا ہے۔

تعلیمی، معاشی وسیاسی میدانوں کی طرح دیگر میدانوں میں بھی اہل مغرب نے مساوات مرد وزن کے حسین عنوان کے ذریعہ عورتوں کو گھر سے باہر نکالنے کی بھر

پور کوشش کی ہے۔اور اپنی کوششوں میں حد درجہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی بہو بیٹیاں تمام شرعی حدود کو پار کر جائیں اور گھروں سے نکل کر بازاروں، پارکوں، چوراہوں اور کلبوں کی زینت بن جائیں جس کے نتیجہ میں اسلام اور امت مسلمہ کا زوال اور زوال سے خاتمہ ہو جائے۔مساوات مرد و زن کی یہ تحریک کی فطرت سے بغاوت ہوگی تو بڑے خطرناک نتائج رونما ہوں گے۔چنانچہ اس تحریک کے نتیجے میں جب لڑکیاں گھروں سے باہر نکلیں اور انھوں نے شرم وحیا کا ہر لبادہ اتار پھینکا تو کنواری ماؤں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا۔

اسقاط حمل کے واقعات عام ہو گئے۔سر بازار اس کی عزت وشرافت کی بولی لگنے لگی۔جنسی ورکر، طوائف ودلال اور گاکوں کی شکل میں ایک نئی دنیا وجود میں آئی جس کو سیکس انڈسٹری کا خوبصورت نام دے دیا گیا۔ہزاروں نئی بیماریاں وجود میں آئیں۔ہم جنس پرستی، جنسی تشدد، قتل اور زنا جیسی بیماریاں دن بدن عام ہوتی گئیں۔اور ان کے نتیجے میں ناجائز بچوں کا اتنا بڑا گروہ وجود میں آیا کہ ان کی نگہداشت و پرورش حکومت کے سامنے ایک عظیم مسئلہ بن کر ابھرا جس کے سدباب کے لئے کوئی بھی منصوبہ کارگر نہیں ہو رہا ہے۔ناجائز بچوں کی بے تحاشا بڑھتی ہوئی اس تعداد سے جہاں دوسری حکومتیں پریشان ہیں وہیں خود اہل مغرب زیادہ پریشان ہیں۔مغرب میں ناجائز بچوں کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ اب اہل مغرب خود عورتوں کو گھروں میں رہنے کا مشورہ دیتے ہیں۔فلسفی اعظم ''آکسٹ کونٹ'' کہتا ہے کہ: مردوں کے مشاغل میں عورتوں کی شرکت سے جو خوفناک نتائج اور فساد رونما ہو رہے ہیں ان کا علاج یہی ہے کہ دنیا میں جنس عامل (مرد) پر محبّ (عورت) کے جو مادی فرائض ہیں ان کی حد بندی اور تعیین کر دی جائے۔علامہ پروڈن نے تو تنگ آکر یہاں تک کہہ دیا: ''میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ عورت کو آزادی دی

جائے۔ میری یہ بھی خواہش ہے کہ اگر ضروری حالت کا اقتضاء ہو تو زمانہ سابقہ کی طرح میں عورت کو قید کرنے کا حکم دے دوں‘‘۔ (ابکار الظام)

مغرب کے مقابلے میں ہمارا ملک اور ہمارا معاشرہ قدرے محفوظ ہے لیکن ہماری بہو بیٹیاں جتنی تیزی سے اس مغربی چلن کو اپنا رہی ہیں، کچھ بعید نہیں کہ چند سالوں کے بعد ہم بھی مغرب کی طرح ذلت ورسوائی کی پستی میں جا گریں اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مغرب سے سبق حاصل کریں اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اسلامی احکامات کی پابندی کر کے ہی ہم اپنی زندگی کو وباؤں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ (ماہنامہ طوبیٰ ۲۰۱۱ء سے ماخوذ)

☆☆☆

عدت اور سوگ کے احکام

شوہر کے انتقال یا اس سے علاحدگی کے بعد شریعت نے ایک مخصوص مدت متعین کی ہے جس میں عورت کسی دوسری مرد سے نکاح نہیں کرسکتی، اس مدت کو شریعت کی اصطلاح میں ''عدت'' کہا جات ہے، عدت میں ظاہری طور پر دو کھلی ہوئی مصلحتیں سمجھ میں آتی ہیں، ایک تو اس کے ذریعہ عورت شوہر کی جدائی اور فراق پر غم کا اظہار کرتی ہے اور اللہ نے زوجیت کی جو نعمت عطا فرما رکھی تھی اس کے زائل ہونے پر سوگ ظاہر کرتی ہے۔ جب کہ دوسری حکمت یہ ہوتی ہے کہ بالکل اطمینان ہوجائے کہ شوہر کا بچہ تو اس کے جسم میں نہیں پل رہا ہے، فوراً شادی کی اجازت ہوتی اور جلد ہی بچہ کی ولادت ہوتی تو شک ہوجاتا کہ یہ بچہ پہلے شوہر کا ہے یا دوسرے شوہر کا، شریعت اس طرح کے شبہات کو جڑ سے مٹا دینا چاہتی ہے اس حکمت کے پیش نظر بھی عدت مشروع ہوئی۔

پھر عدت دو طرح کی ہوتی ہے: طلاق کی عدت اور موت کی عدت۔

طلاق کی عدت: اس کی کئی شکلیں ہوتی ہیں:

۱- اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ". (الطلاق:۴) (حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے)۔

۲- اگر عورت حاملہ نہ ہو، مگر اس کی ماہواری یعنی ایام کا سلسلہ جاری ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ اگر پاکی کی حالت میں طلاق دی ہے تو اس کے بعد تین حیض گزر جائیں، اور اگر حالت حیض میں طلاق دی ہو تو اس حیض کو چھوڑ کر مزید تین حیض گزر جائیں، حیض کی حالت میں طلاق دینا منع ہے۔ لیکن اگر کوئی طلاق دیدے تو واقع ہو جاتی ہے لیکن اس حیض کو عدت میں شمار نہیں کیا جاتا، اس طرح کی عورتوں کی عدت کا حکم بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ" (البقرہ:۲۲۸) (مطلقہ عورتیں، جن کو حیض آتا ہے) تین حیض تک عدت گزاریں)۔

۳- اگر عمر کم ہونے، یا زیادہ ہو جانے کے سبب ماہواری کا سلسلہ بند ہو گیا ہے تو اس طرح کی عورت تین مہینے عدت گزارے گی، اگر چاند کی پہلی تاریخ کو طلاق دی تو تین قمری مہینے عدت گزارے گی، خواہ مہینہ ۳۰ کا ہو یا ۲۹ کا ہو اور اگر درمیان میں طلاق دی تو ایک مہینہ ۳۰ دن کا شمار کرتے ہوئے نوے دن عدت گزارے گی۔ اس عورت کی عدت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَالّٰٓئِىْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِىْ لَمْ يَحِضْنَ "۔ (الطلاق:۴) (اور جو عورتیں نا امید ہو گئیں حیض سے تمہاری عورتوں میں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو ان کی عدت ہے تین مہینے اور ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا)۔

۴- اگر کسی عورت کو اس کے شوہر نے خلوت صحیحہ ہونے سے پہلے ہی طلاق دے دی تو شریعت کی طرف سے اس پر کوئی عدت نہیں ہے، وہ طلاق کے فوراً بعد ہی دوسرے سے شادی کر سکتی ہے۔

عدت طلاق کی یہی قسمیں ہیں لہٰذا واضح ہو گیا کہ جو ایک عام شہرہ ہے کہ مطلقہ کی عدت تین مہینہ تیرہ دن ہوتی ہے اس تحدید کے ساتھ مطلقہ کی کوئی عدت نہیں پائی جاتی، ہاں ممکن ہے کہ حیض سے عدت گزارنے والی عورتوں میں سے کسی کے تین حیض اس مدت میں پورے ہوں تو الگ بات ہے۔

طلاق رجعی (جب صریح الفاظ سے ایک یا دو طلاق دی ہو تو اس کو طلاق رجعی کہتے ہیں اور عدت کے دوران شوہر کو اختیار ہوتا ہے کہ رجوع کر لے، صریح الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے الفاظ سے طلاق دے) میں حکم یہ ہے کہ عورت زیب وزینت اختیار کر سکتی ہے، بلکہ اسے اہتمام سے سنگار کرنا چاہئے تا کہ شوہر کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے اور مکمل جدائی کی نوبت نہ آسکے، جب تک عدت باقی رہے وہ حکمی اعتبار سے مکمل طور سے پہلے شوہر کی زوجیت میں رہتی ہے۔ لہٰذا جس طرح کسی کی بیوی کو نکاح کا پیغام دینا درست نہیں ہوتا اسی طرح اس عورت کو بھی نکاح کا پیغام دینا درست نہیں ہے نہ صراحتًا نہ اشارۃً۔

جہاں تک طلاق مغلظہ (مکمل یعنی تین طلاق) اور طلاق بائن (جب غیر صریح الفاظ سے طلاق کی نیت سے ایک یا دو طلاقیں دی ہوں جیسے طلاق کی نیت سے کہے کہ "تم آزاد ہو"۔ وغیرہ) کا تعلق ہے اس میں طلاق ہوتے ہی زوجیت ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے لئے عدت کے دوران زیب وزینت اختیار کرنے پر ممانعت ہے جس کا مقصد اس جدائی پر اظہار افسوس کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ اس دوران نہ خوشبو لگائے، نہ شوخ کپڑے پہنے، نہ زیورات پہنے، نہ کریم پاؤڈر، وغیرہ کا استعمال کرے، الغرض جس چیز کا تعلق بھی سنگار سے ہو اس کے لئے اس کا استعمال کرنا ناجائز ہے۔ اس عورت کو بھی صراحت سے یا اشارہ کنایہ سے نکاح کا پیغام دینا درست نہیں ہے۔

طلاق چاہئے جس قسم کی ہو دوران طلاق کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوتا ہے۔ اور رہائش کا انتظام بھی اسی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ عدت کے لئے اصلی حکم یہی ہے کہ اس مکان میں گزارے جہاں طلاق سے پہلے شوہر کے ساتھ رہتی تھی۔ اگر وہاں کوئی سخت دشواری ہو یا عزت وعصمت کا خطرہ ہو تبھی الگ جاسکتی ہے، لہٰذا کسی ماہر مفتی سے رجوع کئے بغیر وہاں سے نہیں ہٹنا چاہئے۔

عدت وفات: جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کے بارے میں اسلام کی آمد سے پہلے عجیب وغریب اور وحشیانہ رسمیں رائج تھیں۔ مثلاً ہندوستان میں اس کو شوہر کے ساتھ ہی زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ اس رسم کا نام ''ستی'' تھا، راجستھان کے بعض علاقوں میں اب بھی بعض اوقات اس طرح کے واقعات سننے میں آتے ہیں۔ عرب اس عورت کو ایک سال تک کال کوٹھری میں ڈالے رکھتے تھے، اور خاص رسوم کی ادائیگی کے بعد ہی اسے نکلنے دیتے تھے، اس طرح کی عورتوں کو عام طور سے منحوس سمجھا جاتا تھا، خاص طور سے ہندوستان میں اگر کسی وجہ سے ستی کی رسم انجام نہ بھی پائے تو اس کے عقد ثانی کو حرام سمجھا جاتا تھا، اسلام نے ان مظالم کا خاتمہ کیا، عورت کے ساتھ کئے جانے والے غیر انسانی سلوک کا سد باب کیا، ہاں شوہر کی جدائی پر غم وافسوس کا ظاہر کرنے اور اس کے نسب کو اختلاط کے شبہ سے بچانے کے لئے عدت اور سوگ کو ضرور مشروع قرار دیا گیا، اس کی عدت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہے: ''وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجاً يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْراً ''۔ (البقرہ:۲۳۴) ''تم میں سے جن کی وفات ہو جائے اور وہ بیویاں چھوڑ جاویں تو وہ چار مہینے دس دن عدت گزاریں)۔

اس عدت کا مقصد چونکہ نسب کو اختلاط سے بچانے کے ساتھ ساتھ سوگ بھی ہوتا ہے لہٰذا یہ عدت بالغہ نابالغہ سب پر ہے، خواہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو،

البتہ اگر کوئی عورت حمل سے ہو اور اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، یہاں تک کہ انتقال کے فوراً بعد وضع حمل ہو جائے تب بھی اس کی عدت ختم ہو جائے گی، اگر بجائے مکمل بچہ ہونے کے اسقاط ہو گیا اور بچہ نامکمل صورت میں ساقط ہو گیا تب بھی اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔

یہ عورت بھی دوران عدت سوگ منائے گی، اور زیب و زینت کے تمام طریقوں سے بچنے کی کوشش کرے گی، البتہ سر درد ہونے پر تیل لگانے اور آنکھ میں تکلیف ہو تو سرمہ لگانے کی اجازت ہے، اس عورت کو صراحت سے نکاح کا پیغام دینا درست نہیں ہے، البتہ اشارہ کنایہ سے دیا جا سکتا ہے۔ یہ عورت بھی اسی مکان میں عدت گزارے گی جہاں شوہر کی موت سے پہلے رہتی تھی، صرف کسی مجبوری سے وہاں سے ہٹ سکتی ہے، مجبوری کی صورت یہ ہے کہ مثلاً شوہر کے مکان میں اس کا حصہ رہنے کے بقدر نہ ہو اور ورثاء اسے اپنے حصہ میں نہ رہنے دیں، یا مکان کرایہ کا ہو اور اس کے پاس کرایہ دینے کی گنجائش نہ ہو۔

(حضرت مولانا مفتی راشد حسین ندوی کے مضمون سے اقتباسات)

☆☆☆

عورتوں کی معاشی تمکین
قرآن وسنت کی روشنی میں

اسلامی نظام اور اسلامی شریعت کی نسبت سے جو مسائل آج کل بہت زیادہ زیر بحث آتے ہیں ان میں عورتوں کے معاشی حقوق اور ان کی معاشی تمکین کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے، عورتوں کے مالکانہ حقوق اور کسب مال، صرف مال و نظم مالیات میں ان کے حدود و اختیارات تحریر و تقریر میں اکثر زیر بحث آتے رہتے ہیں۔ بعض حلقوں میں یہ تاثر پایا جاتا ہے بلکہ کچھ لوگ منصوبہ بند طور پر پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ان مسائل میں اسلام کی تعلیمات اور اسلامی شریعت کے قوانین عورتوں کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم عورتیں معاشی میدان میں لاچار و بے بس نظر آتی ہیں اور معاشی ناہمواری اور مالی بدحالی کا شکار رہتی ہیں۔ اس پس منظر میں قرآن کی روشنی میں عورتوں کے حقوق کا جائزہ لینا اور ان کی معاشی تمکین کے مواقع پر نظر ڈالنا اہمیت و افادیت سے خالی نہ ہوگا۔ قرآن کریم ہر معاملہ میں بہترین رہنما ہے۔ زیر بحث مسئلہ میں بھی اس کتاب ہدایت سے جو رہنمائی ہمیں ملتی ہے وہ ہر حال میں لائق توجہ و قابل اتباع ہے۔

قرآنی آیات میں غور وفکر سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن نے گھریلو وسماجی زندگی سے متعلق جو اصول وضوابط وضع کیے ہیں وہ بڑے قیمتی ہیں اوران سب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان سکون واطمینان کی زندگی بسر کرسکے۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ معاشرتی زندگی میں فیملی لائف ایک بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتی ہے قرآن نے اسے مضبوط کرنے اور بہتر بنانے پر خاص زور دیا ہے۔ خاندان کے ایک ایک فرد کے حقوق وفرائض متعین کیے ہیں تاکہ ہر شخص ان سے اچھی طرح واقف ہوکر انہیں پورا کرے اور گھریلو زندگی میں کوئی رخنہ نہ آئے۔ دوسرے سورہ نساء اور بعض دوسری سورتوں میں جس تفصیل سے عورتوں کے حقوق بیان کیے گئے ہیں اور جس واضح انداز میں معاشرتی ومعاشی مختلف پہلوؤں سے ان کی حیثیت متعین کی گئی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاشرہ کی بنیادی اکائی میں عورت بہت اہم کردار کی حامل ہے۔ اور یہ کہ قرآن کی نگاہ میں عورت کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے اسے ملحوظ رکھنے اوراس کے تقاضوں کو پورا کرنے ہی میں سماجی زندگی کی بہتری وخوشگواری منحصر ہے۔ اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم وتربیت، خانگی امور کی انجام دہی، خاندانی زندگی کی تعمیر اور معاشرہ کا رخ متعین کرنے میں عورت کا خاص دخل ہوتا ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں قرآن کریم کی یہ وضاحت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کہ عورتوں کے بھی حقوق ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح مرد اپنے حقوق رکھتے ہیں یعنی عورتیں صرف ذمہ داریوں سے زیر بار نہیں بلکہ حقوق کی بھی مالک ہیں جن کی ادائیگی خوشگوار ماحول اور صالح معاشرہ کی تعمیر کے لئے ناگزیر ہے۔ قرآن کی یہ آیت اسی حقیقت کی ترجمانی ہے:

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ". (البقرہ:۲۲۸) "عورتوں کیلئے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں"۔

یعنی دونوں حقوق رکھتے ہیں اور دونوں کے لئے اپنے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔ اس آیت کے حوالہ سے عورتوں کے حقوق سے بحث کرتے ہوئے علامہ شبلی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ''صرف یہی آیت عورتوں کے حقوق کو تمام باتوں میں مردوں کے برابر قرار دیئے جانے کے لئے کافی ہے اور کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا''۔ درحقیقت اس آیت سے عورت کا باختیار ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب وہ حق رکھتی ہیں تو حق کو استعمال کرنے کی بھی مالک ہیں۔

جہاں تک عورتوں کی معاشی تمکین کا مسئلہ ہے اس ضمن میں قرآن کریم کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اس نے انہیں مالکانہ حقوق عطا کئے ہیں اور انہیں شئی مملوکہ و موہوبہ یا منقولہ جائیداد کی حیثیت دی جاتی تھی۔ انہیں مال کمانے و خرچ کرنے کی آزادی نہیں حاصل تھی، اگر کسی ذریعہ سے ان کے پاس کچھ مال آتا بھی تو وہ ان کے شوہر یا سرپرست کی ملکیت تصور ہوتا۔ ان کا کچھ اختیار اس پر نہ ہوتا ہے۔ ان تمام تصورات کی نفی کرتے ہوئے قرآن نے ان کے بارے میں صاف صاف اعلان کیا:

''لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ''

''جو کچھ مردوں نے کمایا اس کے مطابق انکا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے''۔ (النساء:۳۲)

اس آیت سے دو باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ اول یہ کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی کسب مال و حصول زر کی مجاز ہیں دوسرے یہ کہ وہ جو کچھ کمائیں یا جو مال انہیں حاصل ہو وہ اس کی مالک و مختار ہیں کسی کو اس میں ان کی اجازت کے بغیر تصرف کا حق حاصل نہیں ہے یہاں یہ واضح رہے کہ بہت سے مفسرین نے اس آیت میں ''اکتساب'' سے (مال کمانے کے بجائے) نیکی یا بدی کمانا مراد لیا ہے لیکن آیت کے سیاق وسباق سے اس کا جو ظاہری مفہوم ہے (مال کمانا) نکلتا ہے وہی

زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ آیت سے پہلے "فضل اللہ" کا لفظ آیا ہے اور اس کے بعد بھی پوری آیت اس طرح ہے:

"وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا"۔ "اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ جو کچھ مردوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ ہاں اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو"۔ (النساء:۳۲)

"فضل اللہ" قرآن کی خاص اصطلاح ہے اس کی تشریح وتعبیر عام طور پر مادی وسائل، مال ودولت یا ذریعہ معاش سے کی جاتی ہے۔ درحقیقت پوری آیت کا سیاق وسباق بتارہے ہیں کہ یہاں جس چیز کی حرص کرنے سے منع کیا گیا ہے اور جس کمائی کو کمائی کرنے والے کا حصہ قرار دیا گیا ہے اس کا تعلق مادی وسائل سے ہے نہ کہ معنوی کمائی سے۔

دوسرے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر بلاتفریق مرد وزن اہل ایمان کو زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر ابھارا گیا ہے یہ امر بدیہی ہے کہ اگر عورتیں اپنے مال کی مالک ومختار نہ ہوں گی تو پھر زکوۃ کی ادائیگی اور صدقہ وانفاق کا سوال کہاں پیدا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی رو سے عورتیں مال کی مالک ہوسکتی ہیں اور ہوں گی اور جب بھی ان کا مال حد نصاب کو پہنچ جائے تو ان کے لئے زکوۃ کی ادائیگی لازم قرار پائے گی اسی طرح ان سے یہ بھی مطلوب ہے کہ وہ نیک کاموں میں اپنے مال کو خرچ کریں اور ثواب کمائیں: مومن مردوں اور عورتوں کے اوصاف میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ

''اور صدقہ کرنے والے اور صدقہ کرنے والیاں''۔ (الاحزاب:۳۵)

ظاہر ہے کہ عورتیں صدقہ کرنے کی اہل اسی وقت ہوگی جب وہ مال و دولت یا وسائل کی مالک ہوں گی۔ بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں عورتیں ضرورت کے وقت کسب معاش اختیار کرتی تھیں۔ گھر کے لوگوں کی کفالت کرتی تھیں اور صدقہ وخیرات میں بھی شریک ہوتی تھیں۔ حضرت زینب بنت عبد اللہ ابی معاویہ نے نبی کریم ﷺ سے استفسار فرمایا کہ وہ دستکاری سے جو کچھ کماتی ہیں وہ شوہر اور بال بچوں کی ضروریات میں صرف ہوجاتا ہے۔ کچھ بچتا نہیں کہ وہ صدقہ وخیرات کرسکیں، کیا اس صورت میں انہیں کچھ ثواب ملے گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے شوہر و اولاد کی کفالت کرتی رہو۔ تم کو اس کا اجر ملے گا ایک انفاق کا، دوسرے صلہ رحمی کا۔ (طبقات ابن سعد، دار صادر بیروت، ۱۹۵۸، ۲۹۰/۸)

☆☆☆

زینب الغزالیؒ صحابیات کا علمی نمونہ

دراصل زینب الغزالی ۸/اگست ۲۰۰۵ء کو انتقال کر گئی تھیں۔ زینب الغزالی کوئی عام مسلم خاتون نہیں تھیں جو محض اپنے منشور، لائحہ عمل یا پھر کسی خاص نقطہ نظر کے بل بوتے پر جانی جاتی ہو بلکہ یہ دنیائے اسلام کی وہ عظیم خاتون ہیں جس کے بارے میں ثقہ روایات ہیں کہ انہوں نے چار مرتبہ خواب کے ذریعے رسول پرنور، سرور کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نہ صرف حالت خواب میں دیدار کیا بلکہ ان کے فرمودات سے فیضیاب بھی ہوتی رہیں۔ زینب الغزالی رحمۃ اللہ علیہا وہ مجاہدہ تنظیم تھی جس نے بیسویں صدی کے ظالم حکمراں جمال عبدالناصر کے دور میں اسلام کی سربلندی کے لئے دعوت اسلامی کا عملی کام اجتماعی سطح پر تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے شروع کیا اور اس کے عوض رونگٹے کھڑے کرنے والے اور دل دہلانے والے تعذیب برداشت کئے۔ ایام تعذیب میں اس مجاہدہ عظیم نے نہ صرف صبر واستقامت کا مثالی مظاہرہ کیا بلکہ حقوق اللہ وحقوق العباد کے فرائض ولوازمات پر کھرا اترنے کی کوشش میں اس نے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی حتی کہ زندگی کے ہر گوشہ میں اس عظیم مجاہدہ نے رہتی دنیا تک مثالیں قائم رکھ دیں۔ زینب

الغزالی کی مومنانہ شخصیت اور اسلامی خدمات کو ایک ہی عنوان کے تحت پیش کرنا ان کی ہمہ گیر و ہمہ جہت ذات کے ساتھ گستاخی کے مترادف ہوگا۔

زینب الغزالی کے متعلق جو صحیح معلومات ہم تک پہنچی ہیں وہ ان کی خود تصنیف کردہ کتاب ''ایم من حیاتی'' ہے جس کا اردو ترجمہ ''زنداں کے شب درز'' خلیل احمد حامدی نے کیا ہے۔ زینب الغزالی ۲ر جنوری ۱۹۱۷ء کو مصر کے ایک گاؤں منیت عمر میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد زراعت پیشہ اور متدین انسان تھے، یہ گیارہ سال کی تھیں کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا مگر ان کے والد نے ان کی کم عمری کے اندر جو تربیت کی اس کے گہرے نقوش ان کے دل و دماغ پر ثبت ہو گئے۔ کتاب کے مترجم خلیل احمد حامدی دیباچہ میں زینب الغزالی کے کارہائے ناموں کا خاکہ کھینچتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ موصوفہ خود بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد بزرگوار ان کے سامنے نامور صحابیات کے واقعات بڑے دلنشیں اور اثر انگریز انداز میں بیان کرتے۔ مصر کے زرعی معاشرے، دینی روایات کے علمبردار گھرانے اور والد کی حکیمانہ تربیت کے اثرات لے کر موصوفہ نے جب زندگی کے میدان میں شعور و فہم کے ساتھ قدم رکھا تو ابھی ان کی ۱۸ سال کی عمر تھی کہ انہوں نے ۱۹۳۸ء میں مصری عورت کی ترقی و اصلاح کے لئے ''جمعیت السیدات المسلمات'' (مسلم خواتین کی انجمن) کے نام سے تنظیم کی بنیاد ڈال دی۔ اس تنظیم کے خد و خال، دائرہ عمل اور نصب العین طے کرنے کے لئے انہوں نے حضرت نسیبہ بنت کعب کو اپنا آئیڈیل منتخب کیا۔ انجمن کے مقاصد کی اشاعت کے لئے انہوں نے ''سیدات مسلمات'' کے نام سے ایک مجلّہ بھی جاری کیا۔ چنانچہ اس نوخیز داعیہ نے اپنی فطری صلاحیتوں اور اسلامی جذبات کے خوب جوہر دکھائے۔ قاسم امین کی برپا کردہ آزادی نسواں کی آواز، ہدیٰ شعراوی کی ''ترقی خواتین مصر'' کی قائم کردہ تحریک 'ڈر لطفی السید' سلام موسیٰ اور

طٰہٰ حسین کی روشن خیال تحریریں مصری عورت کو آزادروی کا جو درس دے رہی تھیں ان کے مقابلے میں اس نوخیز مجاہدہ کی آواز اسلامی اقدار اور نسوانی خصائص کی حفاظت کے لئے بڑی قوت سے بلند ہونے لگی۔

اسی زمانے میں مصر میں اخوان المسلمون کی تحریک بھی نوجوان نسل کے اندر تیزی سے ابھر رہی تھی۔ حسن البنا کی مضبوط ایمان والی شخصیت اور ان کا پرسوز انداز بیان اس تحریک کے اندر بے پناہ کشش پیدا کرتا جا رہا تھا۔ حسن البناء نے عورتوں کے اندر کام کرنے کے لئے ایک الگ شعبہ ''اخوات مسلمات'' کے نام سے قائم کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ زینب الغزالی بھی اپنی الگ تنظیم ختم کر کے اسی شعبے کو سنبھال لے مگر موصوفہ اپنی مجلس شوریٰ کے مشورے کے بعد ''سیدات مسلمات'' کو توڑنے پر آمادہ نہ ہوئیں۔ البتہ 'سیدات مسلمات' اور 'اخوات مسلمات' دونوں کے مابین تعاون و یکجہتی پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔

۱۹۴۸ء میں جب شاہ فاروق کے دور میں پہلی مرتبہ ''اخوان المسلمون'' کو جہاد فلسطین میں غیر معمولی کارہائے نمایاں دکھانے کی وجہ سے انگریزوں اور یہودیوں کے دباؤ کے نتیجے میں نشانہ عتاب بنایا گیا، تو حالات و ظروف کی نزاکت واہمیت دیکھ کر زینب الغزالی نے ''سیدات مسلمات'' کو ختم کر کے ''اخوان المسلمون'' میں شمولیت اور ''اخوات مسلمات'' کی قیادت کے تحت کام کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اس موقعہ پر امام حسن البنا نے اپنی دوراندیشی کو کام میں لاتے ہوئے موصوفہ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی الگ تنظیم قائم رکھیں، اس کا علیحدہ وجود مستقبل میں ضروری ہے چنانچہ جب ''اخوان المسلمون'' کو ۱۹۴۸ء میں خلاف قانون قرار دیا گیا اور پھر جب ۱۹۵۴ء میں جمال عبدالناصر کے عہد میں دوبارہ اخوان پر ضرب کاری لگائی گئی تو ان حالات میں سیدات مسلمات ہی واحد تنظیم تھی جو باقی رہ گئی تھی۔

۱۹۶۴ء تک یہ تنظیم قائم رہی۔ اس وقت ملک بھر میں اس کی ۱۲۰ شاخیں قائم تھیں اور خدمت مظلومین ان کا شعار بن چکا تھا۔ آخر کار جمال عبد الناصر نے اسے بھی توڑ دیا اور زینب الغزالی کو جیل میں ڈال دیا۔

۲۰ راگست ۱۹۶۵ء کو زینب الغزالی کو گرفتار کرلیا گیا۔ چھ سال تک موصوفہ جیلوں میں ناقابل یقین مصائب سہتی رہیں اور ۱۰ راگست ۱۹۷۱ء کو ان کی رہائی عمل میں آئی۔ ان کی روداد صرف ایک خاتون سے وابستہ معاملات یا تشدد نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں اخوان المسلمون کی تحریک نے جذبہ جہاد اور ولولہ قربانی سے سرشار جو نسل تیار کی ہے اس کا ہر فرد گوہر یک دانہ ہے۔ سیدہ زینب الغزالی کی کتاب ''زنداں کے شب و روز'' پڑھ کر جو کیفیت طاری ہوئی ہے اسے ضبط تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔

عقیدہ: زینب الغزالی کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر اللہ ہی کا حکم از روئے نظام مصطفیٰ چلے اور اسی عقیدے کو ملحوظ نظر رکھ کر انہوں نے دعوت اسلامی کا فقید المثال کا سرانجام دیا۔ مسلمان عورت کے اصل مقام کے بارے میں ایک جگہ فرماتی ہیں کہ اس کا تعین اس وقت ہوگا جب ملک میں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ وہ لکھتی ہیں کہ کافرانہ اطوار کے داعی اور ضلالت والحاد کے پرچم داروں اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کی دعوت لے کر کھڑے ہوئے لوگ شیر و شکر نہیں ہوسکتے۔ انہوں نے امام البنا کو بلاشبہ برحق اسلامی قائد قرار دیا۔ اس وقت زینب الغزالی نے تمام مسلمانوں کو ان کے ہاتھ پر بیعت جہاد کرنے کی تلقین کی تاکہ مسلمانوں کو دنیا میں پھر وہ ذمہ داری کا مقام حاصل ہو جس کے لئے انہیں ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ اور انکا بحیثیت امت وہ حقیقی وجود دنیا میں ابھرے جس کی تصویر قرآن نے پیش کی ہے۔

طریقہ کار: اصلاح احوال کے لئے انہوں نے جو سبیل نکالی تھی وہ یہ تھی کہ کچھ نہ کچھ ایسی ضرور کوشش کرنی چاہئے جس سے امت مرحومہ کی عظمت وقوت ایمانی بحال ہو۔ اس سلسلے میں وہ سیرت رسول اللہ ﷺ اور سلف صالحین کی زندگیوں کو اپنے کام کا نقطہ آغاز ٹھہراتیں اور یہ اصول اپناتیں کہ ہمارا پورا طریقہ کار اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول خدا ﷺ کی سنت سے ماخوذ ہو۔ (صفحہ ۵۳ زنداں کے شب وروز)۔ اپنی تنظیم میں انہوں نے اپنے دینی بھائیوں سے یہ طے کیا کہ وہ دعوت کا کام تیرہ برس تک جاری رکھا جائے گا۔ امام سید قطب کی ہدایت اور استاد حسن الھضیبی کے اذن سے یہ بھی فیصلہ ہوا کہ اصلاح نفس، تعمیر سیرت، انسان سازی وقلوب واذہان میں عقیدہ توحید کی تخم ریزی کا یہ مرحلہ مستقل طور پر جاری رہنا چاہے۔ مکہ معظّمہ میں دعوت کی یہی عمر تھی۔ اس وقت انہوں نے فیصلہ لیا کہ مدت گزرنے کے بعد دعوت اسلامی کے پیروکار جو اسلام کو نظام حیات بھی سمجھتے ہوں اور ریست بھی اور اسلامی حکومت کے قیام کا نظریہ رکھتے ہوں۔ اگر قوم کے پچھتر فیصد افراد ایسے لوگوں پر مشتمل ہیں تو پھر اسلامی ریاست قائم کرنے کی آواز بلند کریں..... اور اگر ہماری کمائی پچیس فیصد سے آگے نہ بڑھی تو ہم مزید تیرہ سال تعلیم وتربیت اور تزکیہ واصلاح میں گزاریں گے اور پورے صبر وثبات اور عزم وہمت کے ساتھ اپنا اصلاح مشن جاری رکھیں گے۔ یہاں تک کہ قوم شعوری طور پر اسلام کی حمایت کرنے لگے..... ہمارے نزدیک یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ کتنی نسلیں اس کام میں کھپتی ہیں، ہمارے نزدیک اہمیت اس بات کی ہے کہ تعمیر اور تیاری کا کام جاری وساری رہے اور ہم اپنا فرض مسلسل اور بے خوف طریقے سے انجام دیتے رہیں۔ یہاں تک کہ ہماری جانیں کھپ جائیں اور ہماری مہلت عمر تمام ہو جائے اور پھر ہم ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ'' کا پرچم سربلند وسرفراز حالت

میں بعد میں آنے والے اپنے بیٹوں کے سپرد کر جائیں۔ (صفحہ ۶۰ تا ۶۲) تعذیب وتشدد جیسے کہ خلیل احمد حامدی لکھتے ہیں کہ بعض قاری ایک ہی مضمون کے تکرار سے اکتا جائیں گے، اس قدر اس عظیم مجاہدہ پر تعذیب وتشدد کیا جاتا رہا۔ تعذیب وتشدد کے جتنے اقسام اور حربے اور اسی قدر ان اقسام کی شدت پڑھ کر اس کو قلمبند کرنے کی جہاں تک کوشش کی جائے تو انسان یہ طے نہیں کر پاتا کہ کہاں سے شروع کرے اور تعذیب وتشدد کے کس قسم کو اولین ترجیح دے اور کیا درجہ بندی کرے؟ اس یکتائے روزگار پرہیز گار مجاہدہ کا اعلیٰ سوچ وکردار ایک طرف دوسری طرف فرعون نما غاصبوں اور جابروں کی نچلی سے نچلی سطح کا گھٹیاپن اور تحقیقاتی عمل وپوچھ تاچھ کا انتہائی قابل نفرین طریقہ کار، جو اللہ کی اس بندی کو روحانی اور نفسیاتی طور پر زیر کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔ گالم گلوچ، طنز، دھمکیاں، ڈراؤنے اندیشے، جسمانی واعصابی اذیت کے ہزار ہا ان کے تن ناتواں پر کئے گئے یہ سب سن کر اور پڑھ کر انسان کا دل دہل جاتا ہے۔ تازیانے کیا بلکہ فرمائشی تازیانے، جن کو چرمی تازیانے کہا جاتا ہے۔ سے ان کے پاس جسم کو ہزار ہا بار خون آلود کیا جاتا رہا، غلیظ اور بند کوٹھریوں میں اس مجاہدہ عظیم پر درد انگیز کوڑے مارے گئے۔ صرف کوڑوں پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا رہا بلکہ عدل وانصاف ونرمی کو بالائے طاق رکھ کر زینب الغزالی پر ایک سے بڑھ کر ایک ستم ڈھایا جاتا رہا۔ انہیں دیوار کی طرف رخ کر کے کوڑے برسائے جاتے، سو کوڑے، پانچ سو کوڑے اتنے کوڑے، کتنے کوڑے اس کو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں لٹکا کر تازیانے دیئے جاتے حتیٰ کہ وہ عالم بے ہوشی میں چلی جاتیں، ہوش آجاتا تو اپنے آپ کو اسپتال میں پاتیں، پھر تعذیب خانے منتقل، پھر تشدد، پھر اسپتال اور پھر باری آئی پانی، آگ اور بجلی کی۔ جب زینب الغزالی مسلسل ومتواتر کوڑوں، گالم گلوچ ودیگر تعذیبوں سے زیر نہیں ہوئیں تو انہیں کنویں کے اندر دھکیل

دیا گیا۔ وہاں ان پر ایسا تشدد کیا گیا کہ انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ زخموں سے چور چور خون آلودہ جسم کو پانی نے کتنا عذاب دیا اس کا تو ہم لوگ کیا اندازہ کرسکیں گے فقط زینب الغزالی اور اللہ تعالیٰ ہی واقف ہیں۔ جب ان کو پانی میں بٹھایا جاتا تو جسم کو مختلف سطح اور مختلف سمتوں کی طرف حرکت کرنے پر کوڑوں کا نصاب لگا ہوا رہتا تھا۔ یہ سلسلہ کئی منٹوں یا گھنٹوں کا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ ہفتے گزر جاتے، کوٹھری میں آگ جلائی جاتی اور پھر زخمی جسم کو اس کے نزدیک یا اس کے اوپر سے چلایا جاتا، بجلی کے جھٹکے دیئے جاتے، ان پر غشی طاری ہوجاتی، پھر ہوش میں آتیں، پھر تعذیب در تعذیب کا سلسلہ جاری کیا جاتا۔ الغرض ان تعذیبی کار روائیوں کے باوجود فی الحقیقت زمین میں نصب پہاڑ سے بھی زیادہ طاقت سے اپنے موقف یعنی اسلام پر ڈٹی رہیں۔

صبر و توکل: پیغمبر آخر الزماں، سردار انبیاء سرور کائنات رسول اللہ ﷺ کی اس عاشق بندی نے خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم سنت کو تازہ کیا جب کوڑے برسائے جاتے تو زینب الغزالی اللہ، اللہ کا ورد شروع کرتیں، بے ہوش ہوجاتیں، عجب دنیا میں پہنچتیں، پھر ہوش آجاتا، تشدد کے تازیانے شروع ہوجاتے، پھر اللہ کا ذکر شروع کرتیں۔ تشدد کے تمام مراحل میں یکساں طور پر متواتر اس مجاہدہ عظیم نے واقعی ابراہیمی صبر و توکل و تحمل کی سنت پر مداومت کا ثبوت دے دیا۔

موقعہ موقعہ پر قرآن کی آیتیں پڑھتیں اور اپنے آپ کو تشدد کے اگلے مرحلے کے لئے تیار کرتیں۔ میرے خیال سے دنیا میں اس قسم کی مثال نہیں ملے گی کہ زینب الغزالی کو جب پانی میں پانی سے ہی تشدد کیا گیا تو اس کا جوب انہوں نے یوں دیا کہ پانی کے اندر تیمّم کیا اور پھر نماز میں محو ہوگئیں۔ کیا یہ مثال بھی کہیں ہوگی کہ جیل کی غلیظ کوٹھری میں جب اپنے رفقا جیل کے ساتھ تیمّم کرکے باجماعت نماز ادا کی۔ یہ

فقط ایک دفعہ نہیں ہے کہ ایک آدھ نماز پڑھی ہو بلکہ حسب ہوش جس طرح اور جس صورت میں ممکن ہو سکا نماز کو نہیں چھوڑا۔

ایک سچا خواب: جب ابراہیم علیہ السلام ہو، آگ ہو تب انداز گلستاں کا امر واقع ہونا کس کو یقین میں نہ آئے۔ اپنے ایام اسیری میں زینب الغزالی کو چار مرتبہ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار خواب میں نصیب ہوا۔ چنانچہ وہ رقمطراز ہیں: ''..... یہ دعا کرتے کرتے خدا جانے مجھے کیسے نیند آ گئی.... میں نے ایک مبارک خواب دیکھا۔ دوران ابتلاء مجھے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چار مرتبہ دیدار ہوا۔ ایک خواب یہ تھا... خواب میں میں نے ایک صحرائے بے کنار دیکھا، جس میں کجاوں کی بارش ہو رہی تھی۔ وہ کجاوے گویا نور سے تیار کئے گئے تھے۔ ہر کجاوے میں چار مرد تھے، ان کے چہرے سے بھی سراپا نور تھا۔ میں اس صحرائے بے کنا میں جو نظروں کی حد سے ماوراء ہے اونٹوں کے سیل رواں کے پیچھے کھڑی ہوں۔ میرے آگے ایک عظیم پر وقار شخصیت ہیں، جس نے مہار تھام رکھی ہے اور یہ مہار اونٹوں کے سیل بے پناہ کی آخری گردنوں تک جاتی ہے۔ میں زیر لب کہہ رہی ہوں: کیا یہ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فوراً جواب ملتا ہے، اے زینب تو خدا کے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہے۔ میں نے عرض کیا ''یا سیدی، یارسول اللہ، میں اللہ کے بندے اور رسول محمد کے قدم پر ہوں''۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے زینب الغزالی ! تو اللہ کے بندے اور رسول محمد کے قدم پر ہے۔ دوبارہ عرض کیا۔ ''اے میرے حبیب ! اے اللہ کے رسول کیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں۔ جو اللہ کے بندے اور رسول ہیں؟'' دوبارہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے زینب ! تم حق پر ہو، اے زینب تم حق پر ہو، اے زینب ! تم اللہ کے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ہو''۔

☆☆☆

مریض کی عیادت کیسے کریں؟

حدیث مبارک میں ہے کہ اگر "پڑوسی بیمار ہو تو اسکی عیادت کرے" عیادت کا مطلب یہ ہے کہ دوران بیماری اس کی ملاقات کے لئے جائے اس کی حالت پوچھے، تسلی دے اور اس کے لئے شفا کی دعا کرے، اس حق کی تفصیل جاننے سے پہلے یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اس حق کا تعلق صرف پڑوسی سے نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان کے بحیثیت مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان میں ایک حق یہ بھی ہے جیسے کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہ ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں"۔ پوچھا گیا کہ وہ حقوق کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱- جب کسی مسلمان سے ملاقات ہو تو سلام کیا جائے۔ ۲- جب وہ تمہیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کی جائے۔ ۳- جب وہ اس سے خیر خواہی چاہے تو اس کی خیر خواہی کی جائے یعنی جب مشورہ مانگے تو خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دیا جائے۔ ۴- جب کسی مسلمان کو چھینک آئے اور وہ "الحمد للہ" کہے تو اس کو "یرحمک اللہ" سے جواب دیا جائے۔ ۵- جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کی جائے۔ ٦- اور

اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ دفن تک رہنا چاہیے۔
مستحب یہ ہے کہ ایک مسلمان جب کسی مریض کی عیادت کے لئے جائے تو اس کے لئے شفا کی دعا کرے اور تکلیف پر صبر کی تلقین کرے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت سعد بن ابی وقاص اپنے والد سے نقل کرتی ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں بیمار ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا پھر میرے سینے اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا دعا فرمائی کہ اے اللہ سعد کو شفا عطا فرما اور اس کے لئے اس کی ہجرت کو پورا فرما۔ (ابوداؤد)

ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے مریض کی عیادت کی کہ جس کا وقت مقرر پورا نہیں ہوا تھا اور عیادت کے وقت اس کے پاس سات مرتبہ یہ دعا پڑھ لی۔

"اَسْئَلُکَ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ. رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَکَ" تو اللہ تعالیٰ اس کو شفاء عطا فرما دیتے ہیں۔

یہ بھی مستحب ہے کہ عیادت و ملاقات کے لئے جانے والا مریض کی تسلی کے لئے کہے کہ کوئی فکر اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یعنی تم کوئی زیادہ بیمار نہیں ہو انشاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گے۔

یہ بیمار کے لئے انشاء اللہ گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنے گی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اس سے فرمایا کوئی بات نہیں انشاء اللہ یہ گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہوگا۔ اس آدمی نے کہا کہ نہیں یہ تو سخت ابلنے والا یعنی گرم بخار ہے پھر یہ ہے بھی ایسے آدمی پر جو بہت بوڑھا ہے یعنی میں بوڑھا اور کمزور ہوں دوسری طرف یہ سخت بخار بھی ہے لہٰذا مجھے تو یوں لگتا ہے کہ یہ بخار اس وقت تک نہیں جائے گا جب

تک کہ مجھ کو قبر میں نہ پہنچا دے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر ''ٹھیک ہے یعنی پھر تم اس بخار ہی میں مر جاؤ گے''۔ (بخاری)

عیادت کرنے والے کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ مریض کے قریب جا کر اگر ممکن اور مناسب ہو تو مرض اور تکلیف کی جگہ پر ہاتھ رکھے اور بسم اللہ پڑھ کر وہی دعا پڑھ لے جو پچھلی حدیث میں گزری ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب کسی مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو درد اور تکلیف کے مقام پر ہاتھ رکھتے اور بسم اللہ پڑھ کر اس کے لئے دعائے شفا کرتے۔

عیادت کرنے والے کو چاہئے کہ مریض کے پاس جا کر ناامیدی کی باتیں نہ کرے بلکہ ایسی باتیں کرے کہ اس کو شفایاب اور زندہ رہنے کی امید پیدا ہو جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم مریض کی عیادت کے لئے اس کے پاس جاؤ تو اس کے زندہ رہنے شفا پانے اور موت کے دور ہونے کی باتیں کرو۔ تمہاری باتوں سے قضا اور فیصلہ تو نہیں بدل سکتا البتہ مریض کا دل خوش ہو جاتا ہے''۔

عیادت کرنے والے کو چاہئے کہ مریض سے اپنے لئے بھی دعا کی درخواست کرے اس لئے کہ مریض آدمی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''بیماروں کی عیادت کرو اور ان سے دعا کی درخواست کیا کرو کیونکہ مریض کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس لئے کہ تکلیف کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں''۔ (طبرانی)

مستحب یہ ہے کہ عیادت کرنے والا مریض کے پاس زیادہ نہ بیٹھے اور ایک ہی دن میں دو تین دفعہ عیادت کے لئے بھی نہ جائے تاکہ مریض اور اس کے گھر

والے تنگ نہ ہوں البتہ خود مریض کی خواہش زیادہ دیر بیٹھنے یا بار بار آنے کی ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس کے گھر والوں کے لئے بھی اس میں تکلیف نہ ہو اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جنگ خندق میں زخمی ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں اس کے قیام کے لئے خیمہ لگایا تا کہ قریب سے جلدی جلدی اس کی عیادت اور دیکھ بھال کر سکیں۔ (مسلم)

عیادت کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ باوضو ہو۔ عیادت کے لئے پیدل چل کر جانا مستحب ہے البتہ سوار ہو کر جانے میں بھی کوئی گناہ نہیں خصوصاً جب کہ بیمار دور ہو یا عیادت کرنے والا پیدل چل کر نہ جا سکتا ہو۔ عیادت کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ بیمار کے ہاں نہ کچھ کھائے اور نہ پئے۔ بعض علماء نے اس کو مکروہ لکھا ہے اور لکھا ہے کہ اس سے عیادت کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے البتہ جمہور علماء کے نزدیک ایسا نہیں ہے خصوصاً جب کہ مریض اس پر خود اصرار کرے اور اس کی خواہش بھی ہو اگر کوئی عورت بیمار ہو تو اس کی عیادت بھی جائز اور باعث ثواب ہے البتہ خلوت میں اجنبی عورت کی عیادت کرنا جائز نہیں۔

عبدالملک بن عمیر بن ام العلاء سے (جو صحابہ رضی اللہ عنہ ہے) نقل کرتے ہیں کہ میں بیمار تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے فرمایا کہ اے "ام العلاء تمہیں اس بیماری پر بشارت ہو کیونکہ مسلمان کے بیمار ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جیسے کہ سونا یا چاندی کی آگ میں ڈالنے سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کا میل کچیل ختم ہو جاتا ہے"۔ (ابوداؤد)

اسی طرح جہاں خوف فتنہ اور خوف تہمت نہ ہو عورت بھی مردوں کی عیادت کر سکتی ہے جو لوگ محرم ہیں ان کی عیادت تو بلا شبہ جائز اور

باعث ثواب ہے البتہ جو لوگ اس کے محرم تو نہیں ہیں مگر وہاں خوف فتنہ وتہمت بھی نہ ہو تو پردے کے ساتھ ان کی عیادت جائز ہے چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری کی عیادت کی تھی جو مسجد میں رہتے تھے۔

اسی طرح غیر مسلم کی عیادت کا مسئلہ ہے کہ اگر اس میں کوئی مصلحت ہو مثلاً اس کی ہدایت کی امید ہو یا خود عیادت کرنے والے کے لئے کوئی مصلحت ہو یا وہ غیر مسلم رشتہ دار ہو یا پڑوسی ہو تو اس کی عیادت بھی جائز اور باعث ثواب ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور اسکی سر کی جانب بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا: کہ ''مسلمان ہو جا'' اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو اس کے قریب بیٹھا تھا۔ والد نے کہا کہ ابو قاسم کی اطاعت کرو یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرما رہے ہیں اس کو مان لو چنانچہ وہ لڑکا مسلمان ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اس لڑکے کو میری وجہ سے آگ سے نکالا۔ (بخاری شریف)

احادیث مندرجہ بالا میں عیادت کے جو آداب مذکور ہیں ہر مسلمان پر ان آداب کا ملحوظ رکھنا لازم ہے تا کہ عیادت کا طریقہ سنت کے مطابق ہو اور اس پر ثواب مل جائے اب ہم کچھ ایسی احادیث پیش کریں گے جن سے عمومی طور پر عیادت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت کرتا ہے تو جب تک وہ عیادت میں مصروف ہے وہ جنت کے باغیچے میں ہوتا ہے''۔ (رواہ مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کوئی مسلمان صبح کے وقت دوسرے مسلمان کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے شام تک رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لئے ایک باغیچہ بنایا جاتا ہے"۔ جب کوئی آدمی کسی کی عیادت کے لئے جائے اور عیادت کے لئے جائے اور عیادت کرنے والے کے سامنے اس کی جانکنی شروع ہو جائے تو ایسے وقت میں چار باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

(مفتی نظام الدین ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ پاکستان ستمبر ۲۰۱۱ء سے ماخوذ)

☆☆☆

قریب المرگ لوگوں کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کا حکم

مسنون یہ ہے کہ جس کے انتقال کا وقت شروع ہو جائے تو اس کو قبلہ رخ کیا جائے کیونکہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے (یعنی کسی سفر سے واپس آئے) تو حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ (جو بیمار تھے) کے متعلق پوچھا کہ وہ کیسے ہیں؟ بتایا گیا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور جب انتقال ہو رہا تھا اس نے اپنے تہائی مال کی وصیت آپ کے لئے کی تھی اور بوقت جانکنی اس کو قبلہ رخ کیا گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ اس کی موت فطرت اسلام پر ہوئی اور میں یہ تہائی مال قبول کر کے اس کے بچوں کو واپس دیتا ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور یہ دعا کی کہ اے اللہ اسکی بخشش فرما اس پر رحم فرما اور اس کو اپنی جنت میں داخل فرما اور بے شک تو نے داخل کر لیا"۔ (بیہقی)

ابورافع کی والدہ سلمٰی رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی وفات کا وقت ہوا تو وہ اپنا داہنا ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر خود قبلہ رخ ہو گئیں۔ (مسند احمد)

ان ہی احادیث کی بنا پر احناف مالکیہ اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سنت ہے کہ قریب الموت آدمی کو سیدھی کروٹ پر قبلہ رخ لٹایا جائے جیسے کہ مردے کو قبر میں لٹایا جاتا ہے۔ یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی صحیح ہے لیکن اگر جگہ کی کمی یا کسی اور وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو پھر الٹی کروٹ پر لٹایا جائے لیکن البتہ چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دیا جائے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو بالکل اس طرح سیدھا چت لٹا دیا جائے کہ پیر قبلہ کی طرف ہوں۔ ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ قریب المرگ آدمی کو بالکل سیدھی چت لٹایا جائے اور پیر قبلہ کی طرف ہوں اور سر تھوڑا اونچا کیا جائے تاکہ رخ قبلہ کی جانب ہو بعض لوگوں کو عمل اس پر ہے لیکن پہلی صورت زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے۔

مسنون ہے کہ قریب الموت آدمی کو کلمہ توحید یا کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے البتہ اس کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے یعنی اس وقت قریب بیٹھے ہوئے لوگ اس کے سامنے ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پڑھیں تاکہ دار دنیا سے نکلتے ہوئے اس کا آخری کلام یہی ہو اور وہ جہنم کی آگ سے نجات پالے کیونکہ کثیر بن مرہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جس آدمی کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا“۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قریب الموت لوگوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔ مستحب اور بہتر یہ ہے کہ قریب الموت آدمی کے پاس نیک اور صالح لوگ بیٹھے ہوں جن کی دعاؤں کی وجہ

سے اس کیلئے مغفرت اور تخفیف عذاب وغیرہ کی امید ہو چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں سے کسی ایک کے انتقال کا وقت تھا کہ آپ کے پاس تشریف لائے اور اپنا سر مبارک اس پر رکھ دیا جب اس کا انتقال ہو گیا تو اپنا سر اٹھایا اور فرمایا کہ مومن کی روح جب نکالی جا رہی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر و تعریف میں مشغول ہو تو اس کیلئے خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے۔ (نسائی)

اسی طرح قریب الموت کے پاس سورہ یٰسین پڑھنا بھی مستحب ہے تا کہ اس کے لئے تخفیف عذاب کا سبب بن سکے چنانچہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورہ یٰسین قرآن کریم کا دل ہے۔ جب کوئی آدمی اس کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے فائدے کی نیت سے پڑھتا ہے تو اسکی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اس کو اپنے مردوں پر پڑھ لیا کرو۔ (مسند احمد) مردوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو قریب الموت ہوں۔

امام احمد سے منقول ہے کہ قریب الموت آدمی کے پاس سورہ فاتحہ، سورہ یٰسین اور قرآن کریم کی دوسری سورتیں پڑھنی چاہیں تا کہ جانکنی کی تکلیف میں اس کی برکت سے تخفیف ہو جائے۔

لہٰذا پڑھنے والوں پر لازم ہے کہ اگر ان کے سامنے کسی کا انتقال ہو یا پڑوسی اور رشتہ دار کسی کے انتقال کے وقت اس کو بلائیں تو وہ ان سب احکام و آداب پر عمل کرے تا کہ مسلمان اور خصوصاً پڑوسی کے ساتھ آخری وقت تک احسان کا سلوک قائم رہے۔ جب ان احکام و آداب پر عمل کرے گا تو گویا پڑوسی کے حقوق کی رعایت والے امر پر عمل ہو جائے گا۔ (شمس الاسلام پاکستان سے ماخوذ)

☆☆☆

رشتۂ زوجین پر قرآنی تشبیہ کا مطالعہ

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب قرآن کریم میں تقریب فہم اور توضیح مراد کی خاطر مختلف اشیاء واعمال کو تشبیہ و تمثیل کے اسلوب کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایک عام انسان کو آسانی سے بات سمجھ آجاتی ہے اور ایک صاحب علم کے غور وفکر کے لئے معانی و حکمتوں کی پوری دنیا منکشف ہوجاتی ہے اس سیاق میں اگر انسانیت کی دونوں صنفوں 'مرد اور عورت' کے مابین قائم ہونے والے تعلق ازدواج کی قرآنی بنیادوں کو جاننے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اس رشتے کی نوعیت کو لباس سے تشبیہ دی ہے۔ (هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ) ''وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے''۔ (سورہ بقرہ: ۱۸۷)

بظاہر لباس کا مطلب وہ کپڑا ہے جو انسان اپنے جسم پر پہنتا ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زوجین کے تعلقات کو لباس اور صاحب لباس کے تعلق کی مثال سے واضح کیا ہے؟ صورت مسئلہ کی تمام ابعاد واطراف کا علم تو رب کائنات ہی کو ہوگا، لیکن غور وفکر سے بھی ان دونوں رشتوں کی باہمی یگانگت ومماثلت سمجھ میں آتی ہے۔ اس مختصر مضمون میں لباس انسانی کے اہم مقاصد، صفات وخصوصیات اور اس

کے ساتھ برتے جانے والے طریقہ ہائے تعامل کی روشنی میں زوجین کے تعلقات کی قرآنی تشبیہ کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

چند اصولی باتیں

سب سے پہلے چند اصولی باتیں سمجھنے کی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ لباس ایسی انسانی ضرورت ہے جس سے کسی بشر کو استغناء نہیں ہوسکتا۔ مادرزاد برہنگی جس طرح ماضی میں سلیم الفطرت انسان کیلئے عیب تھی ویسے ہی مادیت پرستی واباحیت زدگی کے اس زمانے میں بھی انسانی ضمیر وفطرت مکمل برہنگی سے گھن کھاتے ہیں۔ اس قرآنی تشبیہ سے ایک اصولی بات یہ سمجھ آتی ہے کہ قرآنی تصورِ زندگی میں شادی ونکاح، اسی درجہ ناگزیر وضروری انسانی عمل نہیں۔ بلکہ اللہ کے آخری رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وغیرہ ہونا چاہیئے۔

دوسری بات یہ کہ پیدائش کے بعد بچوں کی برہنگی کو ایک معینہ عرصہ تک قابل انگیز مانا جاتا ہے۔ لیکن ایک مناسب مدتِ عمر کے بعد بچوں کی ستر پوشی کی تلقین نہ کرنا اور برہنگی سے نہ روکنا، انہیں عریانیت وبے حیائی کی تعلیم دینے کے مرادف ہوجاتا ہے۔ بالکل اسی انداز میں مناسب عمر کو پہنچنے کے بعد جو شریعت میں قرائن وعلامات اور سن وسال سے معین ومحدود کی گئی ہے۔

نوجوان لڑکے لڑکیوں کی شادی ونکاح پر توجہ نہ دینا بھی اباحیت وفواحش کے رواج پانے کا سبب بنتا ہے۔ موجودہ زمانے کی صورت حال سے زیادہ بہتر اس کی وضاحت نہیں کی جاسکتی۔ دیکھنے والی آنکھ آج فحاشی وبے حیائی کے جن مظاہر کا مشاہدہ کررہی ہے، ان کے برپا ہونے میں ایک بڑا سبب شادی ونکاح کے معاملہ میں اس اسلامی مزاج سے انحراف کرنا بھی ہے۔

تیسری اور اہم ترین بات یہ کہ لباس کی خرید و فروخت یا تیاری و فراہمی کا مسئلہ عام انسانی زندگی میں ایسا نہیں سمجھا جاتا کہ سالہا سال پہلے سے اس کے لئے تیاری ہو اور لاتعداد دولت اکٹھا کی جائے۔ بالکل اسی لحاظ سے نکاح اور شادی کا معاملہ بھی اسلامی معاشرہ میں ایسا اہتم بالشان مسئلہ نہیں ہوتا جس کے لئے لمبی چوڑی تقریبات اور فضول خرچیوں کا التزام کرنا فرض خیال کیا جائے۔ فرحت و مسرت کے موقع پر خوشی منانا انسانی فطرت ہے اور شرعی طور سے اس میں قباحت بھی نہیں، لیکن اس خوشی کے موقع پر بے شمار غیر عقلی و غیر شرعی رسوم و رواج اور اعراف و تقالید کا اہتمام کرنا اور اس کے نتیجے میں ایک سیدھے سادے مسرت آمیز موقع کو باعث تکلیف و باعث غم بنا دینا عقلاً اور شرعاً حرام و قابلِ نفریں ہے۔

لباس کے مقاصد و اہداف

حفاظت و صیانت

انسان بمقتضائے فطرتِ سلیمہ اپنی ستر پوشی کا اہتمام کرتا ہے۔ اس میں مدنظر یہ بھی رہتا ہے کہ مختلف موسمی تغیرات و ماحولیاتی انقلابات مثلاً حرارت و برودت وغیرہ سے، زخمی کرنے اور اذیت پہنچانے والی اشیاء سے اور مختلف فضائی آلودگیوں اور جراثیم سے جسم انسانی کی حفاظت و صیانت ہو جائے اور وہ مختلف امراض و آفات سے محفوظ رہ سکے۔ شادی کرنے میں بھی انسان اپنی نوع و نسل کو مٹنے اور منقطع ہونے سے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔ انسانی فطرت میں یہ داعیہ ودیعت ہے کہ وہ اپنے D.N.A. کو اولاد و احفاد اور نسل و ذریت کی شکل میں بڑھتے اور پھلتے پھولتے دیکھنا چاہتا ہے۔ اس جذبہ کی درست عکاسی خود خالق فطرت کے کلام میں پائی جاتی ہے:

"وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ اَنفُسِكُمْ اَزْوَاجاً وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ اَزْوَاجِكُم بَنِيْنَ

وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ"" (سورہ نحل:۷۲)

"اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمہیں بیٹے پوتے عطا کئے اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں، پھر کیا یہ لوگ (سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی) باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کے احسان کا انکار کرتے ہیں"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں شادی کرنے کا حکم فرماتے اور تبتل وانقطاع کرنے سے سختی سے روکتے تھے، اور فرماتے تھے: "ایسی عورتوں سے شادی کرو جو محبت کرنے والی اور خوب جننے والی ہوں کیونکہ میں روز قیامت تمہاری وجہ سے دیگر انبیاء پر (امت کی) کثرت میں بڑھنا چاہتا ہوں"۔ "كان يا مرنا بالباءة وينهى عن التبتل نهيا شديداً ويقول: تزوجوا الولود الودود، فاني مكاثر بكم الانبياء يوم القيامة". (مسند احمد: ۱۲۶۳۴، صحیح ابن حبان: ۴۰۲۸) واضح رہے کہ عربی زبان میں تبتل کے معنی بے رغبت ہو کر شادی نہ کرنے کے آتے ہے۔ (المعجم الوسیط: مادۃ ب ت ل، ۱/۴۷)

شادی میں حفاظت نفس کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان اپنے آپ کو ایسے معاصی وفحش اعمال سے محفوظ کرلیتا ہے جو دنیا میں مہلک امراض اور آخرت میں عذاب عظیم کا موجب بنتے ہیں۔ قریبی دور میں سامنے آیا: "ایڈز" نامی لاعلاج مہلک مرض بھی جنسی بے راہ روی کی پیداوار مانا گیا ہے اور اس سے بچنے کا واحد راستہ شرمگاہوں کی حفاظت بتایا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے شرمگاہوں کی حفاظت کا ایک طریقہ نگاہیں نیچی رکھنا بیان کیا ہے۔ "قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ

خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ. وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ "۔ (نور:۳۰-۳۱) "اے نبی ﷺ، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں جھکا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔ اور اے نبی ﷺ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں جھکا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔"

آیتِ کریمہ میں شرم گاہوں کی حفاظت وعفت کے لئے غضِ بصر کو ایک وسیلہ بتایا گیا ہے، لیکن فرمان رسالت ﷺ میں شادی کر لینے کو، نگاہوں کے نیچے رکھنے اور شرمگاہوں کے محفوظ و پاکیزہ رکھنے کا کارگر و موثر ترین نسخہ قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے شادی کر لینی چاہئے کیونکہ شادی کی وجہ سے نگاہیں نیچی اور شرمگاہیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ البتہ جو شادی کی استطاعت نہیں رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ روزوں کا التزام کرے کیونکہ روزہ شہوتِ نکاح کو کاٹ دیتا ہے"۔ "یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَائَۃَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَاِنَّہٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرَجِ، وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَعَلَیْہِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّہٗ لَہٗ وِجَاءٌ"۔
(صحیح بخاری:۵۰۶۵، صحیح مسلم:۳۴۶۴)

ستر پوشی و پردہ داری

لباس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان اس کے ذریعہ سے اپنے قابل حیا جسمانی حصوں کو لوگوں سے چھپانا چاہتا ہے۔ ستر پوشی کا یہ اہتمام اس لئے ہے کہ خالق کائنات نے انسان کے وجدان و فطرت میں حیاء و شرم کا مادہ رکھا ہے اور یہ اس کے اشرف المخلوقات یا تکریم و اعزاز یافتہ مخلوق ہونے کا تقاضا بھی ہے۔ اس میں ایک ضمنی مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے بعض جسمانی و خلقی عیوب اور غیر طبعی

امور کو مخفی رکھنا چاہتا ہے جن کے بارے میں اسے قطعی گوارہ نہیں ہوتا کہ کوئی محرم یا قریب ترین رشتہ دار بھی ان پر مطلع ہوجائے۔

شادی یا ازدواجی زندگی میں زوجین کا ایک دوسرے کے لئے یہی کردار ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے لباس اور پردہ بن جاتا ہے۔ قرآن جب زوجین کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیتا ہے۔ (بقرہ: ۱۸۷) تو اس سے مراد یہی ستر پوشی واخفا کا عمل ہے۔ اس استنباط کی مزید تائید وتوثیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے رات کو بھی لباس قرار دیا ہے۔ کیونکہ رات اپنی تاریکی میں اشیاء واشخاص سبھی کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ارشاد باری ہے: ''وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاساً وَالنَّوْمَ سُبَاتاً وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوراً ''۔ (فرقان: ۴۷)

''اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس، اور نیند کو سکون موت اور دن کو جی اٹھنے کا وقت بنایا''۔ (وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاساً) (نبا: ۱۰) ''اور رات کو پردہ پوش بنایا''۔

سابقہ آیات کے تقابل سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کے نزدیک جو تعلق رات کا دنیائے انسانیت کے ساتھ ہوتا ہے، بعینہ وہی رابطہ یا تعلق زوجین کا آپس میں ہوتا ہے۔ ایک طرف قرآن کریم لباس کے لفظ کو رات کے پس منظر میں چھپانے اور ڈھانپ لینے کے معنی میں استعمال کرتا ہے تو دوسری طرف لباس ہی کے لفظ کو انسانی عورات کی پردہ پوشی کے لئے بھی استعمال کرتا ہے۔ ''يَا بَنِىْ آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً يُّوَارِىْ سَوْءَ اتِكُمْ وَرِيْشاً وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ''۔ (اعراف: ۲۶) ''اے اولادِ آدم، ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو اور بہترین لباس تقوی کا لباس ہے''۔ شاید زوجین کے مابین اسی رشتۂ ستر

پوشی واخفائے عیوب کا لحاظ کرتے ہوئے شریعت نے بہت سختی سے اس بابت نکیر فرمائی ہے۔ کہ زوجین میں سے کوئی اپنے شریک زندگی کے جسمانی اوصاف دوسروں کو بیان کرتا پھرے۔

زینت وآرائش

زینت کے لغوی معنی ہیں ہر وہ چیز شامل ہے جس سے خوبصورتی حاصل کی جاتی ہے۔ درحقیقت اس کے اطلاق میں وہ تمام اشیاء داخل ہیں جو انسان کو کسی طور سے بھی بھونڈا، یا بدشکل نہ بناتی ہوں۔ (لسان العرب، ابن منظور مصری رحمۃ اللہ علیہ مادہ زی ن:۱۴۳/۴) ہر انسان پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس دیدہ زیب ہو، باعث شرم وعار نہ ہو۔ آرائش وزیبائش کو پسند کرنا بشری جبلت ہے جس میں فی نفسہ کوئی حرج کی بات نہیں۔ ارشاد باری ہے: " قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ". (اعراف:۳۲) "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہو کس نے اللہ کی زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت میں نہیں داخل ہوگا ایسا شخص جس کے دل میں ذرّہ بھی کبر ہے۔ ایک آدمی نے یہ سن کر کہا: کوئی انسان پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اور اس کا جوتا خوبصورت نظر آئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ رب لعزت جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں، کبر تو یہ ہے کہ حق کو جان کر نہ مانا جائے اور لوگوں کی حق تلفی کی جائے۔ "لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر، فقال رجل: ان الرجل يحب ان يكون ثوبه حسنا ونعله حسنة، قال: ان

اللہ جمیل یحب الجمال، الکبر بطر الحق وغمط الناس". (صحیح مسلم: ۲۷۵) یہ سب فرمودات لباس انسانی سے متعلق ہیں۔

زوجین کے تعلق سے دیکھیں تو مرد وعورت دونوں پسند کرتے ہیں کہ ان کا شریک زندگی ان کیلئے باعث زینت وجمال ہو، نہ کہ سبب شرم وعار۔لیکن یہ زینت وجمال کس سطح کا ہو، اس بارے میں انسانی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ اس کو جسمانی حسن پر موقوف سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ مال وثروت پر، کچھ لوگ جاہ وعزت پر اور کچھ لوگ دینداری وتقویٰ پر۔ ارشاد نبوت ﷺ ہے: عورت کو چار وجوہات سے نکاح میں لیا جاتا ہے۔ مال کے سبب، خاندانی عزت کے سبب، خوبصورتی کے سبب اور دینداری کے سبب۔تم دیندار خاتون کو عقد نکاح میں لے کر کامیاب ہو جاؤ، اللہ تمہارے ہاتھ خاک آلود رکھے!" (تنکح المرأة لاربع: لما لها ولحسبها ولجمالها ولدينها ، فاظفر بذات الدين تربت يداك). (صحیح بخاری: ۵۰۹۰، صحیح مسلم: ۳۷۰۸) واضح رہے کہ حدیث میں عورت کے نکاح کا تذکرہ عادت وعرف کا لحاظ کرتے ہوئے آیا ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک اچھے شوہر کے انتخاب میں بھی اس حدیث کو مشعل راہ نہ بنایا جائے۔ حدیث میں مذکورہ چاروں چیزیں مال، عزت، حسن اور دین اپنی اپنی قسم کے تمام اجزاء واشکال پر محیط ہیں۔جس طرح مال کے مفہوم میں دولت وثروت کی تمام شکلیں شامل سمجھی جاتی ہیں، اسی طرح عزت وجاہ کے عموم میں تعلیمی لیاقت اور علمی ڈگریاں کو بھی داخل مانا جائے گا۔

سابقہ آیات واحادیث کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح کسی خوش رو انسان کی خوش لباسی اس کے حسن وکشش میں اضافہ کرتی ہے، بالکل اسی طرح زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کی زینت وجمال میں اضافہ کا سبب بنتا ہے اور اسے بننا چاہئے۔

مشکلات زندگی میں مدد و معاونت

ہر انسان اپنے لئے وہ لباس اختیار کرتا ہے جو اس کی مخصوص تجارت و عمل میں مدد و معاون ہو، حارج نہ ہو۔ کچھ لوگ اپنے کام اور پیشہ کے مدنظر تنگ اور چست لباس پہنتے ہیں جب کہ کچھ لوگ اپنی تجارت و حرفت ہی کی وجہ سے ڈھیلا ڈھالا لباس اختیار کرتے ہیں۔ یہ ایک معمول و مجرب حقیقت واقعہ ہے جس کو بآسانی اپنے آپ پر غور کر کے جانا جاسکتا ہے۔ لباس کے اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر مختلف سرکاری محکموں و حکومتی شعبوں کی وردیوں اور پوشاکوں کا تعین بھی کیا جاتا ہے۔

شادی میں شریک حیات کے انتخاب میں بھی انسان کوشش کرتا ہے کہ اسکو ایسا ساتھی ملے جو امور زندگانی میں بہترین معاون و مددگار ثابت ہو سکے۔ چنانچہ بسا اوقات ترجیح کا پیمانہ جائیداد و بینک بیلنس ٹھہرتا ہے اور کبھی اونچی نوکری اور موٹی تنخواہ کچھ لوگوں کی نظر امور خانہ داری میں مہارت پر ہوتی ہے جب کہ دیگر کچھ حضرات اپنے ہم پیشہ تعلیم یافتہ ساتھی کا جوڑ پسند کرتے ہیں۔ جس طرح لباس کے انتخاب میں پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ امور و معاملاتِ زندگی میں کار آمد و مفید ثابت ہو، اسی طرح انسان کو شریک حیات کے انتخاب میں بھی اس پہلو کی رعایت رکھنے کا حق ہے، بشرطیکہ شرعی ضوابط و حدود میں رہتے ہوئے ایسا کیا جائے۔

ارشاد باری ہے: ''وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ''۔ (مائدہ:۲)

'جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے''۔

لباس کے اوصاف

مناسبت وموافقت

انسان اپنے لباس کے لئے ایسا کپڑا اور سلائی کا ایسا انداز اختیار کرتا ہے جو اس کے مقصود کو پورا کرے اور ساتھ ہی اس کی قامت پر جچ سکے۔ لباس کا بیحد لمبا یا چھوٹا ہونا، بیحد تنگ یا ڈھیلا ہونا اس کو بے ہنگم و معیوب بنا دیتا ہے۔ لہٰذا لباس کا جسم انسانی کے موافق و مناسب ہونا حد درجہ ضروری ہے۔ بالکل اسی انداز میں مرد وعورت میں سے ہر ایک کو اپنے رفیق حیات کے انتخاب میں مناسبت و موافقت کے اس پہلو کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ انسان بیشتر اوقات حرص و ہوس میں اندھا ہو کر اپنی ذاتی مناسبت کو فراموش کر جاتا ہے اور ہر جگہ اپنی استطاعت و مناسبت سے کہیں زیادہ کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ دیگر امور و معاملات میں بھی یہ حریصانہ رویہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ لیکن رفیق زندگی کے انتخاب میں اسکی مضرت متعدی کئی گنا زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ حسن و جمال، دولت و غنا، عزت و جاہ اور علم و فضل میں زوجین کی باہمی عدم مناسبت و عدم موافقت بالآخر سنگین نتائج کا باعث بن جاتی ہے، جس کے مضر اثرات کئی خاندانوں اور نسلوں تک کو اپنی گرداب میں لے لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں دانش مندانہ رویہ یہی ہے کہ شریک سفرِ حیات کے اختیار میں پوری سچائی ودیانت داری اور کامل واقعیت پسندی و عملیت کا مظاہرہ کیا جائے۔ اس قرآنی تشبیہ کا ایک پیغام یہ بھی ہے۔

نوع واصل

لباس کے لئے لوگ اپنی اپنی طبیعت، علم یا دینداری کے مطابق مختلف الاصل مختلف النوع (مثلاً اونی، سوتی، ریشمی وغیرہ) کپڑوں کو پسند کرتے ہیں۔ ہر شخص

اپنے لئے خوب سے خوب تر کی تلاش بسیار کرتا ہے۔ جو کہ درست بھی ہے۔ شادی کے لئے بھی انسان اسی طرح تلاش بسیار کرتا ہے اور اہل علم واہل تجربہ سے افضل ترین رشتہ کے بارے میں صلاح مشورہ کرتا ہے۔ ایک آدمی نے نواسۂ رسول حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: میری ایک بیٹی ہے میں اس کی شادی کس سے کروں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: جو اللہ سے ڈرنے والا ہوں اس سے شادی کردو، کہ اگر وہ تمہاری بیٹی سے محبت کرے گا تو اکرام واعزاز میں رکھے گا اور نفرت کرے گا تو خدا کا خوف اسے ظلم نہیں کرنے دیگا"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۸/۷)

اس سلسلے میں قرآن کریم سب سے زیادہ مکرم وشریف شخص اس کو قرار دیتا ہے جو زیادہ سے زیادہ اپنے رب سے ڈرنے والا ہو "یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ "۔ (حجرات:۱۳) "لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے"۔ (زکی الرحمان غازی اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ کا مضمون مجلس میں پڑھ کر سنایا گیا)

☆☆☆

غیبت کسے کہتے ہے؟

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَةُ، قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ اَفَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْ اَخِيْ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہ سے) فرمایا کہ تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (غیبت یہ ہے کہ تو) اپنے بھائی کو اس طریقہ سے یاد کرے جو اسے برا لگے۔ اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہی ہو جو میں بیان کر رہا ہوں (تو اس کا کیا حکم ہے) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو نے بھائی کا وہ عیب بیان کر دیا جو (اس میں ہے) تب تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر تو نے اس کے بارے میں وہ بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو تو نے اسے بہتان لگایا“۔

(مشکوۃ المصابیح، ص: ۴۱۲، از مسلم)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ غیبت یہ ہے کہ کسی کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ اسے ناگوار ہو اس سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہوگئی جو کسی کی برائی کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ ہم نے غلط تو نہیں کہا جو کچھ کہا ہے درست کہا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو کوئی برائی یا عیب کسی کے اندر موجود ہو پھر اس کو بیان کرو گے تو غیبت ہوگی اور اگر اس کے اندر وہ خرابی اور برائی نہیں ہے جو بیان کر رہے ہو تو یہ بہتان ہوگا، جو غیبت سے بھی زیادہ سخت ہے۔ بعض جاہل کہتے ہیں کہ میں اس کے منہ پر کہہ دوں گا، یا میں نے اس کے منہ پر کہا ہے، پیچھے پیچھے غیبت نہیں کی ہے، یہ دلیل شیطان نے سجھائی ہے، اس دلیل سے غیبت کرنا جائز نہیں ہو جاتا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ کسی کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ اسے ناگوار ہو، معلوم ہوا کہ گناہ کی بنیاد دل دکھانے اور ناگوار ہونے پر ہے، سامنے برائی کی جائے تب گناہ ہے، منہ پر کی جائے تب گناہ ہے۔

کیا کیا چیز غیبت ہے؟

علماء نے فرمایا ہے کہ کسی کے گناہ کا ذکر کرنا، کپڑے میں عیب بتانا، نسب میں کیڑے ڈالنا، برے القاب سے یاد کرنا، اس کی اولاد کو کالا بے ڈھنگا بتانا اور ہر وہ چیز جس سے دل دکھے، اس سب کا کرنا حرام ہے اور غیبت میں داخل ہے۔

عورتوں میں یہ بڑا مرض ہے کہ بات بات میں نام دھرتی ہیں اور طعن و تشنیع کرتی ہیں، جہاں دو چار مل کر بیٹھیں عیب لگانے شروع کر دیئے، فلاں کالی ہے اور وہ پھوڑیا ہے اور وہ چندھی ہے، اسے خاندان کے رسم و رواج کا علم نہیں، کپڑے ڈھنگ کے نہیں پہنچتی نہ کپڑا سینا جانتی ہے نہ کاٹنا، بس پان کھانے کے سوا کچھ نہیں جانتی، ایسی ہے ویسی ہے، یہ سب باتیں سراسر غیبت ہیں۔

غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیبت زنا سے زیادہ سخت (گناہ اور وبال کی چیز ہے) صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ ارشاد فرمایا زانی توبہ کرتا ہے خدا اس کی توبہ کو قبول کر لیتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے اور غیبت والے کی اس وقت تک بخشش نہ ہوگی، جب تک وہ شخص خود معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

غیبت کرنا مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے

قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْراً مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضاً اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتاً فَکَرِھْتُمُوْہُ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ''۔ (سورہ حجرات:۱۲)

''اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، سو اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے''۔

غور فرمائیں قرآن مجید کی اس آیت میں غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے۔ پس جب کسی کی غیبت کی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے موت کے بعد اس کا گوشت کھایا، مطلب یہ ہے کہ جس طرح مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے طبعاً نفرت ہے ایسا ہی اس کی غیبت سے سخت نفرت ہونی چاہئے۔

احیاء العلوم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے (غیبت کر کے) دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا آخرت میں اس کا (جسم والا گوشت) غیبت کرنے والے کے قریب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کو کھالے، اس حالت میں کہ وہ مردہ ہے، جیسا کہ تو نے اس کا زندگی کی حالت میں گوشت کھایا تھا۔ اس کے بعد وہ اس گوشت کو کھائے گا اور چیختا جائے گا اور اپنا منہ بگاڑتا جائے گا۔

حضرت عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو عورتوں نے روزہ رکھا تھا، ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں دو عورتیں ہیں، جنہوں نے روزہ رکھا ہے اور قریب ہے کہ وہ پیاس سے مر جائیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی، وہ شخص دوپہر کے وقت پھر آیا اور عرض کیا یا نبی اللہ! اللہ کی قسم وہ مر چکی ہیں یا مرنے کے قریب ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کو بلاؤ، چنانچہ دونوں حاضر ہو گئیں۔ اور ایک پیالہ لایا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک عورت سے فرمایا تے کر چنانچہ اس نے تے کی، تو پیپ اور خون یا گوشت کے ٹکڑے نکلے۔ جس سے آدھا پیالہ بھر گیا، پھر دوسری عورت کو تے کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس نے بھی پیپ اور خون اور ادھ کچرے گوشت وغیرہ کی تے کی، یہاں تک کہ پورا پیالہ بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں نے حلال چیزوں کو ترک کر کے روزہ رکھ لیا اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی تھیں ان کے چھوڑنے کا روزہ نہ رکھا بلکہ اس میں مشغول رہیں۔

☆☆☆

زبان کے گناہ اور ان سے حفاظت

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّضْمِنُ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ. (رواہ البخاری)

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے لئے اس چیز (کی حفاظت) کا ضامن بن جائے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور جو اس کی دونوں رانوں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں''۔

(مشکوۃ المصابیح ص:۴۱۱، از بخاری)

تشریح: اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے۔ جو شخص ان کی حفاظت کرے اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے داخلہ کی ضمانت دی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو لوگوں کو جنت میں کیا چیز سب سے زیادہ

داخل کرانے والی ہے؟ (پھر خود ہی جواب دیا کہ) اللہ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق اختیار کرنا (سب سے زیادہ جنت میں داخل کرانے والی چیزیں ہیں) پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو لوگوں کو دوزخ میں سب سے زیادہ داخل کرانے والی کیا چیز ہے؟ (اس کے بعد خود ہی جواب دیا کہ) سب سے زیادہ دوزخ میں داخل کرانے والی چیز منہ اور شرمگاہ ہے۔ (مشکوۃ) منہ یعنی زبان اور شرمگاہ کے گناہ بہت خطرناک ہیں ان دونوں کی حفاظت نہ کرنے سے دوزخ کے داخلہ کا سامان بن جاتا ہے اور دوزخ کے داخلہ کا زیادہ تر سبب انہی دو چیزوں کے اعمال ہوتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہما۔

بہت سے لوگ شرمگاہ کی تو حفاظت کر لیتے ہیں مگر زبان کی حفاظت میں بہت کوتاہی اور کم ہمتی دکھاتے ہیں اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ حفاظت زبان کے موضوع کو قدرے تفصیل سے لکھا جائے۔

انسان کے اعضاء میں زبان بھی ہے، لیکن اس کو بہ نسبت دوسرے اعضاء کے خاص قسم کی اہمیت حاصل ہے، اعضاء انسانی میں زبان سب سے اچھی چیز ہے اور سب سے بری چیز ہے۔ اللہ کا نام زبان سے لیا جاتا ہے اسلام کا کلمہ اسی سے پڑھا جاتا ہے، قرآن کی تلاوت اسی سے ہوتی ہے، خیر کی دعوت اسی سے دی جاتی ہے اور دوسرے اعضاء سے جو نیکاں ہوتی ہیں ان میں بھی عموماً کسی نہ کسی طرح زبان کی شرکت ہوتی ہے۔ اور اس کے برعکس زبان ہی سے کفر کا کلمہ نکلتا ہے اور شرکیہ الفاظ صادر ہوتے ہیں اور اس سے گالی دی جاتی ہے، لعنت کی جاتی ہے، غیبت کی جاتی ہے، چغلی ہوتی ہے، جھوٹ بولا جاتا ہے، جھوٹی قسم کھائی جاتی ہے، جھوٹی گواہی دی جاتی ہے۔

پس زبان کی حفاظت کی بہت زیادہ ضرورت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ بندہ کبھی اللہ کی رضامندی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ دیتا ہے کہ جس کی

طرف اسے دھیان بھی نہیں ہوتا، اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے بہت سے درجات بلند فرما دیتا ہے اور بلاشبہ بندہ کبھی اللہ کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ گزرتا ہے کہ اسکی طرف اس کا دھیان بھی نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے دوزخ میں گرتا چلا جاتا ہے۔ (بخاری)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ انسان اپنی زبان کی وجہ سے اس سے بھی زیادہ پھسل جاتا ہے جتنا اپنے قدم سے پھسلتا ہے۔ (بیہقی شعب الایمان)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو سب اعضاء عاجزی کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ تو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تجھ سے متعلق ہیں (یعنی ہماری خیر و عافیت و دکھ تکلیف تجھ سے متعلق ہے) پس اگر تو ٹھیک رہی تو ہم ٹھیک رہیں گے اور اگر تجھ میں کجی آ گئی تو ہم میں بھی کجی آ جائے گی۔ (ترمذی)

کجی ٹیڑھے پن کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تو ٹیڑھی چلی اور تو نے بے راہی اختیار کی تو ہماری بھی خیر نہیں، دیکھو گالی زبان دیتی ہے اور اس کے عوض جوتا سر پر پڑتا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ نجات کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ زبان کو قابو میں رکھو اور اپنے گھر میں اپنی جگہ رکھو (یعنی زیادہ تر اپنے گھر ہی رہو، باہر بہت کم نکلو کیونکہ گھر کے باہر بہت سے فتنے ہیں) اور اپنے گناہ پر رویا کرو۔ (ترمذی)

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو مجھ سے سب سے زیادہ کس چیز کا خوف ہے؟ آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا کہ سب سے زیادہ اس کا خوف ہے۔ (ترمذی)

ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ زبان کی بہت زیادہ حفاظت کی ضرورت ہے۔ مومن بندوں پر لازم ہے کہ اپنی زبان کو ہر وقت ذکر وتلاوت میں مشغول رکھیں، اور بقدر ضرورت تھوڑی بہت دنیاوی ضرورتوں کیلئے بھی بات کرلیا کریں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ مت بولا کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بولنا دل میں سختی پیدا ہونے کا سبب ہے اور اللہ سے سب سے زیادہ دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (ترمذی)

ایک اور حدیث میں یہ فرمایا کہ انسان کی ہر بات اس کے لئے وبال ہے، نفع دینے والی نہیں ہے سوائے اس کے کہ امر بالمعروف کرے (یعنی نیکیوں کا حکم دے) یا نہی عن المنکر کرے (یعنی برائیوں سے روکے) یا اللہ کا ذکر کرے۔ (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ جس بات کے کرنے میں گناہ نہیں ہے اور ثواب بھی نہیں جس کو کلام مباح کہتے ہیں اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ وہ بھی وبال کا باعث ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جتنی دیر میں یہ بات کی ہے اتنی دیر میں ذکر اور تلاوت اور درود شریف میں مشغول ہو کر جو ثواب اور بلند درجات حاصل ہو سکتے تھے ان سے محرومی ہوگئی، دوسرا نقصان یہ ہے کہ ذکر اللہ کے علاوہ زیادہ بولنے سے دل میں سختی آجاتی ہے اور تجربہ کیا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے دل کی نورانیت ختم ہوجاتی ہے۔

اور یہ بھی تجربہ کی بات ہے کہ زیادہ بولنے والا اگر جائز بات بھی کر رہا ہو تو بولتے بولتے گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، یعنی اس کی زبان سے تھوڑی ہی دیر میں ایسی باتیں نکلنی شروع ہوجاتی ہیں جو گناہ کی باتیں ہوتی ہیں، مثلاً کوئی جھوٹی بات نکل جاتی ہے اور یہ تو بہت زیادہ ہوتا ہے کہ باتیں کرتے کرتے خواہ مخواہ کسی کی غیبت شروع ہوجاتی ہے، لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ انسان خاموش رہے، یا اللہ کا ذکر کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی کی وفات ہوگئی تو ایک شخص نے کہا کہ تجھے جنت کی خوشخبری ہے، یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنت کی خوشخبری دے رہے ہو حالانکہ تمہیں معلوم نہیں کہ اس نے کوئی لایعنی بات کی ہوگی، یا ایسی چیز خرچ کرنے سے کنجوسی کی ہوگی جس کے خرچ کرنے سے نقصان نہیں ہوتا۔ (ترمذی) مثلاً علم دین سکھا دینا یا زکوۃ دینا وغیرہ۔

مَنْ صَمَتَ نَجَا. (بخاری) ''یعنی جو خاموش رہا اس نے نجات پائی''۔

☆☆☆

حضرت رابعہ بصریہ کا زہد و تقویٰ

جعفر بن سلیمان نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ مجھے اس مؤدبہ اور مربیہ خاتون کے پاس لے چلو جس سے جدا ہو کر مجھے چین نہیں ملتا، چنانچہ جب ہم حضرت رابعہ کے پاس پہنچے تو حضرت سفیان ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے اے اللہ میں تجھ سے سلامتی کا طلب گار ہوں، حضرت رابعہ یہ سن کر رونے لگی، حضرت سفیان نے دریافت کیا کہ آپ کس بات پر رو رہی ہیں؟ کہنے لگیں کہ تمہاری ہی بات پر رونا آرہا ہے، حضرت سفیان نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمانے لگیں کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دنیا سے سلامتی اس کی تمام چیزوں کو چھوڑ دینے میں ہے تو تم کو سلامتی کیسے حاصل ہو سکتی ہے، جب کہ تم دنیا میں ملوث ہو۔

اللہ کے یہاں تقرب کا ذریعہ

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ بصریہ سے دریافت کیا کہ بندے کو کس چیز کے ذریعہ اللہ کے یہاں سب سے زیادہ تقرب حاصل ہوتا ہے؟ حضرت رابعہ یہ سن کر رونے لگیں اور کہنے لگیں کہ مجھ جیسی سے اس کے متعلق پوچھا

جارہا ہے؟ پھر فرمایا کہ بندے کے لئے اللہ کے یہاں سب سے زیادہ تقرب والی چیز یہ ہے کہ اللہ جان لے کہ یہ بندہ اللہ کے سوا دنیا وآخرت کی کسی چیز کا خواہاں نہیں ہے یعنی دنیا وآخرت دونوں میں اس کا محبوب ومطلوب صرف اللہ ہی ہو۔

(ذکر النسوۃ المتعبدات الصوفیات)

دنیا اس کے مالک سے مانگنے میں بھی مجھے شرم آتی ہے

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریہ سے ہوئی تو ان کو انتہائی خستہ حالت میں دیکھ کر فرمایا کہ اے ام عمرو (حضرت رابعہ کی کنیت) آپ کی یہ خستہ حالی اور بدحالی جو میں دیکھ رہا ہوں اگر آپ اپنے فلاں پڑوسی کے پاس جائیں تو وہ اسے دور کردے گا، حضرت رابعہؒ نے کہا کہ سفیان! تم میری کیا خستہ حالی اور بدحال دیکھ رہے ہو؟ کیا میں اسلام پر نہیں ہوں؟ اسلام ایک ایسی عزت ہے جس کے ساتھ کوئی ذلت ورسوائی نہیں، اسلام ایک ایسی دولت ہے جس کے ساتھ کوئی فقر نہیں، اور اسلام ایسی انسیت ہے جس کے ساتھ کوئی وحشت نہیں، بخدا مجھے تو اس ذات سے بھی دنیا مانگتے ہوئے شرم آتی ہے جو دنیا کا حقیقی مالک ہے تو دنیا کا ایسے شخص سے سوال کیسے کرسکتی ہوں جو اس کا مالک ہی نہیں ہے، حصرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ یہ جواب سن کر یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ایسی بات تو میں نے سنی ہی نہیں تھی۔ (وفیات الاعیان:۱/۳۲۸)

حرام کھلایا تو معاف نہیں کروں گی

حضرت رابعہ نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان آپ نے مجھے اگر حرام مال کھلایا تو میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی، باپ نے کہا کہ اگر حرام کے سوا مجھے

کچھ نہ ملے تب؟ حضرت رابعہؒ نے جواب دیا کہ ہم دنیا میں بھوک پر صبر کر لیں گے یہ ہمارے لئے آخرت میں آگ پر صبر کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ (وفیات الاعیان:۱؍۳۲۸)

حضرت رابعہ کا مجاہدہ

حضرت رابعہ بصریہؒ کی خادمہ عبدہ بنت ابی شوال کہتی ہیں کہ حضرت رابعہؒ کا ہمیشہ کا یہ معمول تھا کہ وہ رات بھر نمازیں پڑھا کرتی تھیں اور جب صبح صادق ہو جاتی تو تھوڑی دیر کے لئے سو جاتیں اور اسفار (اجالا) ہوتے ہی وہ گھبرا کر اپنی خوابگاہ سے یہ کہتی ہوئی اٹھ پڑتیں کہ اے نفس تو کتنا سوئے گا؟ اور کب اٹھے گا؟ عنقریب ہی تجھے ایسی نیند سونا ہے جس سے قیامت تک کے لئے نہیں اٹھ سکے گا۔

(سیر اعلام النبلاء:۸؍۲۴۲، وفیات:۱؍۳۲۹)

محبوب کے ساتھ خلوت

جب رات کی تاریکی پھیل جاتی اور ہر طرف سناٹا ہو جاتا تو حضرت رابعہؒ اپنے گھر کی چھت پر کھڑی ہو کر اپنے رب کے ساتھ مناجات میں مشغول ہو جاتیں اور کہتیں کہ الٰہی آوازیں خاموش ہو گئیں ہر طرف سناٹا چھا گیا، چہل پہل تھم گئی اور ہر کوئی اپنے اپنے محبوب کے ساتھ خلوت اختیار کر چکا ہے، اے میرے محبوب اور میں نے آپ کے ساتھ خلوت و تنہائی اختیار کی ہے لہٰذا میری آج کی اس رات میں اپنے ساتھ خلوت کو جہنم سے خلاصی کا ذریعہ بنا دے۔ (وفیات الاعیان:۱؍۳۲۸)

ہائے غم کی کمی

ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہؒ کے پاس کہنے لگے ہائے غم! (یعنی آخرت کا غم و فکر)، حضرت رابعہؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ جھوٹ نہ بولو بلکہ یہ

کہو ہائے غم کی کمی! اس لئے کہ اگر تم غمگین اور فکر مند ہوتے تو تمہارے لئے سانس لینا بھی آسان نہ ہوتا، یا یہ کہا کہ اگر غم وفکر ہوتا تو یہ خوش عیشی اور زندگی کا مزہ کہاں ہوتا۔ (وفیات الاعیان: ۱/۳۲۸، صفۃ الصفوۃ)

جس کی خاطر محبت ہے اس کی نافرمانی نہ کرو

ایک عورت حضرت رابعہ بصریہؒ سے کہنے لگی کہ میں اللہ کے واسطے آپ سے محبت کرتی ہوں، حضرت رابعہؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تو تم اس ذات کی اطاعت کرو جس کی خاطر مجھ سے محبت کرتی ہو۔

اسی طرح ایک مرد نے آکر یہی بات حضرت رابعہؒ سے کہی تو حضرت رابعہؒ نے فرمایا کہ اس ذات کی نافرمانی نہ کرو جس کیلئے مجھ سے محبت کی ہے۔ (وفیات الاعیان)

حضرت رابعہؒ کی نصیحت

حضرت رابعہ بصریہ حتی الوسع اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتی تھیں چنانچہ وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میرے جو اعمال لوگوں کے سامنے ظاہر ہوگئے میں انہیں کچھ شمار نہیں کرتی ہوں اور وہ فرمایا کرتی تھیں کہ تم لوگ اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپاؤ جیسے اپنے گناہ چھپاتے ہو۔ (وفیات الاعیان: ۱/۳۲۸)

نکاح کی فضیلت اور زنا کی نحوست

قرآن حکیم میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيْلًا“ . اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے۔

نبی اکرم ﷺ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو اس کا بھی عہد لیتے تھے کہ بدکاری نہ کریں گی۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:”وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ“. وہ بدکاری نہ کریں گی اور نہ دختر کشی کریں گی اور نہ ایسا افترا باندھیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان تراشا ہوگا۔

زنا کے بعد شرور وفتن، قتل وخون کا بازار گرم ہو جاتا ہے، اخلاق کی مٹی پلید اور ملک کا معیار اخلاق پست ہو جاتا ہے، زنا کار قوم کی عظمت ووقعت کا قصر رفیع زمین بوس ہو جاتا ہے، عزت وشوکت ختم ہو جاتی ہے، امن وامان رخصت ہو جاتا ہے، صحت برباد ہو جاتی ہے متعدد بیماریاں جنم لے لیتی ہیں۔

”وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا“ (الفرقان:۶۷) ”وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور جس شخص کا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور جو شخص ایسے برے کام کریگا تو اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا“۔

آیت مذکورہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ کے نزدیک کفر و شرک اور قتل ناحق کی طرح زنا بھی عظیم جرم ہے، چنانچہ حدیث پاک میں فرمایا گیا: ”لَا یَزْنِیْ الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ اِیَّاکُمْ اِیَّاکُمْ“ . زنا کار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا بچو بچو۔ (مشکوۃ باب الکبائر)

بندہ جب زنا کرتا ہے اس وقت ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سایہ بن کر ہوتا ہے اور زانی جب فعل زنا سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان اس کی طرف پلٹ آتا ہے۔ زنا اس قدر معیوب فعل ہے کہ اس وقت ایمان کانپ اٹھتا ہے اور قلب چھوڑ دیتا ہے۔ (ابن کثیر جلد:۲،ص:۳۸)

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ایک روایت نقل کی ہے جس کے راوی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا بیان ہے کہ ایک نوجوان خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے زنا کی اجازت دیدی جائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اس کی گستاخی بہت بری معلوم ہوئی، چنانچہ اس کو سبھی نے ڈانٹا اور اس کے سوال پر نفرت کا اظہار کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوان سے فرمایا قریب آجاؤ وہ قریب آگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گیا، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سمجھانے کے لئے سوال وجواب شروع کردئے، آپ نے سوال کیا، کیا تم یہ پسند کروگے کہ کوئی تمہاری ماں کے ساتھ زنا کرے؟ اس نے

جواب میں کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ایسے ہی دوسرے لوگ اپنی ماں کے ساتھ زنا کو پسند نہیں کرتے۔

(۱) ماں کی مثال کے ساتھ ساتھ آپ نے دوسرے رشتوں (۲) بیٹی (۳) بہن (۴) پھوپھی (۵) خالہ کی بابت بھی سوال کیا کہ کیا ان میں سے کسی کیلئے پسند کرتے ہو؟ کہ کوئی ان سے زنا کرے، اس شخص نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسے ہی دوسرے لوگ بھی اپنی ماں، بہن لڑکی پھوپھی خالہ کے لئے پسند نہیں کرتے، کہ ان کے ساتھ زنا کیا جائے، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اور دعا فرمائی اے اللہ اس کے گناہ معاف کردے اس کا دل پاک کردے، اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما، اس تقریر اور دعا کے بعد اس کو زنا کا خیال بھی نہیں گذرا۔

زنا سے پورا معاشرہ گندا ہوجاتا ہے اور دین و دنیا برباد ہوجاتی ہے ذیل میں زنا کے کچھ مفاسد بیان کیے جاتے ہیں۔

"مَامِنْ ذَنْبٍ بَعْدَ الشِّرْكِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ مِنْ نُطْفَةٍ وَضَعَهَا رَجُلٌ فِيْ رَحْمٍ لَا يَحِلُّ لَهُ". (ابن کثیر جلد:۳، ص:۳۸) شرک کے بعد کوئی گناہ اس نطفہ سے بڑھ کر نہیں ہے جس کو کوئی شخص کسی ایسے رحم میں رکھے جو شرعاً اس کیلئے حلال نہیں۔

مفاسدِ زنا

۱- زنا سے نسب مختلط اور مشتبہ ہوجاتا ہے۔

۲- ولد الزنا کی پرورش کا مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔

۳- معاشرہ میں ایسی عورت کو حقیر اور ذلت آمیز نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

۴- خود ماں ہی زنا کی اولاد کو مار ڈالتی ہے یا پھینک دیتی ہے جس کی بے شمار زندہ مثالیں موجود ہیں۔

۵- رشتوں کا تقدس پامال ہوجاتا ہے۔

۶- ایسی عورت کا اگر سوسائٹی میں لوگوں کو علم ہو جائے تو اس کے نکاح کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اور کوئی اس سے نکاح پر تیار نہیں ہوتا اور شادی شدہ عورتوں کے لئے طلاق کی نوبت آجاتی ہے۔ بہت سے میاں بیوی کے درمیان جدائی وطلاق زنا کی بدولت واقع ہوتی ہے۔

۷- زنا کار عورت کسی ایک مرد کی ہو کر نہیں رہتی بلکہ ہر شخص بد کی بدنگاہیں اس پر پڑتی ہیں اور ہر شخص اس کو اپنی تکمیل ہوس کا شکار بنانے لگتا ہے۔

۸- زنا کی کثرت سے کوئی قانون ضابطہ نہیں رہتا آوارہ گردی اور حقوق تلفی رواج پاتی ہے کہ کوئی مرد، عورت کسی کے پاس بھی جائے۔

۹- محبت والفت نہیں رہتی، خود غرضی کا دور دورہ ہو جاتا ہے

۱۰- باہمی محبت ، اولاد کی تعلیم وتربیت ، گھر باہر کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔

۱۱- زنا سے شرم وحیا کا جنازہ نکل جاتا ہے، مرد وعورت بے شرمی وبے حیائی پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔

۱۲- زنا کار اپنے والدین ، خاندان اعزا اقربا ورشتہ داروں کی عزت پر بھی بٹہ لگاتے اور معاشرہ میں ان کو ذلیل کرتے ہیں، ان کی ذلت ورسوئی کے ساتھ دلوں کو ٹھیس اور تکلیف بھی پہنچاتے ہیں۔

۱۳- زنا سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے، بعض نیک اعمال کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور ایمان کے سلب ہو جانے کا خطرہ بھی ہے، جو لوگ دوسروں کی ماں بہن بیٹی کی عصمت وعزت لوٹنے کی جستجو میں لگے رہتے ہیں ان کی ماں بہن بیٹیوں کی عصمت وعزت بھی محفوظ نہیں رہتی، جو دوسروں کی بہو بیٹیوں کو تکتے ہیں تو ان کی بہو بیٹیوں کو بھی تکا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ "۔ (النور:۲۶)

"گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور صاف ستھری عورتیں صاف ستھری مردوں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں"۔

اس آیت پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا کار مرد کیلئے زنا کار عورتیں ہیں اور بدکار عورتوں کیلئے بدکار مرد ہیں۔ (یعنی بدکاروں کو بدکار ہی نصیب ہوتے ہیں۔)

" اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ. (النحل:۹۰) "بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو"۔

زانی کا فعل خود اپنے اوپر بھی ظلم ہے کہ اس سے اخلاق واعمال مٹی پلید ہوجاتی ہے خون اور روپیہ بے فائدہ ضائع ہوتا ہے مادہ تولید جو باعث افزائش نسل انسانی ہے ناحق برباد ہوتا ہے، صحت پر ناخوش گوار اثر پڑتا ہے ذلت ورسوائی ہوتی ہے زانی خوف وہراس میں مبتلا رہتا ہے، حزن وملال سے دوچار ہوتا ہے، متعدی امراض شوزاک، آتشک، ایڈس وغیرہ جیسی بیماریوں کے خطرہ میں اپنے آپ کو گرفتار کرنا پڑتا ہے، بے حیائی، فریب کاری، جھوٹ، بدنیتی، خودغرضی، نفسانی خواہش کی غلامی، ضبط نفس کی کمی، خیالات کی آوارگی اور بیسیوں جسمانی ذہنی اور روحانی امراض میں زنا آدمی کو مبتلا کردیتا ہے۔

زنا اپنے خاندان پر بھی ظلم ہے کہ زنا کار خاندانی عزت کو داغ لگاتا ہے پھر خاندان کیلئے برائی کا ایک نمونہ قائم کرتا ہے، اہل خاندان اور اپنے بال بچوں کیلئے زنا

کی شاہرہ بنا تا ہے، زنا نسوانی عفت وعصمت کی لوٹ ہے، زانی عورت کے خاندان والوں ، ماں باپ بھائی وغیرہ کو بھی رسوا کرتا ہے جس کی بدولت بسا اوقات خوں ریزی، قتل وغارت گری خودکشی تک انہی رسوائیوں کی بدولت نوبت آجاتی ہے۔

زنا بچے پر بھی ظلم ہے زنا کی بدولت یا تو اس کو بے سہارا کہیں ڈال دیا جاتا ہے یا قتل کر دیا جاتا ہے اس کی تعلیم وتربیت ونگرانی کی ذمہ داری کا کوئی مرکز باقی نہیں رہتا۔ یہ سیاہی زندگی بھر اس کی پیشانی پر لگی رہتی ہے۔ اور کبھی امراض خبیثہ گونگے ، بہرے، اپاہج پن وغیرہ امراض اسی بدکاری کی وجہ سے لگ جاتے ہیں۔

زنا کا لفظ تو ایک بسیط مختصر سا لفظ ہے لیکن اس کے مفاسد کا دائرہ خاندانوں اور قوموں کو اپنے احاطہ میں عموماً لے لیتا ہے۔

اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تُسْرِفُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصِنَةً“. (مشکوۃ) اللہ تعالیٰ کا نہ کسی کو شریک ٹھہراؤ نہ چوری کرو نہ زنا کرو اور نہ کسی پاک دامن کو زنا سے متہم کرو۔

آپ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یعنی اکبر الکبائر کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنانا، حالانکہ اس نے ہی پیدا کیا اس شخص نے پوچھا اس کے بعد پھر کونسا کام؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے بچہ کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ وہ ساتھ کھائے گا، اس شخص نے پوچھا پھر کونسا یا رسول اللہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان تزنی حليلة جارك“۔ (بخاری باب اثم الزناۃ) تیرا اپنے پڑوسی کی عورت کے ساتھ زنا کرنا۔ ایک حدیث میں ہے اپنے پڑوس میں چوری یا زنا کرنا دس گنا گناہ ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ میں لوگ زیادہ تر اپنی زبان اور اپنی شہوت کی دولت ڈالے جائیں گے۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تم دو چیزوں کی ضمانت مجھے دے دو، میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوں ایک تو وہ جو دونوں جبڑوں کے درمیان ہے۔ (یعنی زبان) دوسرے وہ جو تمہاری دونوں رانوں کے درمیان ہے۔ (یعنی نفس)

ارشاد فرمایا یہ سب قیامت کی علامتیں ہیں۔ (۱) علم کا اٹھ جانا (۲) جہالت کا عام ہونا (۳) شراب کا پینا (۴) زنا کاری کا پھیل جانا (۵) اور یہ کہ مردوں کی تعداد کم پڑ جائے تا آنکہ پچاس عورتوں کا ذمہ دار صرف ایک مرد باقی رہ جائے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "مَا ظَهَرَ الرِّبَا وَالزِّنَا فِیْ قَرْیَةٍ اِلَّا اَذِنَ اللّٰهُ بِاِهْلَاكِهَا". کسی بستی میں سود اور زنا پھیل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بستی کی ہلاکت کی اجازت مرحمت فرما دیتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد پہلے خطبہ میں فرمایا دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیا اللہ نے انہیں ذلیل کر دیا اور جس قوم میں بھی بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس میں مصیبت کو پھیلا دیتا ہے: "وَلَا فَشَا الزِّنَا فِیْ قَوْمٍ اِلَّا كَثُرَ فِيْهِمُ الْمَوْتُ". (مشکوۃ، ص:۴۵۹ عن مالک) جس قوم میں زنا عام ہو جاتا ہے اس میں اموات کی کثرت ہو جاتی ہے۔ یعنی جس قوم میں زنا کاری پھیل جاتی ہے اور کھلم کھلا ہونے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو طاعون (پلیگ وغیرہ) کی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور ایسے دکھ درد میں ڈالتا ہے جس سے ان کے اسلاف نا آشنا تھے۔ (ابواب الکافی، ص:۵۷ عن ابن ماجہ)

اللہ تعالیٰ نہ کلام فرمائے گا نہ ان کا تزکیہ فرمائے گا نہ نگاہ اٹھا کر دیکھے گا بلکہ دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا ایک شیخ زانی کو یعنی جو بوڑھا ہو چکا اور زنا کرتا ہے۔ دوسرا جھوٹا بادشاہ جو شاہ وقت ہو کر جھوٹ بولتا ہے۔ تیسرا فقیر متکبر جو محتاج ہو کر بھی کبر و غرور کرتا ہے۔ (ریاض الصالحین، ص:۶۱۶ عن مسلم)

☆☆☆

نکاح سے خیر وبرکت حاصل ہوتی ہے

"هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا".
"وہ اللہ تعالیٰ ایسا قادر منعم ہے جس نے تم کو تن واحد (آدم) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔

مذہب اسلام شادی کو خاندان ومعاشرہ کی تاسیس کی بنیاد قرار دیتا ہے اور اسے انسان کی جنسی فطرت کی تسکین کا سب سے بہترین ذریعہ بتاتا ہے اس دنیا کے اندر جتنے بھی نبی اور پیغمبر تشریف لائے سب ہی اولاد اور بیویوں والے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَذُرِّیَّةً"۔ تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بچوں اور بیوی والا بنایا۔

نیز اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا چار چیزیں انبیاء کی سنت رہی ہیں جن میں سے ایک نکاح بھی ہے اور حضور پاک ﷺ نے شادی کو وصف دین بھی قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا جب بندہ شادی کر لیتا ہے تو اس طرح گویا وہ اپنے دین کو مکمل کرتا ہے ایک اور حدیث میں فرمان رسول ہے کہ تم میں سے جو شخص گھر کا بوجھ اٹھانے کی

ہمت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہئے کیوں کہ نکاح نگاہ نیچی کرنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے، مذکورہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح سنت انبیاء ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ نگاہ اور شرمگاہ فساد میں مبتلا نہ ہوں۔

اگرچہ مذہب اسلام نے جنسی خواہش کو بے لگام نہیں چھوڑا ہے کہ وہ بلا قید وبند جس راہ پر چاہے چل پڑے بلکہ اس پر مضبوط گرفت رکھتا ہے، چنانچہ اس نے زنا کو ہی نہیں بلکہ اس کے اسباب ومتعلقات کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ لیکن دوسری جانب اسلامی شریعت ایسے رجحانات کی مخالف ہے جو اس فطری خواہش سے متصادم ہوں اس کو سرے سے ختم کردینا چاہتے ہوں اسی لئے اسلام نے نکاح کی ترغیب دی ہے اور غیر شادی شدہ رہنے یا اپنے آپ کو خصی کر لینے کی مخالفت کی ہے، لہٰذا کسی مسلمان کے لئے روا نہیں ہے کہ وہ استطاعت کے باوجود نکاح سے اس بنا پر اعراض کرے کہ وہ دنیا سے قطع تعلق کر کے یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کرنا چاہتا ہے، بعض اصحاب رسول میں ترک دنیا کا رجحان پیدا ہو گیا تھا، لیکن جونہی رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ ترک دنیا اسلام کی راہ سے انحراف اور سنت نبوی سے اعراض ہے۔

بلاشبہ نکاح کے ذریعہ انسان کو محبت سکون اور پیار کی لازوال دولت نصیب ہوتی ہے۔ انسان کتنا ہی بڑا سرمایہ دار بن جائے دنیا کے فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ٹھہرے، بادشاہوں کے محلات میں قیام کرے مگر جو سکون اس کو ازدواجی زندگی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، وہ ان سب پر فوقیت لئے ہوئے ہے، بیوی صرف خواہشاتِ نفسانی کی تسکین کے لئے نہیں ہے، بلکہ بیوی آدمی کی زندگی کے تمام تر پہلوؤں میں اہم کردار نبھاتی ہے اس کے دینی مشن اس کے کاروبار دکھ سکھ خلوت اور جلوت میں اس کے ذہن ودماغ کو حقیقی سرور وسکون پہونچاتی ہے گویا کہ انسان اگر زندگی کا

خا کہ بناتا ہے تو بیوی اس میں سکون واطمینان اور قلبی مسرت وشادمانی کا رنگ بھرتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً“۔ (انعام) ”اور اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ بنادئے تمہارے واسطے تمہاری قسم کے جوڑے کہ چین سے رہو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی“۔

اس آیت کے ذیل میں مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ”لِتَسْكُنُوْا اِلَیْهَا“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان بیویوں کو اس لئے پیدا کیا کہ ان کے پاس پہونچ کر سکون میسر ہو، گویا کہ ازدواجی زندگی کے تمام شعبوں کا خلاصہ سکون وراحت قلب ہے، جہاں قلبی سکون نہ ہو وہاں چاہے سب کچھ ہو وہ ازدواجی زندگی مقصد کے لحاظ سے ناکام ونامراد ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ باہمی سکون قلب اس صورت میں ممکن ہے کہ مرد عورت کے تعلق کی بنیاد شرعی نکاح اور ازدواج پر ہو جن ممالک اور جن لوگوں نے اس کے خلاف حرام اور غیر شرعی صورتوں کو رواج دیا ان پر عمل کیا، اگر تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی زندگی میں کہیں بھی سکون نظر نہیں آئیگا، جانوروں کی طرح وقتی خواہش کے پورا کرلینے کا نام سکون نہیں ہوسکتا، یورپ میں رہنے والے لوگ جنہوں نے سورج کی شعاؤں کو اپنی مٹی میں بند کرلیا ہے وہ اپنی زندگی کی تاریک رات کو صبح میں تبدیل نہ کر سکے، چاند پر پہونچنے والا اور مغربی تہذیب سے آراستہ وپیراستہ انسان اپنے گھر کو گلدستہ اور جنت کا نمونہ نہ بنا سکا بہت سے امریکی اور یورپین خاندان ایسے ہیں کہ ان کا گھر سکون کی آماجگاہ بننے کی جگہ جہنم بنا ہوا ہے اس لئے آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ سکون اور راحت قلب کی تلاش میں چہارسو گردش میں رہتے ہیں، کلبوں، پارکوں، ریسٹورینٹوں میں پانی کی طرح دولت بہاتے ہیں مگر پھر بھی ان کو سکون کے نام پر مایوسی اور محرومی ہی حاصل ہوتی ہے۔

”نکاح“ کے بے شمار مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ نکاح کے ذریعہ نسل انسانی کا تسلسل برقرار رہتا ہے، نکاح کے ذریعہ شہوت کا جوش اور ہیجان رفع ہو جاتا ہے، نگاہیں نیچی رہتی ہیں، شرمگاہیں بدکاری سے محفوظ رہتی ہیں، نکاح کے ذریعہ عورتوں سے انسیت پیدا ہوتی ہے، غمگین دل بھی انکی صحبت میں شاداں و فرحاں ہو جاتا ہے، وحی و مکاشفہ کے سلسلے میں جب حضورؐ کے جسم اطہر پر بہت بوجھ پڑ جاتا اور آپ مضمحل ہو جاتے تو آپ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے جسم پر ہاتھ رکھ کر فرماتے: ”کلمنی یا عائشه“ اے عائشہ مجھ سے باتیں کرو، تاکہ فرحت و انبساط حاصل ہو۔

بلاشبہ نکاح مجاہدہ نفس کا عظیم ترین ذریعہ ہے گھر کی دیکھ بھال، اہل خانہ کے حقوق کی ادائیگی، بیوی کی عادتوں پر صبر، انکی اصلاح اور دین کی طرف انکی رہنمائی کی کوشش، حلال رزق کیلئے جدوجہد اور اولاد کی تربیت وغیرہ اہم اور پر مشقت کام ہیں، کہ ان سے نفس کی خوب اصلاح اور تربیت ہوتی ہے، یہ تمام کام بڑی فضیلت رکھتے ہیں، ان کا تعلق رعایت اور ولایت سے ہے، اہل خانہ رعیت ہیں رعایا کی حفاظت اور دیکھ بھال کی فضیلت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے، صرف وہی لوگ اس اہم منصب سے دامن بچاتے ہیں جو ان امور کی ادائیگی میں اپنے آپ کو عاجز تصور کرتے ہیں ورنہ اس سلسلے میں حضور پاکؐ کا ارشاد عالی تو یہ ہے کہ سن لو تم سب راعی ”نگراں“ ہو تم میں سے ہر شخص سے اسکی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ نکاح کے منجملہ فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ نکاح کے ذریعہ فقر محتاجگی، غریبی دور ہو جاتی ہے، نکاح کے ذریعہ تنگی رزق کے خیال کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلاسہ دلایا گیا ہے، فرمایا کہ: وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ“، نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ“ اور وہ اس کو رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو خیال بھی نہیں ہوتا ہم ہی تم کو اور خاص طور سے ان (اہل وعیال) کو رزق دیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ حال کو مستقبل پر قیاس نہیں کرنا چاہئے: "اَلرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ" پر اعتماد کرنا چاہئے، یہ فرمان ان لوگوں کے بارے میں جو معاشی خطرات محسوس کر کے نکاح سے بچنا چاہتے تھے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ" اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے مالدار کر دے گا، اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، میرے اس حکمت نکاح پر عمل کرو گے تو اللہ اپنے فضل ورحمت سے تمہاری فقیری کو امیری میں بدل دے گا، کیونکہ جس نے تمہیں ایک سے دو ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے اس نے تمہارے لئے اسباب رزق بھی پیدا فرمائے ہیں، جونہی رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے رزق کے دروازے کھول دے گا۔ نیز حضور پاک ﷺ نے فرمایا تین لوگوں کی مدد کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ پر لازم ہے ایک وہ مکاتب جو مال کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، دوسرا نکاح کرنے والا جو عفت وپاکدامنی کا ارادہ رکھتا ہو، تیسرا جو راہ خدا میں جہاد کرنے والا ہو۔ (مشکوٰۃ)

☆☆☆

احسان کا تعلق ہماری زندگی کے ساتھ

ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ صاحب عارفیؒ زمانہ کی ان درخشاں شخصیتوں میں سے تھے جو عمر بھر شہرت، جاہ و منصب اور نام و نمود سے دامن بچا کر زندگی گذارتے ہیں۔ لیکن ان کی سیرت و کردار کی خوشبو خود بخود دلوں کو کھینچتی اور ماحول کو معطر کرتی ہے۔ وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ اور تصوف و سلوک میں ان کے خلیفہ مجاز تھے، چنانچہ لوگ اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لئے ان سے رجوع کرتے اور ان کی ہدایات و ارشادات سے فیض یاب ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا حال بیان کرتے ہوئے کہنے لگے کہ الحمد للہ! مجھے احسان کا درجہ حاصل ہوگیا (''احسان'' ایک اصطلاح ہے جس کی تشریح حدیث جبرئیل میں یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس دھیان کے ساتھ کی جائے جیسے عبادت کرنے والا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، یا کم از کم اس دھیان کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہے ہیں) ان صاحب کا مطلب یہ تھا کہ عبادت کی ادائیگی کے دوران بحمد للہ مجھے یہ دھیان حاصل ہوگیا ہے جسے حدیث کی اصطلاح میں ''احسان'' کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جواب میں انہیں مبارک باد دی اور فرمایا کہ ''احسان'' واقعی بڑی نعمت ہے، جس کے حاصل ہونے پر شکر ادا کرنا چاہئے، لیکن میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ احسان کا یہ درجہ صرف نماز ہی میں حاصل ہوا ہے یا جب آپ اپنی بیوی بچوں سے یا دوست احباب سے کوئی معاملہ کرتے ہیں اس وقت بھی یہ دھیان باقی رہتا ہے؟ اس پر وہ صاحب کہنے لگے کہ ہم نے تو یہی سنا تھا کہ احسان کا تعلق نماز اور دوسری عبادتوں کے ساتھ ہے، لہٰذا میں نے تو اس کی مشق نماز ہی میں کی ہے، بفضلہٖ تعالیٰ نماز کی حد تک یہ مشق کامیاب رہی ہے۔ لیکن نماز سے باہر زندگی کے عام معاملات میں کبھی احسان کی مشق کا خیال ہی نہیں آیا۔

ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے آپ سے یہ سوال کیا تھا، بیشک نماز اور دوسری عبادتوں میں یہ دھیان مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس دھیان کی ضرورت صرف نماز ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ زندگی کے ہر کام میں اس کی ضرورت ہے، انسان کو لوگوں کے ساتھ زندگی گذارتے اور ان کے ساتھ مختلف معاملات انجام دیتے ہوئے بھی یہ دھیان رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، خاص طور پر میاں بیوی کا تعلق ایسا ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لئے دم دم اور لمحہ لمحہ کے ساتھی ہوتے ہیں اور ان کی رفاقت میں بے شمار اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں، بہت سی ناگواریاں بھی پیش آتی ہیں اور ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب انسان کا نفس اسے ان ناگواریوں کے جواب میں ناانصافیوں پر ابھارتا ہے، ایسے موقع پر اس دھیان کی ضرورت کہیں زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، اگر یہ احساس ایسے وقت دل میں جاگزیں نہ ہو تو عموماً اس کا نتیجہ ناانصافی اور حق تلفی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ آپ نے تمام عمر بھی اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ طبعی غصے اور ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ نہیں فرمایا اور اس سنت پر عمل کرنے کے لئے میں نے بھی یہ مشق کی ہے کہ میں اپنے گھر والوں پر غصہ نہ اتاروں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر کہتا ہوں کہ آج مجھے اہلیہ کے ساتھ رفاقت (۵۱) اکیاون سال ہو چکے ہیں لیکن اس عرصے میں الحمدللہ میں نے کبھی ان سے لہجہ بدل کر بھی بات نہیں کی۔ بعد میں ایک مرتبہ کسی موقع پر ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ محترمہ نے از خود حضرت کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ تمام عمر مجھے یاد نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے ناگواری کے لہجے میں بات کی ہو اور نہ کبھی مجھے یاد ہے کہ انہوں نے مجھ سے براہ راست اپنا کوئی کام کرنے کو کہا ہو، میں خود ہی اپنے شوق سے ان کے کام کرنے کی کوشش کرتی تھی، لیکن مجھ سے حکماً وہ نہیں کہتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ باتیں یہ بتا رہی ہیں کہ پر مسرت اور خوش گوار ازدواجی زندگی گذارنے کے لئے تقویٰ ضرری ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ عمل (جو ہوا میں اڑنے اور پانی پر چلنے کی کرامتوں سے ہزار درجہ اونچے درجے کی کرامت ہے) درحقیقت اسی تقویٰ کا نتیجہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی عملی تصویر تھا کہ: "تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہوں"۔

بیشک قرآن کریم نے مردوں کو عورتوں پر قوام (نگراں) قرار دیا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات اور اپنے عمل سے یہ بات واضح فرمادی ہے کہ نگراں ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد ہر وقت عورتوں پر حکم چلایا کرے، بیوی کے ساتھ خادمہ جیسا معاملہ کرے، یا اسے اپنی آمیریت کے شکنجے میں کس کر رکھے، حقیقت یہ ہے کہ خود قرآن کریم نے ہی ایک دوسری جگہ میاں بیوی کے رشتے کو مودت (دوستی) اور رحمت سے تعبیر کیا ہے۔

قرآن مجید کی ایک آیت میں شوہر کے لئے بیوی کو سکون کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ (الروم:۲۱) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اصل رشتہ دوستی اور محبت کا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے سکون اور راحت کا ذریعہ ہیں، لیکن اسلام ہی کی ایک تعلیم یہ ہے کہ جب کبھی کوئی اجتماعی کام کیا جائے تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ کسی کو اپنا امیر بنالیں تاکہ کام نظم وضبط کے ساتھ انجام پائے، یہاں تک کہ اگر وہ شخص کسی سفر پر جارہے ہوں تب بھی مستحسن یہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں خواہ دونوں آپس میں دوست ہی کیوں نہ ہوں، اب جس شخص کو بھی امیر بنایا جائے وہ ہر وقت دوسرے پر حکم چلانے کے لئے نہیں بلکہ سفر کے معاملات کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے امیر بنایا گیا ہے، اس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھی یا ساتھیوں کی خبر گیری کرے، سفر کا ایسا انتظام کرے کہ جو سب کی راحت وآرام کے لئے ضروری ہو اور جب وہ یہ فرائض انجام دے تو دوسروں کا کام یہ ہے کہ وہ ان امور میں اس کی اطاعت اور اس کا تعاون کریں۔

جب اسلام نے ایک معمولی سے سفر کے لئے بھی یہ تعلیم دی ہے تو زندگی کا طویل سفر اس تعلیم سے کیسے خالی رہ سکتا تھا؟ لہٰذا جب میاں بیوی زندگی کا مشترکہ سفر شروع کر رہے ہوں تو ان میں سے شوہر کو اس سفر کا امیر یا نگراں بنایا گیا ہے، کیوں کہ اس سفر کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لئے جو جسمانی قوت اور جو دیگر صفات درکار ہیں وہ قدرتی طور پر مرد میں زیادہ ودیعت کی گئی ہیں، لیکن اس انتظام سے یہ حقیقت ماند نہیں پڑتی کہ دونوں کے درمیان اصل تعلق دوستی، محبت اور رحمت کا ہے، اور ان میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ ایک نوکر کا سا معاملہ کرے، یا شوہر اپنے امارت کے منصب کی بنیاد پر یہ سمجھے کہ بیوی اس کے ہر حکم کے لئے پیدا ہوئی ہے یا اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیوی سے اپنی ہر جائز، ناجائز

خواہش کی تکمیل کرائے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو جو قوت اور جو صفات عطا کی ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے اس منصب کو جائز حدود میں رہتے ہوئے بیوی کی دل داری میں استعمال کرے اور اس کی جائز خواہشات کو حتی الامکان پورا کرے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بیوی کو جو مقام بخشا ہے اور اسے جو حقوق عطا کئے ہیں ان کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتیں اپنے شریک زندگی کے ساتھ تعاون اور اسے خوش رکھنے میں صرف کرے، اگر دونوں یہ کام کرلیں تو نہ صرف یہ کہ گھر دونوں کے لئے دنیوی جنت بن جاتا ہے بلکہ ان کا یہ طرز عمل مستقل عبادت کے حکم میں ہے جو آخرت کی نجات کا وسیلہ بھی ہے، اسی لئے نکاح کے خطبہ میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے اور اسی لئے ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ احسان کا موقع صرف نماز ہی نہیں بلکہ میاں بیوی کے تعلقات بھی ہیں۔

قرآن کریم کی بیشمار آیات میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے خطبہ کے لئے خاص طور پر انہی تین آیات کا جو انتخاب فرمایا یقیناً اس میں کوئی بڑی مصلحت ہوگی، غور کیا جائے تو ان تینوں آیتوں میں جو بات مشترک طور پر کہی گئی ہے وہ تقوی کا حکم ہے، تینوں آیتیں اسی حکم سے شروع ہورہی ہیں، کہ تقویٰ اختیار کرو، کوئی نادان یہ کہہ سکتا ہے کہ تقویٰ کا شادی بیاہ سے کیا جوڑ ہے؟ لیکن جو شخص حالات کے نشیب وفراز اور میاں بیوی کے تعلقات کی نزاکتوں کو جانتا ہے اور جسے ازدواجی الجھنوں کی تہہ تک پہنچنے کا تجربہ ہے وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات اور ایک دوسرے کے حقوق کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کے لئے تقویٰ ایک لازمی شرط ہے۔

میاں بیوی کا رشتہ نازک ہوتا ہے اور ان دونوں کے سینے میں چھپے ہوئے جذبات اور ان کی حقیقی سرشت وفطرت ایک دوسرے کے سامنے اتنی کھل کر آتی ہے

کہ کسی اور کے سامنے اتنی کھل کر نہیں آسکتی۔ دوسروں کے سامنے ایک شخص اپنی بد طینتی کو ظاہری مسکراہٹوں کے پردے میں چھپا سکتا ہے اپنے اندر کے انسان پر خوبصورت الفاظ اور مصنوعی خوش اخلاقی کا ملمع چڑھا سکتا ہے، لیکن بیوی کے ساتھ اپنے شب وروز کے معاملات میں وہ یہ ملمع نہیں رکھ سکتا، اسے اپنی ظاہر داری کے خول سے کبھی نہ کبھی باہر نکلنا ہی پڑتا ہے اور اگر اندر کا یہ انسان تقویٰ سے آراستہ نہ ہو تو اپنے شریک زندگی کا جینا دوبھر کر دیتا ہے۔

ایک بیوی کو اپنے شوہر سے جو تکلیفیں پہنچتی ہیں ان کا ازالہ ہمیشہ عدالت کے ذریعہ نہیں ہو سکتا، ان میں بے شمار تکلیفیں ایسی ہیں جو وہ عدالت تو کجا اپنے کسی قریبی رشتہ دار کے سامنے بھی بیان نہیں کر سکتی، اسی طرح ایک شوہر کو بیوی سے جو شکایتیں ہو سکتی ہیں بسا اوقات شوہر کے پاس ان کا کوئی حل نہیں ہوتا، نہ وہ کسی اور کے ذریعہ انہیں دور کرنے کا کوئی سامان کر سکتا ہے، اس قسم کی تکلیفوں اور شکایتوں کا کوئی علاج دنیا کی کوئی طاقت فراہم نہیں کر سکتی۔ ان کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ دونوں کے دل میں تقویٰ ہو، یعنی وہ اس احساس کی دولت سے مالا مال ہوں کہ وہ ایک دوسرے کے لئے امانت ہیں اور اس امانت کی جواب دہی انہیں اپنے اللہ کے سامنے کرنی ہے۔ اپنے شریک زندگی کو اپنے کسی طرز عمل سے ستا کر وہ شاید دنیا کی جواب دہی سے بچ جائیں۔ لیکن ایک دن آئے گا جب وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور انہیں اپنی ایک ایک حق تلفی کا بھگتان بھگتنا پڑے گا، اسی احساس کا نام تقویٰ ہے اور یہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل پر ان تنہائیوں میں بھی پہرہ بٹھاتی ہے، جہاں اسے کوئی اور دیکھنے والا نہیں ہوتا۔

آنحضرت ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ جب وہ مرد و عورت زندگی کے سفر میں ایک دوسرے کے ساتھی بنیں تو وہ روانہ ہونے سے پہلے اپنے دلوں پر یہ غیبی پہرہ بٹھالیں

تا کہ ان کی دوستی پائیدار ہو اور ان کے دل میں ایک دوسرے کی محبت محض وقتی خواہش نفسانی کی پیداوار نہ ہو، جو نئی نویلی زندگی کا جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد فنا ہو جائے بلکہ وہ تقویٰ کے سایہ میں پلی ہوئی پائیدار محبت ہو، جو خود غرضی سے پاک اور ایثار، وفا اور خیر خواہی کے سدا بہار جذبات سے مزین ہوتی ہے اور جسم سے گذر کر واقعی قلب و روح کی گہرائیوں تک سرایت کر جاتی ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے نکاح کے خطبہ میں ان تین آیات کا انتخاب فرمایا جن میں سے ہر آیت تقویٰ کے حکم سے شروع ہو رہی ہے اور وہ اس کا بنیادی پیغام ہے۔

(اقتباسات حضرت مولانا محمد خالد صاحب غازی پوری مدظلہ)

☆☆☆

عورتوں کے نام......ایک دردبھراپیغام

اے بہن! تجھے اللہ تعالیٰ نے عورت بنایا، تیرے دم سے وجود انسانیت کو پروان چڑھایا، ماں کے روپ میں اللہ تعالیٰ نے تیرے قدموں میں جنت رکھ دی، بیٹی کے روپ میں تجھے رحمت کہا، بہن کے روپ میں تو بھائیوں کا مان ہے اور بیوی کے روپ میں تجھے خیر متاع الدنیا کہا گیا۔حدیث مبارکہ میں ہے:

''دنیا مال و متاع ہے اور اس کا بہترین متاع نیک بیوی ہے''۔

نیک بیوی کے روپ میں تو شوہر کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، آج عورت نے اپنا اصلی مقام کھو دیا۔عورت کے معنی ہیں چھپانے والی چیز۔

حدیث شریف میں ہے: ''عورت ستر ہے، جب بازار میں نکلتی ہے تو شیطان اس کو گھورتا ہے''۔

معلوم ہوا کہ پردہ عورت کی سرشت میں داخل ہے اگر فطرت مسخ ہو جائے تو اس کا تو کوئی علاج نہیں، لیکن جو تسکین اور راحت پردہ کی حالت میں ہوگی وہ بے پردگی اور کھلم کھلا رہنے کی حالت میں نہیں ہوگی، لہٰذا پردہ کا تحفظ حیاء کا ایک لازمی حصہ ہے۔

محسن انسانیت، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی لخت جگر، نور نظر، جنت کی عورتوں کی سردار، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے عورت کی تعریف میں فرمایا:

''بہترین عورت وہ ہے جس کو نہ کوئی مرد دیکھے اور نہ وہ کسی مرد کو دیکھے''۔

چنانچہ قرآن پاک میں غور و فکر کی تاکید فرمائی..... ''وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ'' تم گھروں میں قرار سے رہو، یعنی بلا ضرورت گھر سے نہ نکلو، اللہ تعالیٰ نے عورت کو گھر کی ملکہ بنایا اور گھر کے معاملات کا انتظام عورت کے سپرد کیا۔

دوسری جگہ فرمایا: ''وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى'' جاہلیت کی عورتوں کی طرح خوب زیب و زینت اور آرائش کر کے باہر نہ نکلو۔ ایک جگہ پردہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''اپنے چہروں پر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں''۔

حجاب کا یہ حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نازل فرمایا اور حضور اقدس ﷺ نے احادیث میں اس کی تفصیل بیان فرمائی اور ازواج مطہرات اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم پر عمل کر کے دکھایا۔

آج مغرب نے پروپیگنڈہ کر کے مسلمان عورت کے چہرے سے نقاب نوچ لیا اور اس صنف نازک کو گھروں سے نکال کر باہر مردوں کے شانہ بشانہ لا کھڑا کر دیا۔ عورت سے حیاء کا لباس اتار کر بے حیائی کا لبادہ اوڑھا دیا۔

صد افسوس! آج کی مسلمان عورت اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو پس پشت ڈال کر مغرب کی اندھی تقلید میں عزت سمجھتی ہے۔ یہ گھر کی ملکہ جس کو اللہ نے گھر میں شوہر کیلئے اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا (آپس میں ایک دوسرے سے سکون حاصل کرو) بنایا۔ یہ عورت گھر میں عزت سے رہنے کو قید تصور کرتی ہے اور گھر سے باہر زیب و زینت سے آراستہ ہو کر غیر مردوں کی ہوس بھری نظروں کا شکار ہونے میں فخر سمجھتی ہے۔ ماڈل گرل بنکر ہزاروں ڈالر وصول کر کے بکاؤ مال بن چکی ہے اور اس کو آزادیٔ نسواں کا نام دیا جا رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنے وعظ میں اسی درد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''یعنی نئی تہذیب کا عجیب فلسفہ ہے کہ اگر عورت اپنے گھر میں اپنے لئے اور اپنے شوہر کے لئے اور اپنے بچے کے لئے کھانا تیار کرتی ہے تو یہ رجعت پسندی دقیانوسیت ہے اور اگر وہی عورت ہوائی جہاز میں ایئر ہوسٹس بن کر سینکڑوں انسانوں کی ہوس ناک نگاہوں کا نشانہ بن کر ان کی خدمت کرتی ہے اس کا نام آزادی اور جدت پسندی ہے، اگر وہی عورت گھر میں رہ کر اپنے ماں، باپ بہن بھائیوں کے لئے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید اور ذلت ہے لیکن دکانوں پر سیلز گرل بن کر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے یا دفاتر میں اپنے افسروں کی ناز برداری کرے تو یہ آزادی اور اعزاز ہے''۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اے مسلمان عورت! تو نے کافروں کی تقلید میں آج اپنا مقام کیوں کھو دیا؟ تو اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر کافروں کی پیروی میں کیوں فخر محسوس کرتی ہے؟ تو کیوں بھول رہی ہے کہ کافر تو ازل سے مسلمان کا دشمن رہا ہے وہ تو ہمیشہ سے مسلمانوں کو اپنے اللہ سے دور کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ یہ مرد و عورت کا امتیاز ختم کر کے ان کے مقاصد تخلیق کو بھلا کر برابری کا نعرہ لگانا یہ بھی کافروں کی مسلمانوں کے خلاف سازش ہے تا کہ مسلمان مرد و عورت اپنے اپنے فرائض اور منصب جو اللہ تعالیٰ نے متعین کئے ہیں ان سے غافل ہو کر اپنے مالک و خالق اور محسن حقیقی کو بھول جائیں۔

اے عورت! کیا تیری عزت نفس گوارا کرتی ہے کہ تو اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف سازش بنا کر استعمال کی جائے؟ حدیث مبارکہ میں ہے عورتیں شیطان کا جال ہیں''۔

ایسا جال ہے جس کے ذریعہ شیطان نے اللہ کے نیک بندوں کو بہکایا اور انہیں جنت کے راستہ سے ہٹا کر جہنم کے راستہ پر چلایا۔ اے عورت تو کیوں بھول

رہی ہے کہ بے پردہ نکل کر تو اکیلی گناہ نہیں کر رہی ہے بلکہ جتنی نظریں تجھے دیکھ کر گناہ کرتی ہیں ان سب کا گناہ تیرے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔

آج امت مسلمہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکامات کو چھوڑ کر تنزلی، بدامنی، بے سکونی، بے حیائی، بے برکتی، جیسے ہزاروں مسائل سے دوچار ہے۔

فطرت سے بغاوت کرنے والو! تم مغرب کی اندھی تقلید کو چھوڑ کر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آجاؤ، یہی اسلام ہماری عزت و آبرو کا محافظ ہے، عزت درحقیقت اسلام کو چھوڑنے میں نہیں بلکہ اسلام کو اختیار کرنے میں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہمیں جو عزت ملی وہ اسلام کی بدولت ملی ہے''۔

آج کی جدید سوسائٹی کی تقلید کر کے ہمیں عزت نہیں ملے گی، بلکہ دنیا اور آخرت کی ذلت ملے گی۔

مسلمان عورتو! جس طرح آج امت مسلمہ دنیاوی تعلیم کے حصول میں سرگرداں ہے اور اسی میں ہی اپنی عزت سمجھتی ہے۔ اسی طرح تم دین بھی سیکھو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا بھی سیکھو، وہی اللہ ہمارا خالق و مالک ہے، وہی ہمیں عزتیں دینے والا ہے، وہی ہمارے مسائل حل کرنے والا ہے، بغیر کسی استحقاق کے اپنی ہر سانس پر ہم اس کی بے حساب نعمتیں استعمال کر رہے ہیں، خود قرآن کا اعلان ہے:

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ہرگز نہیں شمار کر سکتے''۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی بجائے ہم ہر قدم پر اس کی نافرمانیاں کر رہے ہیں، اس کے باوجود اس کی رحمتوں کی بارش ہم پر برس رہی ہے۔ خدارا! ہوش میں آجاؤ، غیروں کی تقلید کو چھوڑ کر تم اللہ کے احکامات کو مضبوطی سے تھامو، وہ اللہ بڑا غفور رحیم ہے، اس کی رحمت آج بھی ہماری طرف متوجہ ہے، وہ اللہ اتنا مہربان اور کریم ہے کہ سو سال کا بوڑھا بھی جب دنیا کے سارے آسروں سے مایوس ہو کر اس

کے دربار میں ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی طعنہ نہیں دیتے کہ اب تک تو کہاں تھا؟ تو نے اپنی عمر جو کہ میری عبادت کے لئے تھی کہاں ضائع کی؟ بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی پیار سے پوچھتے ہیں: "یَا یُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ". "اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکا میں ڈال رکھا ہے"۔

بالکل ایسے ہی جیسے ماں اپنے ناراض بچے سے پوچھتی ہے: "اے میرے بچے! تو اپنی ماں سے کیوں ناراض ہو گیا؟ سبحان اللہ! اس رحیم وکریم ذات کی نافرمانی چھوڑ دو اور اپنی دنیا اور آخرت سنوار لو۔ اور اپنے نبی کے احسانات کو......

ہمارے پیارے نبی ﷺ جنہوں نے آخری دم تک تمہاری فکر کی یارب امتی، یارب امتی، آج ہم جیتے جی اپنے نبی ﷺ کی مبارک سنتوں کا جنازہ نکال رہے ہیں، آپ ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات کو پس پشت ڈال کر کافر جو کہ ہمارے دشمن ہیں ان کی تقلید میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدارا، ہوش میں آجاؤ! اسلامی تعلیمات کی پیروی میں ہمیں جتنی تکالیف اٹھانی پڑیں، خوشی سے اٹھاؤ، لوگوں کے طعنوں کی پرواہ مت کرو کہ یہ مسلمان دقیانوس ہیں، مسلمان عورتو! کیا تم بھول گئیں کہ ہمارے نبی ﷺ نے بھی دین کی خاطر بہت مشکلات برداشت کیں، لوگوں کے طعنے برداشت کیے کہ یہ پیغمبر تو پسماندہ لوگ ہیں، یہ دقیانوس اور رجعت پسند ہیں، یہ ہمیں زندگی کی راحتوں سے محروم کرنا چاہتے ہیں، یہ سارے طعنے انبیاء کو دیئے گئے، جب تم مومن ہو تو انبیاء کے وارث ہو جس طرح انبیاء کی وراثت میں دوسری چیزیں ملتی ہیں اسی طرح نسبت ملامت بھی مسلمان کو انبیاءؑ کی وراثت سے ملی ہے، شیطان کے گروہ کے لوگ تم کو طعنے دے رہے ہیں کہ کل قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ مسلمان کتنا خوش نصیب ہے اس لئے اپنے ایمان اور مسلم خواتین ہونے کی قدر کریں۔ ☆☆☆

بیوی کے حقوق

حضرت ام سلمہ کے بارے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ پہلے شوہر سے ان کو اولاد تھی جو زوجہ مطہرہ ہونے کے بعد بھی ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ وہ ان کی پرورش و پرداخت میں بڑی دلچسپی لیتی تھیں اور بڑے سلیقہ سے یہ کام انجام دیتی تھیں۔ ان کے دریافت کرنے پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ انہیں اس کا اجر ملے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ صاحب وسائل نہ ہوتیں یا ان کا کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہوتا تو وہ کیسے یہ خدمت انجام دیتیں۔ حضرت زینب بنت جحش کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتیں اور بڑی فیاض واقع ہوئی تھیں۔ جو کچھ انہیں ہاتھ آتا اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتیں اسی وجہ سے وہ ''طویل الید'' کے لقب سے مشہور ہو گئیں تھیں۔

بیوی کی حیثیت سے عورت کا ایک خاص ذریعہ آمدنی مہر ہوتا ہے قرآن نے اس پر اس کا کلی حق ملکیت تسلیم کیا ہے چاہے نکاح کے وقت اس کی ادائیگی ہو یا نہ ہو نکاح ہوتے ہی مہر پر بیوی کا حق ملکیت ثابت ہو جاتا ہے۔ جب چاہے وہ شوہر سے اس کا مطالبہ کر سکتی ہے، اور جب وہ اس کے قبضہ میں آجائے تو اسے اس پر

تصرف کا پورا اختیار حاصل ہوگا۔شوہر اس کا دخیل نہیں ہوسکتا۔قرآن نے جن الفاظ میں اس کا حق مہر ذکر کیا ہے اور جس زور دار انداز میں شوہر کو اس کی ادائیگی کی تاکید کی ہے اس سے خود بخود یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مہر عورت کا حق ثابتہ ہے۔قرآن کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں۔

"وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً". (النساء:۴)

"اور عورتوں کے مہر خوشی خوشی ادا کرو"۔

"فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ فَرِيۡضَةً". (النساء:۲۴) "پس جب تم ان سے ازدواجی زندگی قائم کر چکے ہو تو ان کا مہر فریضہ سمجھ کر ادا کرو"۔

پہلی آیت میں یہ کہہ کر "انکا مہر ادا کرو" قرآن نے یہ نکتہ ذہن میں بٹھانا چاہا ہے کہ مہر بلا شرکت غیر بیوی کا حق ہے اس میں شوہر کو کمی بیشی اور خرد برد کرنے یا اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔دوسرے یہ پیغام بھی دینا ہے کہ شوہر اسے ادا کر کے عورت پر کوئی احسان نہیں کر رہا ہے بلکہ یہ اس کا حق تھا جسے وہ ادا کر رہا ہے۔دوسری آیت میں مہر کی ادائیگی کو فریضہ قرار دے کر اس حق کو اور زیادہ موکد کر دیا ہے۔مہر پر بیوی کا حق ملکیت اور اس میں تصرف کا اختیار اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔جس میں اسے اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے تو وہ اسے معاف کردے یا اس کے کچھ حصہ دست بردار ہو جائے۔جب عورت خوش دلی سے مہر کا کچھ حصہ یا پورا کا پورا معاف کردے تو شوہر اسے بلا تکلف استعمال کر سکتا ہے۔

قرآن کی اس آیت سے یہی مسئلہ اخذ ہوتا ہے:

"فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓــًٔا مَّرِیۡٓــًٔا".

"البتہ اگر وہ خوش دلی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو"۔(النساء:۴)

قرآن کی یہ شرط' اگر وہ خوش دلی سے کچھ معاف کر دیں' مہر پر بیوی کے حق واختیار کو اور زیادہ مستحکم بنا دیتا ہے۔

مہر کے علاوہ شوہر کے مال میں بیوی اپنا حق رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی ضروریات کی تکمیل شوہر کے ذمہ واجب ہے، نان ونفقہ یا کھانے پینے اور رہنے سہنے کا معقول انتظام بیوی کا حق ہے۔ جو شوہر پر عائد ہوتا ہے۔ اس باب میں قرآن کی یہ آیت بہت جامع ہے۔

''وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ''.

''اور عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کی زندگی گزارو''۔ (النساء:۱۹)

معاشرت بالمعروف یا نیکی کا سلوک بڑا جامع لفظ ہے۔ اس میں نرم روی، خوش گفتاری، حسن معاملہ کے علاوہ ان تمام ضروریات کی تکمیل بھی شامل ہے جو اس کے گذر بسر کے لئے ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں معاشی ضروریات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے جن کے پورا کرنے کی ذمہ داری شوہر کی ہے۔ اسی سے شریعت کا یہ اصول نکلتا ہے کہ اگر شوہر نان ونفقہ کے باب میں کوتاہی برت رہا ہے تو بیوی بلا تکلف اس کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر یہ قانونی نکتہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اگر وسائل کے باوجود شوہر بیوی کو نان ونفقہ نہیں فراہم کر رہا ہے تو وہ شوہر کے مال میں سے بقدر کفاف اس کی اجازت کے بغیر لے سکتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہندہ بنت عتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میرے شوہر ابو سفیان بخیل ہیں، مجھے اتنی مقدار میں رقم فراہم نہیں کرتے جو میرے اور بچوں کیلئے کافی ہو۔ کیا میں ان کی اطلاع کے بغیر ان کے مال میں سے اس قدر لے سکتی ہوں، جو میری اور میرے بچوں کی کفالت کر سکے۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا

کہ تم اپنی اور اپنی اولاد کی ضرورت کیلئے ان کا مال خرچ کر سکتی ہو"۔ مزید براں عورت اس بات کی بھی مجاز ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے صدقہ وخیرات کرے اور اجر کمائے بشرطیکہ اس میں خرابی کا کوئی پہلو نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کے گھر سے خرچ کرتی ہے فساد یا خرابی سے اجتناب کرتے ہوئے تو بیوی کو اس کا بدلہ ملتا ہے اور شوہر کو کمائی کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

نان ونفقہ کے باب میں اسلامی شریعت نے عورت کو جو حدود واختیارات دیئے ہیں ان کی وسعت واہمیت اس ضابطہ سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر بیوی صاحب حیثیت گھرانہ سے تعلق رکھتی ہے جہاں گھر کے کام وکاج کے لئے خادمہ رکھنے کا دستور ہے تو شوہر پر (استطاعت کی صورت میں) واجب ہے کہ وہ اس کیلئے خادمہ کا نظم کرے۔ اسی طرح بیوی اگر صاحب مال ودولت ہے تب بھی اس کا نان ونفقہ شوہر ہی کے ذمہ ہے وہ اسے اپنا مال خرچ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی یہ اور بات ہے کہ بیوی از خود اپنے حق سے دست بردار ہو جائے اور شوہر سے کچھ مطالبہ نہ کرے۔

عورتوں کی معاشی تمکین کے سلسلہ میں تیسرا اہم پہلو ان کا حق وراثت ہے جسے قرآن نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں خاص بات یہ ہے کہ قرآن نے وارث ومورث دونوں حیثیتوں میں عورتوں کے حقوق واختیارات واضح کیے ہیں۔ اس مسئلہ پر قرآن کی اصولی بات یہ ہے کہ:

"لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا"۔

"مردوں کا اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا اور عورتوں کا بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ یہ (اللہ کا) مقرر کیا ہوا حصہ ہے"۔ (النساء:۷)

یہ آیت اس قانونی نکتہ کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ میراث میں صرف مردوں کا حق نہیں بلکہ عورتیں بھی اس کی حقدار ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کا یہ حصہ مقرر من اللہ ہے، تیسرے یہ کہ وہ والدین اور قریبی اعزہ کے چھوڑے ہوئے مال ومتاع کی مستقل وارث ہوسکتی ہیں اور اپنی اولاد اور رشتہ داروں کے لئے مال واسباب بطورتر کہ چھوڑ بھی سکتی ہیں، بہرصورت زمین وجائیداداور روپیہ میں ان کی مالکانہ حیثیت مسلم ہوتی ہے۔ مالک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے انتظام وانصرام میں پوری طرح آزاد ہے۔ اس کی نسبت سے اسے معاملہ کرنے کا حق حاصل ہے خواہ خرید وفروخت کی بات ہو یا رہن وہبہ کا معاملہ ہو۔ مقصود یہ کہ وہ قانونی طور پر اس کی مجاز ہے کہ وہ اپنے مال اور زمین وجائیداد میں جیسے چاہے تصرف کرے۔ جب کہ یورپ میں ماضی قریب تک عورت کو اپنی زمین وجائیداد میں آزادانہ طور پر تصرف کا حق حاصل نہیں تھا۔ وہ کسی مرد (باپ شوہر یا سرپرست) کے ذریعہ ہی ایسا کرسکتی تھی۔ اس طرح قرآن کی یہ ہدایت بڑی انقلابی ہے جس کی رو سے معاشی معاملات میں عورت کو آزادی نصیب ہوئی۔ یہاں یہ ذکر بے موقع نہ ہوگا۔ کہ سرسید نے ۱۸۷۱ء میں اپنے مضمون ''عورتوں کے حقوق'' میں واضح کیا تھا کہ اسلام نے عورتوں کو جو اختیارات دیئے ہیں وہ آج تک کسی بھی متمدن ملک میں انہیں حاصل نہیں۔ انہوں نے عورتوں سے متعلق برطانیہ کے قوانین کا حوالہ دیتے ہوئے یہ تحریر فرمایا تھا کہ:

- انگلینڈ کے قانون کے بموجب عورت شادی کے بعد معدوم الوجود متصور ہوتی ہے اور ذات شوہر سے مبدل ہوجاتی ہے۔
- جو اسباب اور ذاتی مال ونقد وجائیداد قبل شادی عورت کی ملک ہے وہ سب بعد شادی بقبضہ شوہر آجاتی ہے۔

● جو جائیداد عورت کو وراثتاً قبل شادی یا بعد شادی کے ملی ہو ان سب پر اس کا شوہر تاحین حیات قابض ہو جاتا ہے اور وہی اس کا محاصل لیتا ہے۔

● وہ بلا اجازت شوہر کے کوئی اسباب نہیں خرید سکتی اور کوئی چیز بیع نہیں کر سکتی۔

● وہ بجز روٹی کھانے اور کپڑا پہننے اور ایک مکان میں رہنے کے خرچ کے جو ضروریات زندگی کے لئے درکار ہے اور کوئی خرچ بغیر مرضی شوہر کے نہیں کر سکتی۔

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں ''حقوق نسواں'' کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے یہی نکتے اٹھائے تھے اور آخر میں ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا: ''آج یورپ کی تہذیب کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا ہے اس کے حقوق نسواں سے اسلامی حقوق نسواں کا مقابلہ کر کے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے عورت کے ساتھ کیسی فیاضی کا برتاؤ کیا ہے اسلام کے لئے موجب ننگ ہے کہ اس کا مقابلہ اس قسم کی تہذیبوں سے کیا جائے۔'' (خطبات شبلی، ج:۱۵۴)

دوسرے وراثت میں عورتوں کے استحقاق کے بارے میں قرآن کے اعلان کی اہمیت زمانہ نزول کے پس منظر میں بھی سمجھی جا سکتی ہے۔ اس وقت کے ماحول میں ترکہ میں عورتوں کے حصہ پانے کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ وہ خود ترکہ کی چیز سمجھی جاتی تھی۔ شوہر کے انتقال پر وہ وارثوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دی جاتی حتی کہ بیٹا باپ کی منکوحات میں سے جس کو چاہتا اپنے قبضہ میں کر لیتا اور اس کے ساتھ ناروا سلوک کرتا۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ترکہ میں مرد و عورت کے حصہ کے بارے میں یہ کہہ کر کہ یہ اللہ کا مقرر کردہ ہے قرآن نے یہ واضح کر دیا کہ اس میں کسی کو من مانی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ہی عقل لگانے کی اجازت ہے بلکہ اس یقین کے ساتھ قرآنی تقسیم وراثت کو قبول کرنا ہے کہ اسی کے مطابق ورثہ کو (خواہ مرد ہو یا عورت) ان کا حصہ دینے میں سب کے لئے خیر و فلاح ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ میت کے ترکہ میں بیٹی کا حق اس قرآنی اسلوب خطاب سے اور زیادہ موکد ہو جاتا ہے۔

"یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ".

"اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کو (ترکہ دینے) کے معاملہ میں تمہیں وصیت کرتا ہے۔لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔" (النساء:١١)

یہاں لفظ اولاد استعمال کر کے اس جانب توجہ دلانا مقصود ہے کہ وراثت کے استحقاق میں مرد وعورت یا لڑکا لڑکی میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں اس کی حقدار ہوں گی، البتہ لڑکیوں کا حصہ لڑکوں سے کم رکھا گیا ہے۔اسکی مختلف انداز میں توجیہہ کی جاتی ہے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورت کی معاشی ذمہ داریاں کم ہیں، خود اسکی کفالت کی ذمہ داریاں دوسروں پر ہیں۔شادی سے قبل باپ بیٹی کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔شادی کے بعد یہ ذمہ داری شوہر کو منتقل ہو جاتی ہے۔اگر عورت کے لئے دونوں میں سے کوئی سہارا موجود نہ ہو تو اعزہ واقرباء اس کا سہارا بنیں گے اور پھر ان میں سے کوئی صورت نہ بننے پر اسلامی اصول وتعلیمات کے مطابق بیت المال یا پورا اسلامی معاشرہ اس کا ذمہ دار ہوگا۔اس مسئلہ پر مشہور مفکر اسلام سید محمد قطب رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ لکھا ہے اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔یہ بالکل فطری اور منصفانہ تقسیم ہے۔کیونکہ مالی اخراجات کا سارا بوجھ تنہا مرد ہی کو اٹھانا پڑتا ہے۔عورت پر سوائے اپنی ذات کے کسی کے اخراجات کا بوجھ نہیں ہوتا، البتہ جب عورت خاندان کی سربراہ ہو تو معاملہ مختلف ہوتا ہے اس صورت میں بے شک عورت ہی کو خاندان کی ضروریات مہیا کرنی پڑتی ہیں۔مگر یہ ایک استثنائی صورت حال ہے جو اسلامی معاشرہ میں شاذ ونادر ہی پیش آسکتی ہے کیونکہ جب تک عورت کا کوئی عزیز

موجود ہو خواہ وہ عزیز کتنا دور ہی کا رشتہ دار کیوں نہ ہو روزی کمانے کے لئے عورت کو گھر چھوڑنے کی ضرورت پیش نہیں آتی..... اصل مسئلہ ریاضی کا ایک سیدھا سادا سوال ہے کل ورثہ کا ایک تہائی حصہ عورت کو صرف اپنی ذات کے لئے ملتا ہے جب کہ باقی دو تہائی مرد کو دیا جاتا ہے تا کہ وہ اپنی بیوی (یعنی عورت)، اپنے بچوں اور خاندان کی ضروریات پوری کرے، اس سے ظاہر ہے کہ وراثت کا بیشتر حصہ کس کو ملتا ہے۔ مرد کو یا عورت کو''؟

اوپر عورتوں کے معاشی حقوق یا ان کی معاشی تمکین کے سلسلے میں جو کچھ بیان کیا گیا ان سب کا تعلق اس بات سے ہے کہ وہ زمین وجائیداد اور روپیہ پیسہ کی مالک ہوسکتی ہے ان کے تحفظ اور اپنی مرضی کے مطابق انہیں استعمال کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔ دوسرے یہ کہ شوہر کے وسائل میں بیوی کا بھی حصہ ہوتا ہے اور وہ بوقت ضرورت اسے استعمال کرسکتی ہے۔ اسی ضمن میں یہ مسئلہ بھی قابل غور ہے کہ کیا وہ اپنی معاشی حالت کو مضبوط کرنے کیلئے کوئی ذریعہ معاش اختیار کرسکتی ہے یا اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر کے اپنی آمدنی میں اضافہ کرسکتی ہے۔ یا اپنے وسائل کو کاروبار میں لگا کر نفع حاصل کرسکتی ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ اسلام کی رو سے وہ ایسا بوقت ضرورت ہی کرسکتی ہے۔ اسلئے کہ معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینا انکی اولین ترجیح نہیں ہے۔ عام حالات میں نہ تو اس کی اپنی کفالت اسکے ذمہ ہے اور نہ ہی کسی اور کا نفقہ اس پر واجب ہے۔ گھر کی دیکھ ریکھ، اولاد کی تعلیم وتربیت اور امور خانہ کی انجام دہی اسکی اولین ضروری مصروفیات ہیں۔ یہ بجائے خود بہت اہم کام ہیں۔ جن کیلئے مردوں کو عورتوں کا احسان مند ہونا چاہئے۔

☆☆☆

میاں بیوی آپس میں کیسے رہیں؟

عام طور پر میاں بیوی کا تعلق دو اجنبی خاندانوں سے ہوتا ہے، مگر نکاح کے بعد دونوں ایک دوسرے کے اس طرح رفیق بن جاتے ہیں کہ موت سے پہلے جدائیگی کا تصور نہیں رہتا، رافقات اور تعلقات تو دنیا میں بہت پائے جاتے ہیں مگر زدواجی زندگی کی رفاقت اور محبت بے مثال ہوتی ہے، میاں بیوی میں سے ہر فرد یک دوسرے کے لئے اپنی جان نچھاور کر دیتا ہے۔ خوشی اور غم، راحت اور مشقت یعنی زندگی کے ہر موڑ پر دونوں شریک رہتے ہیں، یہ ایک خاص نوعیت کا تعلق ہے، جس سے عظیم منافع اور مصالح وابستہ ہوتے ہیں اس لئے اسلام نے شوہر اور بیوی کے درمیان پائی جانے والی رفاقت کو بڑی اہمیت دی ہے، دونوں کے لئے الگ الگ اصول اور ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ جب تک دونوں اپنے فرائض خوش دلی سے پوار کرتے رہیں گے ازدواجی زندگی خوش گوار گزرے گی اور کبھی آپس میں رنج کا ماحول پیدا نہیں ہوگا۔

اس سے تو تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ شادی اور نکاح کی جہاں ایک غرض پاکیزہ زندگی کا حصول ہے وہیں اس کا اہم مقصد زندگی کو خوشگوار اور پرلطف بنانا

ہے، زندگی کی بعض مسرتیں اور راحتیں ایسی ہیں جو ازدواجی بندھن سے جڑے بغیر حاصل نہیں ہوتیں، اس لئے تنہائی کے عذاب سے بچتے ہوئے ایک بہتر اور بامقصد زندگی کے لئے میاں بیوی عقد کرتے ہیں، جس سے مسرت وشادمانی کا ماحول قائم ہوتا ہے اور پرلطف فضا کی تعمیر ہوتی ہے، یہ خوشی اس وقت باقی رہتی ہے جب کہ دونوں اس کی فکر کریں، آپس میں پیار ومحبت کی بقاء کے لئے دونوں کی کوشش ہونی چاہئے، دونوں ایک دوسرے کے حقوق اور جذبات کا احترام کریں، صرف شوہر یا صرف بیوی کے چاہنے سے زندگی پرلطف نہیں ہوتی جب تک باہمی کوشش اور جدوجہد نہ کی جائے، شوہر کا کام ہے کہ گھر سے باہر کے تمام امور بحسن وخوبی انجام دے، بہتر معاشی تلاش کرے اور اپنی محنت سے بیوی اور بچوں کو راحت اور آرام پہنچانے کی فکر کرے، بیوی میں اگر کوئی عیب ہو تو اسے نظر انداز کردے، کسی بات پر غصہ آئے تو معاف کردینا چاہئے، اپنی بیوی کو خرابی یا کسی عیب کا دوسروں کے سامنے ہرگز اظہار نہیں کرنا چاہئے اور یہ جاننا چاہئے کہ دنیا میں کوئی بھی انسان بے عیب نہیں ہے، ہر ایک میں کچھ اچھے اوصاف بھی ہوتے ہیں اور کچھ برے بھی، اسی طرح بیوی کے رشتہ داروں کیساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ جس طرح مردوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے رشتہ داروں کے ساتھ ان کی بیوی اچھا معاملہ کرے اسی طرح عورتوں کیلئے بھی ان کے رشتہ دار قابل احترام ہیں، بیوی کے ماں باپ، بھائی بہن اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ بہتر بات چیت، اچھے اخلاق اور حسن سلوک کرنے سے بیوی کو خوشی ہوگی، شوہر کے تئیں اس کے دل میں محبت پیدا ہوگی اور تعلقات مستحکم ہوں گے۔

بیوی کو بھی چاہئے کہ شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری کرے، اس کی دولت، مال وجائداد اور ساری ملکیت کی حفاظت کرے، اسے سوچنا چاہئے کہ شوہر کس طرح

مال ودولت جمع کرنے میں اپنا پسینہ بہار رہا ہے، یہ ساری محنت تو بیوی بچوں کو آرام پہنچانے کے لیئے ہی کر رہا ہے، اگر بیوی نے مال کی حفاظت نہیں کی تو گھر میں کبھی برکت نہیں ہوگی اور نہ ہی آرام میسر ہوگا، امور خانہ داری سے متعلق تمام امور کا ذمہ دار عورتوں کو بنایا گیا ہے، بچوں کی ابتدائی اخلاقی تربیت بھی ان ہی کے ذمہ میں ہے، بیوی کا کردار اور انداز اس طرح ہو کہ شوہر دیکھ کر خوش ہو جائے، رسول اکرم ﷺ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ کون سی بیوی بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: شوہر جب اس کو دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے، جب وہ اسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے، اس کے مال اور اپنی عصمت کے معاملے میں وہ ایسا رویہ اختیار نہ کرے، جو شوہر کو ناگوار ہو۔ (نسائی، کتاب النکاح)

یہ حقیقت ہے کہ کسی بات پر جب میاں بیوی میں رنجش ہو جائے اور یہ سلسلہ تا دیر باقی رہے تو زندگی کا سکون ختم ہو جاتا ہے اور دونوں کا مستقبل بد سے بدتر ہو جاتا ہے، ایسے وقت راحت وآرام کے ہزار سامان بھی خرید لئے جائیں گھر میں خوشی کا ماحول پیدا نہیں ہوگا، وہ گھر جہنم کدہ تو بن سکتا ہے کبھی جنت کا نشان نہیں بن سکتا، ساتھ ہی میاں بیوی کے آپس کے جھگڑوں اور رنجشوں کے برے اثرات بچوں پر مرتب ہوتے ہیں ان کا ذہن ویسے ہی پروان چڑھتا ہے اور ان کی زندگی بھی ویران ہو جاتی ہے، ایسے ماں باپ کی عظمت کبھی دلوں میں پیدا نہیں ہوتی، ہر طرف نفرت کا ایک ماحول ہوتا ہے، اس لئے زوجین کو ہمیشہ آپس میں پیار ومحبت کی زندگی گذارنے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر کبھی رنجش ہو جائے تو اسے جتنا جلد ہو سکے دور کرنے کی فکر کی جائے۔

عام طور پر میاں بیوی میں تلخی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک دوسرے کے مزاج کی رعایت نہیں کرتا، مزاج شناسی اور موقع شناسی سے بہت سے مسائل

حل ہو جاتے ہیں ، جہاں تک ہو سکے شوہر بیوی کی عادت واطوار اور مزاج کی رعایت کرے اور بیوی اپنے شوہر کے مزاج کو پہچان کر کام انجام دے، اسی طرح ہر ایک کے حدود متعین ہیں، عورت امور خانہ داری اور بچوں کی تربیت وحفاظت کی ذمہ دار ہے تو مرد ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کسب معاش کا ذمہ دار ہے، عورت کے ذمہ مرد کی خدمت اور اطاعت ہے تو مرد کے ذمہ اس کا مہر اور نفقہ یعنی تمام ضروری اخراجات کا انتظام ہے، یہ تقسیم تخلیقی حکمت پر مبنی اور قدرت کی جانب سے ہے، ان ہی حدود میں رہتے ہوئے اگر زندگی گزاری جائے تو محبت میں شکن نہیں آئے گی ،لیکن جب دونوں ایک دوسرے کے کام میں دخل اندازی کرنے لگتے ہیں تو اختلاف پیدا ہوتا ہے، ہاں! مشورہ الگ چیز ہے اس سے منع نہیں بلکہ میاں بیوی کو آپسی مشورے سے ہی کوئی کام کرنا چاہئے مگر دخل اندازی بہتر نہیں ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب کہ ایک دوسرے کے رفیق بن کر زندگی گزاری جائے ، ہر ایک کے دل میں دوسرے کے تئیں محبت اور احترام ہو، آپس میں حاکمانہ رویہ اختیار نہ کیا جائے ،کبھی شوہر سوچنے لگے کہ مرد ہوں، حاکم ہوں، مختار ہوں ، آزاد ہوں، علم والا ہوں، دولت مند ہوں، سرمایہ دار ہوں، صاحب حیثیت اور محترم ہوں، ہزار خوبیاں میرے اندر ہیں، میری بیوی کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ محتاج اور نوکرانی بن کر زندگی گزارے، میری اجازت کے بغیر کوئی حرکت نہ ہو، اسی طرح بیوی اپنے حسن وجمال، علم، اپنے ماں باپ کی دولت اور میکے کے اسباب ووسائل پر ناز کرنے لگے اور شوہر کا کوئی مقام ورتبہ دل میں نہ ہو، خدمت واطاعت کو اپنی ذلت کا باعث سمجھے تو ایسے میاں بیوی میں اختلاف کا پیدا ہونا یقینی ہے اور جب تک دل سے یہ سب شیطانی وسوسے نہیں نکلیں گے اختلاف میں شدت ہوتی جائے گی اور اتحاد کا ماحول کبھی قائم نہیں ہوگا، وہ میاں بیوی کتنے خوش نصیب ہیں جن کی زندگی بھر ایک

دوسرے سے الفت ومحبت قائم رہے اور موت آئے تو دونوں کے درمیان پیار کا ماحول ہو اور دونوں خوشگوار زندگی گزارتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جائیں۔

سورہ نساء، آیت ۳۴ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ''۔ ''مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (یعنی مردوں کو) بعضوں پر (عورتوں پر) قدرتی فضیلت دی اور اس وجہ سے کہ مردوں نے عورتوں پر اپنے مال میں سے (مہر اور نان ونفقہ) کے لئے خرچ کیے ہیں''۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو سربراہ اور گھر کا عمومی ذمہ دار قرار دیا ہے، جو عین مقتضائے حکمت ہے، کوئی بھی نظام بغیر امیر اور ذمہ دار کے نہیں چلا کرتا، اسلئے گھر کے نظام وانصرام اور آپسی مسائل کو حل کرنے کا ذمہ دار مردوں کو مقرر کیا گیا، اسلئے کہ ان میں فطری طور پر یہ صلاحیتیں پائی جاتی ہیں عورتوں میں اس کی اہلیت نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوامیت اور ذمہ دارانہ حیثیت سے مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور برتری حاصل ہے، سورہ بقرہ، آیت ۲۲۸ میں آپسی حقوق میں مماثلت قرار دیتے ہوئے شوہروں کے ایک درجہ فضیلت کا اعلان کیا گیا ہے، لیکن ساتھ ہی مردوں کو ہدایت دی گئی کہ یہ محض نظام زندگی کو بہتر بنانے اور آپسی رہن سہن میں ترتیب باقی رکھنے کیلئے ایک دوسرے پر فوقیت دی گئی ہے، اس سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے اور بیویوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک نہ کیا جائے، تاہم اس سے انکار نہیں کہ عورتوں کا سرتاج اور سربراہ ان کے شوہر ہیں، عورتوں کو چاہئے کہ وہ شوہر کی بات مانیں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی جو مخصوص ذمہ داریاں ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی

شرم و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرماں برادر رہے تو پھر اسے حق ہے کہ وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت اس حالت میں دنیا سے جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہو تو ہو جنت میں جائے گی، ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہروں کا مقام بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں کسی کو کسی مخلوق کے لئے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو کہتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔ (ترمذی) اس طرح کی متعدد روایات ہیں، جن میں بڑے بلیغ اور موثر انداز میں عورتوں کو شوہروں کی خدمت، اطاعت اور اپنے آپ کو ان کے لئے نچھاور کردینے کی ترغیب دی گئی ہے۔لیکن افسوس ہوتا ہے کہ بسا اوقات عورتیں اپنے شوہروں کی معصومیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار کرتی ہیں شوہروں کو لعن طن، ان کی شکوہ شکایت اور گالی گلوچ تک کی نوبت آجاتی ہے، کبھی کبھی مردوں کے خلاف بیوی عدالتوں میں مقدمات لے جاتی ہے اور بے جا ان کو پریشان کرتی ہے، جو یقیناً سماج کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ یہ عورتیں ہیں جن کے دلوں میں شوہروں کا کوئی مقام نہیں ہوتا، جن کے لئے ارشادات رسول کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ان کو آخرت کا کوئی خوف اور جواب دہی کا احساس نہیں ہے۔

اسلام نے مردوں کو خاص طور پر اپنے غیظ وغضب پر قابو پانے کی تلقین کی ہے، گنوار اور ناواقف لوگوں کی ہر بات پر بیوی پر غصہ اور مار پیٹ سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جن کے اخلاق بہتر ہیں اور تم میں اچھے خیر کے زیادہ حامل وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں اچھے ہیں، ایک موقع پر

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ‘‘۔ (ابن ماجہ)
یعنی وہ آدمی تم میں زیادہ اچھا اور بھلا ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو اور میں اپنی بیویوں کے لئے بہت اچھا ہوں، آپ ﷺ نے اچھائی اور بھلائی کا خاص خیال اور علامت بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کو قرار دیا، ساتھ ہی اپنی مثال پیش فرمائی کہ میں اپنی ازواج کے ساتھ اچھا معاملہ کرتا ہوں، ساری امت کے لئے آپ ﷺ کا عمل نمونہ ہے سارے اوصاف اور ساری عزتوں کے عامل رسول اکرم ﷺ نے جب اپنی پاک بیویوں کے ساتھ دلداری، دلجوئی اور حسن سلوک کا معاملہ فرمایا اور ایسی بات نہ ہوئی جس سے آپس میں نفرت پیدا ہو، تو عام مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ زندگی بھر کی ساتھی یعنی بیوی کے ساتھ اچھا معاملہ کریں، ان کے ساتھ محبت سے پیش آئیں، ان کے حقوق ادا کریں، غرض میاں بیوی جب دونوں حدود میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے تو خوشگوار زندگی گذرے گی اور اگر کہیں سے بھی کمی یا کشمکش اور خانہ جنگی شروع ہو جائے گی، جو دین و دنیا دونوں کے لئے ہلاکت کا باعث ہے، آج پورا سماج میاں بیوی کے جھگڑوں سے بھرا ہوا ہے، عدالتوں میں بیشتر مقدمات کا تعلق میاں بیوی سے ہے، ضرورت ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا ماحول پیدا کریں، تاکہ زندگی کی صحیح مسرت حاصل ہو سکے۔ (مفتی منظیم احمد قاسمی کے مضمون سے اقتباسات)

☆☆☆

حجاب مسلم خواتین کیلئے کتنا ضروری

مسلم خواتین کے حجاب پر آئے دن سوالات اٹھتے رہتے ہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اس کی صحت اور ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، کبھی اس کو دقیانوسیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ برقع اور چادر ایک اضافی چیز ہے، اصل پردہ دل ونگاہ کا پردہ ہے۔ بعض ملکوں نے اسلام اور مسلم دشمنی میں اپنے یہاں اس پر پابندی بھی عائد کردی ہے اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے پر جرمانہ مقرر کردیا ہے۔ حجاب کے تعلق سے بعض جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کا رویہ بھی یہی ہے کہ یہ ایک غیر ضروری چیز ہے، اسے مسلم خواتین پر لاگو کرنا ان کے ساتھ ظلم وزیادتی ہے۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلام میں اس نوعیت کا پردہ نہیں ہے جو علماء اسلام نافذ کرانا چاہتے ہیں۔

ایک طرف یہ عملی اقدامات ہیں اور نظریاتی بحث جاری ہے تو دوسری طرف دنیا کے بیشتر ممالک کی کوشش یہ ہے کہ خواتین کو زندگی کے تمام شعبوں میں نمائندگی دی جائے تاکہ وہ مردوں کے شانہ بہ شانہ چل کر سماج کی ترقی میں حصہ لے سکیں۔ ان کے لئے ہر میدان میں نشستیں مخصوص کی جارہی ہیں، سرکاری اور نیم سرکاری

ملازمتوں میں ان کی حصہ داری طے کی جارہی ہے۔اس ظاہری چمک دمک سے دنیا خوبصورت محسور ہورہی ہے اور عملاً حجاب اور پردہ کی روایت کم سے کم ہوتی جارہی ہے۔تعلیم یافتہ خواتین کی اکثریت کا یہ رجحان دوسری خواتین پر بھی اثر انداز ہورہا ہے اور وہ بھی موقع کی تلاش میں ہیں کہ ہم بھی ان کی طرح بے حجاب ہوکر آزادانہ گھومیں پھریں۔جدید خیالات کی حامل بہت سی مسلم خواتین بھی غیر مسلم دنیا کے نقش قدم پر چل کھڑی ہوئی ہے۔کہنے کو وہ نماز بھی پڑھتی ہیں،اسلام سے اپنے تعلق کا بھی وہ اظہار کرتی ہیں اور اپنے مسلمان ہونے پر انہیں فخر بھی ہے لیکن حجاب اور پردہ انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا ہے۔دوسروں کی طرح وہ بھی اسے اپنی ترقی کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خیال کرتی ہیں۔

فکر وعمل کے یہ رویے ایک چیلنج کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ایک طرف مسلم خواتین کی تعلیم وتربیت کی اہمیت اور ضرورت کا مسئلہ ہے تو دوسری طرف شریعت مطہرہ کے محکم احکام وقوانین ہیں،دونوں میں توازن قائم کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مرد وزن کا آزادانہ اختلاط عفت وعصمت کے لئے زہر کی حیثیت رکھتا ہے۔عمر کے جس مرحلہ میں یہ اختلاط ہورہا ہے،اس میں جسم کے طبعی تقاضے نوجوان جوڑوں کو گمراہی کے دلدل میں پہنچانے کو بے تاب نظر آتے ہیں۔آئے دن ایسی خبریں ملتی ہیں کہ کسی بچی کا اغوا کرلیا گیا، غنڈوں نے اس پر دست درازی کی اور کسی بچی نے اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے اپنی جان دے دی۔ان واقعات کے سلسلے میں کہا یہ جاتا ہے کہ سماج میں تعلیم اور شعور کی کمی ہے۔اگر اس کا ازالہ کردیا جائے تو اس قسم کے حادثات رونما نہیں ہوں گے۔دوسرے لفظوں میں وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بے پردگی بلکہ عریانیت،مرد وزن کا آزادانہ اختلاط اور نامحرموں کی باہمی بے تکلفی اس کی وجہ نہیں ہے۔یہ باتیں

تو ایک مہذب اور ترقی یافتہ سماج کا لازمی حصہ ہیں۔ اس سے تو وقار میں اضافہ ہوتا ہے اور ہم ایڈوانس فیملی کے ممبر کہے جاتے ہیں۔ اسی راہ پر چل کر ہم دنیا کا ساتھ دے سکیں گے اور دنیا کو برت سکیں گے۔

بیمار ذہن کی سب سے بڑی علامت یہی ہے کہ وہ اصل بیماری کی شناخت کرنے اور اسے دور کرنے کی بجائے مریض پر کچھ دوسرے تجربے کرتا ہے، حالانکہ اسے بیماری کی اصل وجہ معلوم ہے لیکن اس بیماری سے اس نے سمجھوتا کرلیا ہے۔ جب عزت وعصمت کی کوئی قیمت نہ رہ جائے، بلکہ اسے عام اخلاقیات میں شمار کر کے قدر کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگے تو کسے ضرورت ہے کہ وہ کہے کہ خواتین کو اپنی حفاظت کے لئے حجاب اور چادر کا استعمال کرنا چاہئے۔ گناہ اور جرم کا احساس ختم ہو جائے تو آپ کسے گنہگار اور مجرم قرار دیں گے۔

مذہب سے آزاد اور بے زار دنیا انسانوں کو کہاں لے جائے گی اور اسے کن کن تباہیوں سے دوچار کرے گی، اس کا اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ مشرقی دنیا بنیادی طور پر شرم وحیا کو ایک اخلاقی وصف تسلیم کرتی ہے اور وہ ابھی کسی حد تک اپنی اقدار و روایات کے دائرہ میں ہے۔ مغرب نے مرد وزن کو جو آزادی دی ہے اور اس کے نتیجے میں خاندان جس خلفشار سے دوچار ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ مغربی ممالک نے جنسی آسودگی کو بھوک اور پیاس قرار دے کر جو فلسفہ ایجاد کیا ہے اس میں انہیں اس بات کی اجازت ہے کہ جہاں کھانے کی کوئی اچھی چیز نظر آجائے، اپنی بھوک مٹالی جائے۔ اس کے لئے صرف جیب کی اجازت ضروری ہے۔ اسی طرح جہاں کوئی خوبصورت دوشیزہ نظر آجائے، اس سے اپنی ہوس کی آگ بجھالی جائے، شرط صرف اس کی رضا مندی ہے۔ اس رضا مندی کو یہ شیطان فلسفہ شعور کی بلوغت قرار دیتا ہے جو اس کے بقول مشرقی ممالک میں مفقود ہے۔ آپ ذرا تصور

فرمائیں، یہ دانش ور اپنے فکر و فلسفہ کے اعتبار سے سماج کو کہاں پہنچانا چاہتے ہیں۔ خاندان کا شیرازہ بکھر رہا ہے، عمر کے ایک خاص مرحلے میں بہت سی خواتین بے یار و مددگار پھر رہی ہیں اور نوجوان جوڑے اپنی مستی و سرمستی میں یہ بھی بھول گئے ہیں کہ ان کے والدین بھی ہیں یا ان کا کوئی گھر بار بھی ہے۔

مذہب بے زار لوگوں کی یہ فلسفیانہ باتیں اور ان کا یہ غیر فطری طرز عمل کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ایک مسلمان خاتون کیلئے صرف یہ جاننا کافی ہے کہ اس کے خالق اور مالک نے اسے حجاب اور پردہ کا حکم دیا ہے۔ قرآن اور حدیث میں یہ احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ کو اس کی ذات سے کوئی دشمنی نہیں ہے کہ وہ اس کے ساتھ ناانصافی کرے گا۔ بلکہ اس کی دنیا اور آخرت کی بھلائی جس چیز میں ہے، وہ اسے اسی چیز کا حکم دے گا۔ یہ حالات اس کے لئے شدید آزمائش کے ہیں۔ اس پر حالات کا دباؤ ہے۔ سماج کی چمک دمک اسے لبھانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اب اسے فیصلہ کرنا ہے کہ اسے جانا کدھر ہے۔ اللہ کے احکام کی طرف، رسول کی تعلیمات کی طرف یا پھر دنیا کے ان شیطانی فلسفوں اور ملحدانہ طرز معاشرت کی طرف۔ آخرت پر اس کا محکم یقین اسے یاد دلاتا ہے کہ ایک دن اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔

بے حجابی اور آزادانہ اختلاط کے حق میں جو دلائل دیئے جاتے ہیں ان سب کی تردید علمائے اسلام کرتے رہے ہیں، اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے لیکن جب کوئی انسان مذہب ہی کو نہ تسلیم کرے، اسی فانی دنیا کو اپنی آخری منزل سمجھ لے، گناہ وثواب کا جس کے یہاں کوئی تصور نہ ہو، اسے سمجھانا آسان نہیں ہے۔ بعض مسلم خواتین کے اندر بے حجابی کا نظریاتی اور عملی رجحان کہیں نہ کہیں یہ ضرور ظاہر کرتا ہے کہ مذہب پر ہماری گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ قرآن کو اللہ کی کتاب سمجھنا اور پھر اس کے کچھ احکام کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا، کیا یہ ظاہر نہیں کرتا کہ ہم اللہ کی مکمل اطاعت

کرنے کی بجائے بعض معاملات میں اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔ اسلام ایک عورت کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنا سر ڈھک کر رکھے، باہر نکلتے وقت چادر اس طرح اوڑھ کر نکلے کہ جسم کے نشیب و فراز نمایاں نہ ہوں۔ آواز پیدا کرنے والے زیور پہن کر نہ نکلے، ایسی خوشبو نہ استعمال کرے، جس سے لوگوں کی توجہ بطور خاص اس کی طرف ہو جائے۔ کسی نامحرم سے تنہائی میں نہ ملے، اس کی باتوں میں لچک اور لوچ نہ ہو کہ کوئی بد طینت اپنے دل میں گندے خیالات پیدا کر لے۔ زینت کی چیزیں دانستہ ظاہر نہ کرے۔ بغیر محرم کے تنہا سفر نہ کرے، میل جول کی خواتین سے بے تکلفی برتے، ان خواتین سے نہیں جو اس کے لئے اجنبی ہوں۔

ان خاص احکام کے علاوہ اسلام نے بچیوں کے سرپرستوں کو تاکید کی ہے کہ ان کی شادی جوان ہوتے ہی کر دی جائے، اس سلسلے میں کوتاہی بسا اوقات بڑی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ کوئی ایسا رشتہ ملے جس کے دین اور اخلاق پر ہمیں اعتماد ہے تو فوراً رشتہ کر دینا چاہئے ورنہ زمین میں فساد رونما ہوگا۔ اللہ نے انسان کے جسم میں جو خواہشات رکھی ہیں اور اس کے جو تقاضے ہیں، ان کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر یہ وقت پر پورے نہ ہوئے تو خرابیاں لازمی طور پر پیدا ہوں گی۔ موجودہ سماج میں شادیوں میں بلاوجہ کی تاخیر سے بھی کئی طرح کی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔ بے حجابی کا بڑھتا ہوا رجحان بھی اسی کا نتیجہ ہے۔

تعلیم کے راستے سے بے حجابی کی جو وبا پھیل رہی ہے اس پر ملت کے ہمدردوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ اپنی تہذیب اور اس کی شناخت کو بچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم بچیوں کی تعلیم کا علاحدہ انتظام کریں۔ ذمہ دار استانیوں سے ان کی تربیت کرائیں، امور خانہ داری میں انہیں طاق بنائیں، انہیں ان کے فرائض کی یاد دہانی کرائیں۔ ایک عورت کو اپنی زندگی میں ایک ماں کا کردار نبھانا ہے، اس

کیلئے خصوصی تعلیم کی ضرورت ہے۔ جہاں تک سوال عصری علوم کا ہے اس کی افادیت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے، لیکن اس میں یہ بات پیش نظر ضرور رہے کہ کہیں عورت اپنی اصل حیثیت نہ فراموش کر بیٹھے اور اپنے فرائض سے دور نہ بھاگنے لگے۔

بے حجابی کو دور کرنا ہے تو ان تمام پہلوں پر توجہ دینی ہوگی۔ کیوں کہ یہ خرابی کئی وجوہات سے پیدا ہوئی ہے اور کہیں نہ کہیں ہمارا دعوتی، تعلیمی تربیتی نظام اس کا ذمہ دار ہے۔ مردوں کی طرح خواتین میں بھی دین سے محبت پیدا کی جائے۔ انہیں بھی اسلام کے احکام وقوانین سے آگاہ کیا جائے۔ موجودہ حالات کے جو تقاضے ہیں، ان کو اسلام کے دائرہ میں رہتے ہوئے پورا کیا جائے۔ حجاب میں رہتے ہوئے بہت سے کام کئے جاسکتے ہیں۔ دنیامیں بہت سی سعادت مند خواتین ایسی ہیں جو ڈھیلے ڈھالے لباس میں رہتی ہیں۔ سلیقے سے باہر نکلتی ہیں اور اپنے گھر کے بہت سارے کام انجام دیتی ہیں۔ حجاب ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کسی طرح سے رکاوٹ نہیں ہے۔ لباس اسلامی تہذیب میں اپنی مخصوص وضع قطع رکھتا ہے۔ اگر ہمیں اپنا اسلام عزیز ہے تو ہمیں اپنا فیشن خود ایجاد کرنا ہوگا، جس میں اسلام کے تمام اصولوں کی رعایت ہوگی۔ مرد تو خود پوری پتلون پہنتا ہے لیکن عورت اسکرٹ میں نظر آتی ہے۔ وہ پوری آستین کی شرٹ استعمال کرتا ہے لیکن عورت اپنے لباس کی آستین اس کپڑے کا منتخب کرتی ہے جس میں اس کے بازو اور کندھے دوسروں کو دعوت نظارہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس قسم کا لباس اسلام میں قطعی طور پر حرام ہے۔ اگر ہمیں اپنا دین عزیز ہے تو اس طرح کی بے اعتدالیوں سے خود کو بچانا ہوگا۔

(ماخوذ از مضمون رفیق احمد رئیس سلفی ندائے اسلام دہلی)

☆☆☆

صحابیات کے کارنامے اور اسلامی خدمات

تاریخ اسلام اس کی گواہ ہے کہ گذشتہ صدیوں میں بیشمار خواتین اسلام نے ہر شعبہ زندگی میں ناقابل فراموش کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ وہ شعبہ چاہے سیاست کا ہو یا اخلاق ومعاشرت کا، علم ولیاقت کا، یا صنعت وحرفت کا، زہد وریاضت کا ہو، یا تقویٰ وطہارت کا، عقل وخرد کا ہو یا ذہانت وذکاوت کا، ملکی خدمات کا ہو یا ریاست وبادشاہت کا، تربیت اولاد کا ہو یا ادائیگی حقوق کا ان سارے شعبوں میں مسلمان خواتین کا فضل وکمال اوران کی قابل تقلید مثالیں ملیں گی۔

خواتین اسلام مذکورہ بالا صفات وکمالات میں اپنے پیشتر ومتبرک اور پاکیزہ صفات خواتین اکابر صحابیات، بنات طیبات اورازواج مطہرات (امہات المومنین) کی مقلد تھیں، جنھوں نے ہر شعبۂ حیات میں اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے بہترین مثالیں چھوڑی تھیں اور زندگی کے ہر معاملہ میں ''اسوہ حسنہ'' پیش کیا تھا۔

صحابیات ﷺ کے مختلف کارناموں اور خدمات کے سلسلے میں سرفہرست حضرت خدیجہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمات ہیں جنھوں نے شروع سے حضور سرورکائنات ﷺ کی ہر طرح پشت پناہی کی، اور اسلام کی اشاعت میں بڑا کام

کیا، اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں مثالی کردار ادا کیا، اپنی پاک دامنی کی بنا پر طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں، عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائیں اور حضور اقدس ﷺ کا ہر طرح ساتھ دیا۔

غار حراء میں جب حضور ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ گھر واپس تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لبریز تھے، آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا مجھ کو کپڑا اوڑھاؤ، مجھ کو کپڑا اوڑھاؤ اور پھر پورا معاملہ سنایا اور فرمایا مجھ کو ڈر ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ مسرور نہ ہو، خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں اور فقیروں کے کام آتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں، اور پھر وہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ ابن نوفل (جو مذہباً نصرانی تھے) کے پاس لے گئیں، جنہوں نے آپ سے واقعہ سن کر نبوت کی بشارت سنائی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں، شب و روز ساتھ تھیں، ساتھ نوافل ادا کرتی تھیں۔

آپ ﷺ کو مشرکین مکہ سے جو مصائب اٹھانے پڑتے تھے اور ان پر جو آپ ﷺ کو صدمہ پہنچا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر دور ہو جاتا تھا، اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو پوری تسلی دیتیں۔

مشرکین مکہ جب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کو شعب ابو طالب میں محصور کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔

جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حیات رہیں کفار مکہ کو کھل کر حضور ﷺ کو پریشان کرنے میں رکاوٹ محسوس ہوتی تھی لیکن ان کے انتقال کے بعد قریش نے کھل کر ستانا شروع کر دیا، اسی لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے سال کو ''عام الحزن'' (غم کا سال) کہا جاتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ عالم میں افضل ترین خاتون مریم علیہا السلام اور خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

علوم وفنون میں سے واقفیت میں بڑا درجہ رکھتی ہیں، صحابیات رضی اللہ عنہن میں متعدد ایسی خواتین گذری ہیں جو تفسیر وقرأت، حدیث وفقہ، فرائض، ادب اور دوسرے علوم وفنون میں ملکہ رکھتی تھیں، ان میں سرفہرست ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں، جن میں بعض کو پورا قرآن شریف حفظ تھا، تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کمال حاصل تھا، حدیث کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ بنت قیس کے نام آتے ہیں جو کثیر الراویہ تھیں۔

فقہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بے شمار فتاویٰ ہیں، ان کے علاوہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا، ام عطیہ رضی اللہ عنہا، ام الاروا رضی اللہ عنہا، ام شریک رضی اللہ عنہا، عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا، سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا، اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا، وغیرہ کئی صحابیات ہیں جن کے فتاویٰ موجود ہیں۔

فقہ کے علاوہ علم اسرار خطابت، خوابوں کی تعبیر، طب اور جراحی، شعروسخن میں بھی کئی صحابیات درک رکھتی تھیں، ان میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا، کی مثال شعر کہنے میں کم ہی ملتی ہے۔ عملی کاموں میں صنعت وحرفت کا ایک شعبہ ہے جس میں سلائی، زراعت، کتابت، کپڑا بننا بھی ہے۔ ان کاموں میں متعدد صحابیات رضی اللہ عنہن ملکہ رکھتی تھیں۔

دین کی حفاظت اور اسلام کی خدمت واشاعت اہم ترین کام ہے، اس کام میں تقریباً ساری صحابیات دلچسپی لیتی تھیں، لیکن بعض صحابیات اس میں عظیم المرتبہ تھیں۔ حضرت فاطمہ بنت خطاب کی دعوت پر ان کے بھائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

اسلام قبول کیا، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی کوشش پر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا کی ترغیب دینے پر ان کے شوہر عکرمہ رضی اللہ عنہ ابن ابو جہل جو یمن بھاگ گئے تھے، واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہو کر ایمان لائے، ام شریک رضی اللہ عنہا دوسیہ کی دعوت پر قریش کی بہت سی عورتوں نے اسلام قبول کیا۔

جہاد اسلام کا اہم فریضہ ہے، صحابہ کرامؓ نے جس ذوق وشوق سے اس میں حصہ لیا اس کے واقعات تاریخ اسلام میں سینکڑوں صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں، لیکن اس کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ صحابیاتؓ نے بھی اپنی طاقت حیثیت اور اپنے مقدور بھر اس اہم فریضہ کو انجام دیا، ان کا جوش اخلاق، عزم واستقلال اپنے شوہروں، بھائیوں، بزرگوں اور لڑکوں سے کم نہ تھا، غزوہ احد میں جب کہ کافروں نے حملہ کر دیا تھا، تو حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور دشمنوں کے تیر اندازوں کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے لگیں، ابن قمیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا اور حملہ کر دیا، حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے حملہ روکا اور سامنے پڑ جانے کی وجہ سے ان کے کاندھے پر زخم آ گیا، انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی اور ابن قمیہ پر تلوار چلا دی، مسیلمہ کی جنگ میں پامردی سے مقابلہ کیا اور بارہ زخم کھائے، ایک شہید ہوا۔ غزوۂ خندق میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی دشمن کو قتل کیا، غزوہ حنین میں ام سلیم رضی اللہ عنہا ہتھیار لے کر مقابل ہوئیں، جنگ یرموک میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، حضرت ام ریان رضی اللہ عنہا، خولہ رضی اللہ عنہا، ام حکیم رضی اللہ عنہا، ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت یزید نے پامردی سے دشمنوں کا مقابلہ کیا ۲۸ھ میں قبرص کو فتح کرنے میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے مسلمان لشکر میں شرکت کی۔

یہ تو ہتھیار لے کر جنگ میں شرکت کا حال تھا، ایسی بھی صحابیات تھیں جنہوں نے مختلف غزوات اور جنگوں میں دوسری خدمات انجام دیں، جیسے پانی پلانا، زخموں

کی مرہم پٹی کرنا، شہداء اور زخمیوں کو اٹھا کر محفوظ مقامات پر لانا، تیر اٹھا اٹھا کر لڑنے والوں کو دینا، کھانے پینے کا انتظام کرنا، لڑنے والوں کو ہمت دلانا، ان سارے کاموں میں حسب ذیل خواتین سرفہرست رہتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا، حضرت ام سعیط رضی اللہ عنہا، حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا، حضرت ام زیادہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا، حضرت خولہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ۔ اس میں کچھ تو مشک بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، کچھ زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں، کچھ مجروحین کو اٹھا کر میدان جنگ سے مدینہ منورہ لاتی تھیں، کچھ نے چرخہ کات کر مسلمانوں کی مدد کی تھی، کچھ تیر اٹھا کر لاتی تھیں، کچھ کھانا پکا کر کھلاتی تھیں، اور بعض نے تو گورکنی وقبر کھودنے کی خدمت بھی انجام دی، اور کچھ نے ہمت دلانے کے لئے اشعار بھی پڑھے اور لڑنے والوں کو جوش دلایا۔

عشق الٰہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابیات صحابہ سے کچھ کم نہ تھیں، غزوہ احد کا وہ مشہور واقعہ ہے کہ جب مسلمانوں کی شکست کا شور ہوا تو ایک صحابی خاتون اپنے گھر سے اس لئے بے تابانہ نکلیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔

ایک صاحب ملے انہوں نے خبر دی کہ تمہارے شوہر شہید ہو گئے، انہوں نے انا للہ پڑھی اور پھر پوچھا ہمارے آقا کا کیا حال ہے؟ پھر ان کو خبر دی گئی کہ تمہارے بھائی شہید ہو گئے، عاشق رسول بی بی بولیں مجھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بتاؤ، اس کے بعد ان کو بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحفاظت ہیں، نیک دل بی بی نے خدا کا شکر ادا کیا، مگر آگے بڑھتی گئیں، جب تک کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب نہ ہو گی چین نہ آئے گا۔ سامنے عشاق نبی کے جھرمٹ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئے، وہ بی بی سراپا شوق بن کر آگے بڑھیں اپنی پرشوق نگاہوں سے آفتاب عالم کے دیدار پر

انور ارسے مشرف ہوئیں، اور عزت واحترام کا ذکر مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے چند اشعار میں کیا ہے وہ بجائے خود بہتر موثر ہیں۔

الغرض زندگی کے ہر شعبہ میں صحابی کی بیبیوں رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے بعد آنے والی خواتین کے لئے بہترین نمونہ چھوڑا ہے، جس کی مختلف تفصیل کتابوں میں ملتی ہے، خصوصاً ان کتابوں میں جو صرف صحابیات کے حالات پر لکھی گئی ہیں اور یہ بھی فخر کی بات ہے کہ علماء نے اس بارے میں کوئی کوتاہی نہیں کی بلکہ تذکرہ نگاروں نے مستقل اور ضمنی طور پر صدہا صحابیات کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ ان تذکرہ نگاروں میں ابن اثیر، ابن سعد زہری، حافظ ابن حجر عسقلانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جنہوں نے صحابیات کے حالات لکھنے میں خاص دلچسپی لی ہے۔ اور وہ بہت حد تک کامیاب رہے، ان حضرات کی تصنیفات تاریخ النساء استیعاب، اصابہ، طبقات الصحابہ، اسد الغابہ، تہذیب التہذیب ہیں۔ ان کتابوں میں کسی میں ۳۹۸، کسی میں ۶۲۷، کسی میں ایک ہزار صحابیات سے زیادہ کے حالات ہیں اور ان میں سب سے زیادہ حالات ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اصابہ کی آٹھویں جلد خاص خواتین کے حالات پر مشتمل ہے یعنی اس حصہ میں تقریباً ۱۵۴۵ عورتوں کا تذکرہ ہے۔

اتنی تفصیل اس لئے عرض کی گئی ہے تاکہ مسلمان خواتین خصوصاً ''پیام عرفات'' کی پڑھنے والی بہنیں اور بچیاں خوشی محسوس کریں کہ ان کی بزرگ اور قابل احترام خواتین جن کو صحابیات کا شرف حاصل تھا، کس پائے کی تھیں اور ان کے حالات کتنی تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں اسی بناء پر ان کتابوں کے نام بھی لکھ دیئے گئے ہیں کہ جن میں ان کے حالات ملتے ہیں اردو زبان میں بھی صحابیات کے حالات پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جو بازار میں ملتی ہیں۔ ان میں بعض کتابیں صرف امہات المومنین کے حالات پر مشتمل ہیں اور بعض صرف بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ

پر حاوی ہیں اور بعض اکابر وانصار صحابیات کے واقعات کو پیش کرتی ہیں جن کا مطالعہ ضروری ہے۔

اب آخر میں ان مخصوص اہل کمال اور قابل تقلید چند صحابیات رضی اللہ عنہن کے نام پیش کیے جاتے ہیں جن کے حالات تفصیل سے ملتے ہے، اور جو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عالی مرتبہ تھیں۔ان مبارک خواتین میں پہلا نام امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا تھا جو تعداد میں گیارہ تھیں او رامہات المومنین میں: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، ام المساکین، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کے احسانات سے امت مسلمہ سبکدوش نہیں ہوسکتی۔اس کے بعد بنات طیبات تھیں جن میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، الحسنین سیدہ النساء اہل الجنۃ ہیں۔ یہ چاروں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب صاحبزادیاں تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گوشہ جگر تھیں، خدا ان سب کی قبروں کو نور سے بھر دے۔آمین!

عام صحابیات میں مخصوص اور قابل تقلید وقابل رشک خواتین میں حضرت صفیہ عمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت امامہؓ، ام ایمن، فاطمہؓ بنت اسد، ام الفضلؓ، ام رومانؓ، حضرت سمیہؓ، ام سلیمؓ، ام عمارہؓ، ام ہانیؓ، فاطمہ بنت خطابؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ، اسماء بنت یزیدؓ، ام حکیمؓ، خنساؓ، ام حرامؓ، خولہ بنت حکیمؓ، شفاء رضی اللہ عنہا، اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہن سرفہرست ہیں، ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد صحابیات کی ہے جن کی قربانیاں، کارنامے اور علمی اور عملی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

اللہ تعالیٰ ساری مسلمان خواتین کو ان صحابی رضی اللہ عنہم کی بیبیوں کی تقلید کرنے کی توفیق دے۔ (مولانا محمد ثانی حسنیؒ کے مضمون سے ماخوذ)

☆☆☆

بیواؤں سے متعلق اسلامی تعلیمات نے مجھے مسلمان بنادیا

میرا آج کا نام فاطمہ ہے، لیکن ایک زمانہ تھا جب لوگ مجھے شیلا تنیجہ کے نام سے جانتے تھے۔ میں ایک ایسے ہندو گھرانے میں پیدا ہوئی تھی، جہاں پوجا پاٹ کی پابندی بڑی سختی کے ساتھ کی جاتی تھی۔ میری والدہ اور دادی رام بھگتی میں مگن رہتی تھیں، صبح وشام میرے گھر میں بھجن گائے جاتے تھے۔ اکثر منگل کے دن کیرتن ہوتا تھا، میرے والد سناتن دھرمی تھے۔ ان سے ملنے کے لئے ہر وقت لوگ آتے رہتے تھے، میری والدہ روزانہ مجھے دیوی دیوتاؤں کی کہانیاں سناتی رہتی تھیں۔ روایتی طریقے پر میں نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ لیکن میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھی۔ میرا خواب تھا کہ میں انگلینڈ جا کر قانون کی ڈگری حاصل کروں، لیکن غریب خاندان کی فرد ہونے کی وجہ سے میرے پاس اتنے سرمایہ نہیں تھا کہ میں اپنا خواب پورا کرسکوں، لیکن خوش قسمتی سے میں نے ایک مقابلہ جاتی امتحان میں حصہ لیا اور سرکاری خرچ پر انگلینڈ جا کر تعلیم حاصل کرنے کا راستہ میرے لئے کھل گیا۔ میرے والدین بھی اس بات کے لئے تیار ہوگئے کہ میں ہندوستان سے باہر انگلینڈ جا کر قانون کی ڈگری حاصل کرلوں، لیکن آج جب میں سوچتی ہوں تو لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

مجھے ہدایت دینا چاہتا تھا جس کے لئے میں انگلینڈ چلی گئی۔ اگر میں انگلینڈ نہ جاتی تو مجھے اسلام کی روشنی حاصل نہ ہوتی۔ انگلینڈ جانے کے بعد مجھے ایک آزاد فضا میسر آئی، میں نے دیکھا کہ وہاں تعلیم حاصل کرنے والی ایسی بیوہ خواتین بھی ہیں جو نہایت آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہیں، وہاں بیوہ ہونے پر کسی خاتون کو زندگی کے حقوق سے محروم نہیں کیا جاتا۔ وہ عام عورتوں کی طرح ہنستی بولتی ہیں اور خوش رہتی ہیں جب کہ ہندوستان میں بیوہ عورتوں کے لئے یہ سب چیزیں ممنوع ہیں۔ ایک زمانے میں تو ہندوستان میں بیوہ عورتوں کو شوہر کی چتا کے ساتھ ہی زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ بیوہ عورت کی زندگی کے تعلق سے جب میں نے وہاں کی خواتین سے گفتگو کی تو اندازہ ہوا کہ ہندوستان میں بیوہ عورتیں ظلم کی شکار ہیں۔ یہاں کے مذہب پرست لوگ بیوہ عورتوں کو جانوروں کے برابر بھی حقوق نہیں دیتے۔ عورتوں کے حقوق کے تعلق سے جب میں نے قانونی سطح کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو مجھے بہت سی نئی چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل ہونا شروع ہونے لگیں۔ ہندو مذہب کے بارے میں جب میں نے معتقدات کا مطالعہ کیا تو یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ دیگر مذاہب کی طرح یہ مذہب بھی مفروضات پر مبنی ہے۔ خیالی اور دور از کار چیزوں کو ہی اس مذہب میں برتری حاصل ہے۔ ایک عورت ہونے کے تعلق سے میں چاہتی تھی کہ بیوہ کو پورا پورا تحفظ ملے۔ لیکن ہندو مذہب میں بیوہ کو تحفظ حاصل نہیں ہے، شوہر کی موت کے بعد وہ بالکل بے اختیار اور بے دست و پا ہے۔

میرے ساتھ تعلیم حاصل کرنے والی بہت سی عیسائی خواتین بھی تھیں، جب میں نے عیسائی مذہب کے بارے میں بیوہ کی حیثیت پر گفتگو کی، تو پتہ چلا کہ عیسائی مذہب میں بھی بیوہ قابل رحم حالت میں ہے۔ ہندو مذہب میں بیوہ شادی کر ہی نہیں سکتی، عیسائی مذہب میں بیوہ کو دوسری شادی کرنے کے لئے چرچ سے اجازت لینی

پڑتی ہے۔ لیکن چرچ مخصوص حالات ہی میں بیوہ کو شادی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ بیوہ کی مجبوری کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ عیسائی مذہب میں بیوہ کو استحصال سے بچانے کا کوئی قانون نہیں ہے، جن عیسائی بیوہ خواتین سے میری ملاقات ہوئی ان سب کو میں نے المناک داستانیں بیان کرتے ہوئے پایا، اصل میں میری خواہش تھی کہ میں بیوہ خواتین کے لئے قانونی طور پر کوئی کام کروں، لیکن مجھے قانون کے ایسے دروازے نہیں مل رہے تھے، جہاں سے میں اپنی منزل کی طرف کامیابی کا سفر شروع کرسکوں، میرے ساتھ تعلیم حاصل کرنے والی کچھ مسلم خواتین بھی تھیں۔ وہ مسلم خواتین پردے میں آتی تھیں، اس لئے مجھے یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ جب مسلم خواتین پردے میں پڑھنے آتی ہیں، تو ان کے مذہب میں بیوہ خواتین کی حیثیت تو بہت زیادہ خراب ہوگی، لیکن میں نے یہ مناسب سمجھا کہ مسلم خواتین سے بیوہ کے بارے میں معلومات تو کرنی ہی چاہئے۔ جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ اسلام میں بیوہ کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔

یہ ایک حسن اتفاق ہی تھا کہ جس مسلم خاتون سے میں نے بیوہ کے بارے میں سوال کیا، تو وہ خود ایک بیوہ تھی اور اپنے رکھ رکھاؤ سے بے حد معقول نظر آتی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک بیوہ ایسی نیک شکل وصورت میں ہوسکتی ہے۔ خاتون نے مجھے اپنا نام توصیفہ بتایا اور اس نے انکشاف کیا کہ چار سال پہلے ایک حادثے میں اس کے شوہر کی وفات ہوچکی تھی۔ شرعی مدت پوری کرنے کے بعد اس نے دوسری شادی کرلی، دوسرے شوہر سے بھی اس کی اولاد ہے۔ مسلم معاشرے میں اسے ایک باہمت خاتون کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور اس کی دوسری شادی کو مسلمان ایک قابل تحسین عمل قرار دیتے ہیں۔ یہ انکشاف میرے لئے بے حد حیرت انگیز تھا۔ میں اب تک یہی سمجھتی تھی کہ مسلمان مرد چار شادیاں بیک وقت کرلیتے ہیں

جس سے عورتوں کی بے عزتی ہوتی ہے، لیکن یہ بات میرے لئے بالکل نئی تھی کہ مسلمان بیوہ عورتوں کی شادی مسلمانوں میں بڑے آبرومندانہ طریقے پر ہو جاتی ہے اور بیوہ عورت کی شادی کو کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ بس یہی وہ مرحلہ تھا جب میری توجہ اسلام کی طرف گئی اور میں نے طے کیا کہ اسلامی قوانین کا مطالعہ کر کے میں یہ جاننے کی کوشش کروں گی کہ اسلام کے قوانین میں اور دوسرے مذاہب کے قوانین میں نمایاں فرق کیا ہے۔ جب میں نے اسلامی قوانین کا مطالعہ شروع کیا، تو یہ بات واضح ہونے لگی کہ اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے خواتین کو سب سے زیادہ قانونی حقوق دیئے ہیں اور بیواؤں کو وہی حقوق عطا کئے ہیں جو عام خواتین کو حاصل ہیں۔ اس کے بعد میں نے اسلام کا باضابطہ مطالعہ کرنا شروع کیا۔ مجھے قانون پڑھانے والوں میں سے ایک ایسے مسلمان پروفیسر میسر آ گئے، جنہوں نے اسلام کو سمجھنے میں میری پوری پوری مدد کی۔ جیسے جیسے میرا مطالعہ بڑھتا گیا، یہ حقیقت میری سمجھ میں آتی گئی کہ اسلام ہی دنیا کا واحد سچا مذہب ہے، یہ کسی شخص کا بنایا ہوا مذہب نہیں ہے، بلکہ اس مذہب کو اللہ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے اس دنیا میں بھیجا ہے۔ تاکہ دنیا والے ہدایت حاصل کر لیں اور نیکو کاروں کی زندگی بسر کریں۔

چنانچہ اسلامی قوانین کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے اپنے تحقیقی مطالعے میں ثابت کیا کہ بیوہ کے حقوق صرف اسلامی قوانین میں ہی محفوظ ہیں۔

شاید آپ کو معلوم نہ ہو، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر سال غیر مسلم بیوائیں بڑی تعداد میں اسلام قبول کرتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے دامن میں پناہ لینے کے بعد وہ ایک باعزت زندگی بسر کرنے لگتی ہیں۔ دوسرے مذاہب میں رہ کر انہیں جس تیرو تفنگ کا نشانہ بننا پڑتا ہے، اس سے انہیں نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں میں بیواؤں کو نہ صرف یہ کہ گری ہوئی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ ان

کی دوسری شادی کو بہتر سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت میری سمجھ میں اچھی طرح آگئی کہ اسلام کے علاوہ دنیا میں کوئی مذہب قابل عمل نہیں ہے، چنانچہ میں نے انگلینڈ ہی میں اسلام قبول کیا۔ ایک اسلامی سینٹر میں جا کر جب میں نے اپنے ارادے کا اظہار کیا تو وہاں موجود مسلمانوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ انہوں نے اس بات کا بھی اطمینان کرلیا کہ میں کسی دباؤں میں آکر اسلام قبول نہیں کر رہی ہوں، یا برضا ورغبت میں حلقہ بگوش اسلام ہو رہی ہوں۔ الحمدللہ آج میں مسلمان ہوں، میرے شوہر اور بچے بھی مسلمان ہیں۔ اللہ کرے میری طرح اسلام کی دولت ہر شخص کو حاصل ہو جائے۔ (آمین)

☆☆☆

بیٹی زحمت نہیں رحمت ہے

خوشی اور غم انسانی زندگی کے دو اہم جزء ہیں، ہر انسان کو زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر ان دو چیزوں سے واسطہ و سابقہ پڑتا ہے، کبھی دن کی ابتداء خوشی سے ہوتی ہے تو انتہاء غم سے کہ رات کی تاریکی ان تمام خوشیوں کو ذبح کر دیتی ہے، کبھی آسمان پر خوشی کے سفید و صاف بادل نظر آتے ہیں لیکن وہ بادل سیاہ ہو کر خوشی کی میعاد کے خاتمہ کا اعلان کرتے ہیں، بعض لوگ خوشی کی بارش سے خوب سیراب ہوتے ہیں لیکن اچانک غم کا سیلاب اس خوشی کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، اسی طرح بعض لوگ اولاد کی نعمت کو پا کر خوش و خرم نظر آتے ہیں تو بعض لوگ اس نعمت سے محرومی کے سبب غمگین اور افسردہ دکھائی دیتے ہیں، اور بعض والدین تو نرینہ اولاد کی نعمت پر فرحان و شاداں لیکن مادہ اولاد کی نعمت پر پریشا اور غمزدہ معلوم ہوتے ہیں، جب کہ یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی خوشی و غم کا مالک و خالق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اسی طرح لڑکے اور لڑکی کے اعتبار سے اولاد کی تقسیم کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ” لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ، اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَاِنَاثًا وَيَجْعَلُ

مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ“ ۔ ”آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے، جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا ان کیلئے بیٹے اور بیٹیاں دونوں کو عطا کر دیتا ہے، اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔ (شوریٰ:۴۹-۵۰)

بیٹی کی پیدائش پر ناراضگی زمانہ جاہلیت کی عادت

زمانہ جاہلیت کی بہت سی بری عادتوں میں سے ایک بری عادت یہ تھی کہ اس زمانہ میں عورت کو منحوس سمجھا جاتا تھا اور اس کے پیدا ہوتے ہی اسے زندہ دفن کرنے کی تیاری شروع ہوتی، اور ایک زندہ روح کو زمین کے حوالہ کیا جاتا لیکن اسلام کی آمد پر صرف اس قبیح عادت پر بندش ہی نہیں لگی بلکہ لڑکی کی پیدائش کو بابرکت قرار دیا گیا۔ اس کی پرورش کو باعث ثواب بتلایا گیا، اسے عزت واحترام کا تحفہ عطا کیا گیا، اور اس کی توہین وتحقیر کو ناپسند کیا گیا، اس کے جینے کے حق کے غاصب کو مجرم قرار دے کر قابل گرفت بنایا گیا ارشاد باری ہے: ”وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ“ کہ جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی۔ (التکویر:۸-9) اس سوال سے اصل قاتل کی سرزنش مقصود ہوگی نہ کہ زندہ درگور کی گئی لڑکیوں کی، لیکن زمانہ جاہلیت سے صدیوں دوری کے باوجود آج بھی بیٹی کی پیدائش پر باپ کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، ایک ماں کو صرف اس لئے ذلیل کیا جاتا ہے کہ اس نے بیٹی کو جنم دی، ایک بیوی اپنے شوہر کے طعن وتشنیع کے تیروں کی شکار صرف اس لئے بنتی ہے کہ اس نے نو ماہ تک اس کے نطفہ کے بوجھ کو بیٹی کی شکل میں اٹھا کر ساری تکلیفوں کو برداشت کیا، یہ سب چیزیں اس ترقی یافتہ دور میں زمانہ جاہلیت کی بہترین نمائندگی اور عکاسی کر رہی ہیں، جو بالکل نامناسب

اور نازیبا حرکتیں ہیں، اور خدا کے فیصلہ سے کھلی بغاوت ہے اور اگر بالفرض بیٹی کی پیدائش منحوسیت کی علامت ہوتی تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کو بیٹیوں کی نحوست سے محفوظ رکھتے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے جو نرینہ اولاد عطا فرمائی تھی اس کو بھی باقی نہ رکھا بلکہ آپ ﷺ کی بیٹیوں نے اپنے باپ سے پرورش پائی۔

بیٹی بھی بیٹے کا بدل بن سکتی ہے

عام طور پر لڑکی کی پیدائش پر آدمی اس لئے ناراض ہوتا ہے کہ وہ نرینہ اولاد سے محروم رہتا ہے، یا کثرت سے مادہ اولاد کی پیدائش والدین کے لئے دردسر بن جاتا ہے، اس لئے کہ والدین کے دل میں بیٹے کے متعلق جو بلند تصورات وخیالات پہلے سے جنم لئے ہوتے ہیں وہ بیٹی کے ذریعہ پایہ تکمیل تک پہنچنے کے امکانات تاریک نظر آنے لگتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ تصور قرآنی آیات کے خلاف ہے، قرآن اس بات کا شاہد ہے کہ جو ارادے اور عزائم بیٹے کی پیدائش سے وابستہ ہیں ان کو بیٹی کے ذریعہ بھی مکمل کیا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت عمران علیہ السلام کی بیوی کی نذر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اِذْ قَالَتِ امْرَاَةُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ. فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی “۔ جب عمران علیہ السلام کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار میرے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی تو میری طرف سے اس کو قبول فرما یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے، جب اس نے بچی کو جنا تو کہنے لگیں کہ پروردگار مجھے تو لڑکی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کو خوب

معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکی لڑکے جیسے نہیں ہوتی۔(آل عمران:۳۵-۳۶) دراصل حضرت عمران علیہ السلام کی بیوی نے بیٹے کی امید کے اعتبار سے نذر مانی تھی لیکن جب بیٹی پیدا ہوئی تو بطور افسوس کے کہنے لگی کہ تیری عبادت کا حق جو ایک مرد ادا کر سکتا ہے وہ کمزور عورت ادا نہیں کر سکتی لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی بیٹی جس کا نام مریم علیہا السلام رکھا تھا عبادت الٰہی کے لئے وقف کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا، اللہ فرماتے ہیں: ''فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَاَنبَتَهَا نَبَاتاً حَسَناً وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا''۔ ''کہ اس بیٹی کو اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول کر لیا اور اس کی بہترین پرورش کی اور اس کی خیر وخبر لینے کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کو ذمہ دار بنایا۔(آل عمران: ۳۷) اس واقعہ سے پتہ چلا کہ حضرت عمران علیہ السلام کی بیوی نے جن مقاصد کی خاطر بیٹے کی تمنا اور آرزو کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان مقاصد کو بیٹی کے ذریعہ مکمل کیا اور تجربہ بھی اس بات کا گواہ ہے کہ بیٹی کسی بھی طرح ایک بیٹے سے کم نہیں ہوتی کیونکہ بہت سی ایسی لڑکیاں ہیں جنہوں نے شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنے عزم وحوصلہ سے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ گھریلو ذمہ داریوں کو بحسن خوبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ سماج ومعاشرہ کی اصلاح کی طاقت رکھتی ہیں، علم کے میدان میں بھی وہ کسی سے کم نہیں بس والدین کے اعتماد اور بھروسہ کی ضرورت ہے پھر وہ اپنا مقام خود بنا لیتی ہیں۔

رحم مادر میں بیٹی کا قتل انتہائی سنگین جرم

رحم مادر میں پرورش پانے والے نومولود کا اصل حق تو یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں آئے، اپنے والدین کی شفقت اور ممتا کے سایہ میں پرورش پائے، اس دنیا کی چمک دمک کو محسوس کرے، اسی مقصد کے خاطر شریعت نے رحم مادر میں پرورش کے مراحل سے گذرنے والے بچہ کی حفاظت کی غرض سے جو احکام مرتب کیے ہیں ان سے اس

بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں ایک جنین (انسانی جان) کی کتنی اہمیت ہے، چنانچہ اللہ نے فرمایا: "وَاِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ"۔ (الطلاق:٦) "کہ طلاق بائن ومغلظہ کی صورت میں اگر عورت حاملہ ہے تو اس حمل کی صحت کی خاطر بچہ کی پیدائش تک اس کی ماں کے نفقہ کو شوہر پر واجب کیا گیا ہے، اسی طرح اگر کسی عورت پر قصاص واجب ہوجائے، یا کوئی عورت زنا کی مرتکب ہوجائے، لیکن وہ مذکورہ صورتوں میں حاملہ ہو تو حمل کی حفاظت کی خاطر اس پر وضع حمل تک نہ قصاص واجب ہوگا اور نہ کسی قسم کی سزا اور حد جاری ہوگی، چنانچہ منقول ہے: "لا یقتص من حامل حتی تضع" کہ حاملہ عورت سے وضع حمل تک قصاص نہیں لیا جائے گا"۔ "ولا ترجم الحامل حتی تضع"۔ زنا کی وجہ سے حاملہ عورت کو سنگسار نہیں کیا جائے گا"۔ "ولا یجلد المرأة فی الحبل حتی تضع"۔ کہ زانیہ کو دوران حمل کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔ (عمدۃ السالک: ۱۱-۲۲۱) ایک طرف شریعت نے حمل کی حفاظت کا اتنا اہتمام فرمایا تو دوسری طرف پوری دنیا میں اسقاط حمل کی جو لہر جاری ہے وہ حیران کن ہے، غیر تو غیر مسلمان عورتیں بھی دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش میں ہیں، بیٹے کی خواہش مند عورتیں پیدائش سے قبل ہی الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ حمل کے متعلق معلومات حاصل کرتی ہیں، اور بیٹی ہونے کی صورت میں اپنا حمل ساقط کرادیتی ہیں، جبکہ حمل کی مدت ایک سو بیس دن ہوجانے کے بعد اسقاط حمل بالاتفاق حرام اور ناجائز ہے۔

"اجمع فقها المذاهب الاسلامية من السنة على حرمة قتل الجنين بعد نفخ الروح اى بعد مرور مائة وعشرين يوما منذ التلقيح، ولا يجوز قتله باى حال من الاحوال"۔ کہ اہل سنت والجماعت کے تمام مذاہب کے فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بچہ میں روح پھونکنے کے بعد اس کو اسقاط حمل

کے ذریعہ قتل کرنا حرام ہے، اور اسے کسی بھی حالت میں زندگی سے محروم کرنا جائز نہیں۔ (احکام الجنین: ۱۶۹) اور نفخ روح سے پہلے بھی بغیر ضرورت کے اسقاط حمل کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ قتل نفس کے مشابہ ہے، چنانچہ علامہ یوسف قرضاوی فرماتے ہیں: "الاصل في الاجهاض الحرمة وان كانت الحرمة تكبر وتعظم كلما استقرت حياة الجنين، فهو في الاربعين الاولى اخف حرمة فقد يجوز لبعض الاعذار المعتبرة وبعد الاربعين تكون الحرمة اقوى، فلا يجوز الاعذار اقوى يقدر اهل الفقه وتتاكد الحرمة وتتضاعف بعد مائة وعشرين يوما حيث يدخل في مرحلة نفخ الروح". کہ اصل اسقاط حمل کا حکم حرام ہی ہے اگر چہ یہ حکم اس وقت سخت ہوتا ہے جب جنین میں جان پڑ جاتی ہے، اسقاط حمل کی حرمت حمل کے ابتدائی چالیس دنوں میں کم رہتی ہے اور اس دوران بعض اعذار کی بناء پر جو شرعی اور طبی اعتبار سے بھی عذر ہو اسقاط حمل جائز بھی ہوتا ہے، چالیس دنوں کے بعد یہ حرمت بڑھ جاتی ہے، اتنی مدت کے بعد فقہاء کے نقطہ نظر سے قوی اعذار کے بغیر اسقاط حمل کی اجازت نہیں ہے۔ اور ایک سو بیس دن یعنی نفخ روح کے بعد اسقاط حمل کی حرمت بہت زیادہ سخت اور موکد ہو جاتی ہے۔ (احکام الجنین: ۱۶۶)

اسقاط حمل کے خلاف حکومت کا بہترین اقدام

حکومت نے ۲۴/ جنوری کو "یوم دختران" کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا ہے، اس موقع پر لڑکیوں کی پیدائش پر خوشیاں منائی جائے گی اور دختر کشی کی سماجی لعنت کے بارے میں شعور پیدا کیا جائے گا، یہ اعلان یقیناً خوش کن ہے اور مایوسی کے اندھیرے میں روشنی کی کرن ہے۔ لیکن یہ روشنی کی کرن اس وقت مفید ثابت ہوگی

جب اس کے مطابق عمل بھی کیا جائے، یعنی اس برے فعل کو قانونا جرم قرار دیا جائے۔ اسکے مرتکب کو دیگر مجرمین کی طرح کسی دفعہ کے تحت سزا مقرر کی جائے، اور عوام کو بھی حکومت کا تعاون کرنا چاہئے کہ ایسے سزا مقرر کی جائے، اور عوام کو بھی حکومت کا تعاون کرنا چاہئے کہ ایسے والدین کی فوراً نشاندہی کریں تا کہ اس سنگین جرم پر قابو پایا جاسکے، تا کہ اللہ کی ناراضگی سے بچا جائے اگر اس پر قابو نہ پایا گیا تو وہ وقت دور نہیں کہ اس دنیا کی رونق ختم ہو جائے گی اور اس کائنات کا جس چیز سے تصور ہے وہ باقی نہیں رہے گی۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

☆☆☆

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی طبی خدمات

طب (علم علاج ومعالجہ) کی دو قسمیں ہیں: طب عضوی اور طب نفسی۔ اسلامی اصطلاح میں طب عضوی یا طب اجساد وہ ہے جو جسم کے اعضاء کے علاج ومعالجہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کا دارومدار جڑی بوٹیوں پر ہے۔ جب کہ طب نفسی دل وقلب کے علاج ومعالجہ سے متعلق ہوتا ہے۔ اور اس کا دارومدار تقویٰ وپرہیزگاری اور ایمان ویقین پر ہے۔ اور یہ دین کے ساتھ معلق ہے۔ قرآن مقدس کے اندر ایسی چیزیں ہیں جن سے مومن کا دل مضبوط ہوجاتا ہے۔ اس کا نفس صیقل ہوجاتا ہے، اس کی قوت مدافعت تیز ہوجاتی ہے۔ اور جسم کو محفوظ رکھنے والی قوت نشیط وسرگرم ہوجاتی ہے۔ چنانچہ مرض دور ہوجاتا ہے اور مریض شفایاب ہوجاتا ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی زوجہ محبوبہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے طب جسمانی کے بارے میں طب نفسی کی بنسبت کم وارد ہے۔ آپ ﷺ نے طب کے دونوں اقسام کو تجربات وخبرات سے اخذ کیا۔ اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے حاصل کیا اور عرب سے اکتساب کیا پھر اس کو عملی تطبیق دیا۔ پھر اس کو سیکھنے کے لئے دوسروں کو برانگیختہ کیا اور دوسروں کو سکھایا بھی۔

وہ طب جس کو سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے حاصل کیا اس کا فلسفہ تین بنیادوں پر منحصر ہے: (۱) تکلیف دہ چیزوں یا نقصان دہ اشیاء سے حفاظت۔ (۲) صحت کی حفاظت، اس کے دو جانب ہیں ایک جانب حفاظتی دوم جانب علاجی۔ (۳) فاسد مادہ کا اخراج۔ اور تینوں بنیادیں قرآن کریم سے مستفاد ہیں اور ان کی طرف قرآن نے اشارہ بھی کیا ہے۔ اول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ". (بقرہ:۱۷۳) "بے شک اس نے تمہارے اوپر مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کو حرام قرار دیا۔ اور دوسری جگہ آیا ہے: "وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ"۔ (اعراف:۱۵۷) "وہ ان کیلئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے"۔ یہ حرمت ان تمام اشیاء کو شامل ہے جو جسم کیلئے مضر اور صحت کیلئے نقصان دہ ہیں۔

دوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ: وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ"۔ (بقرہ:۱۸۵) "مرض کی صورت میں انسان کی قوت کمزور ہو جاتی ہے، روزہ کی طاقت نہیں رہ جاتی ہے۔ اسی طرح سفر میں خورد ونوش کے معقول انتظام نہیں ہوتا ہے لہٰذا جب روزہ کی حالت میں سفر پیش آجائے تو صحت کی حفاظت ضروری ہے اور روزہ چھوڑ دینا بہتر ہے"۔

سوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ"۔ (نور:۲) "زانیہ اور زانی ہر دونوں کو سو کوڑے لگاؤ" اور معلوم ہے کہ اس طریقہ سے علاج عادی زانیوں کے لئے زیادہ ثمر آور اور نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے۔ اسی طریقہ علاج کو طب کے اندر سلوکی علاج سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اسلام میں سو کوڑے لگانے کی تعیین کا بہت بڑا فائدہ اور اثر معاشرہ میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ لوگ غلط قدم اٹھانے سے پہلے اس پر

ہونے والی سزا کے بارے میں بار بار سوچتے ہیں۔ اور اس سے حاصل ہونے والی لذت اور سزا کا موازنہ کرتے ہیں۔ اور مذہب اسلام کے اندر کوئی ایسا مرض یا کوئی ایسی معصیت یا کوئی ایسا انحراف نہیں ہے مگر اس کا علاج موجود ہے۔ موطا میں زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمی سے فرمایا: تم دونوں میں سے طب سب سے اچھا کون جانتا ہے؟ ان دونوں نے کہا اے اللہ کے رسول کیا طب میں بھی بھلائی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَنْزَلَ الدَّاءَ الَّذِیْ اَنْزَلَ الدَّوَاءَ" . جس نے بیماری پیدا کیا ہے اس نے دوا بھی پیدا کیا ہے"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم لوگ دوا کے ذریعہ علاج ومعالجہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نَعَمْ تَدَاوَ عِبَادَ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمْ یَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ دَوَاءً غَیْرَ دَاءٍ وَاحِدٌ". "ہاں! اے اللہ کے بندو! علاج کرو اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا مرض نہیں بنایا، مگر اس کی دوا بھی بنائی ہے سوائے ایک بیماری کے انہوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول وہ کیا ہے فرمایا: "الھرم" بڑھاپا"۔

یہی وہ طریقہ ہے جو نفسانی، بدنی اور عقلی صحت تک پہنچتا ہے اور یہی وہ میزان ہے جس کو قرآن نے بیان کیا ہے۔ جب میزان خراب ہو جاتا ہے تو بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ اور جب بیماری ہو جاتی ہے تو وہ باذن اللہ دوا سے دور ہو جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی چیز کو بیان فرمایا ہے: "لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اَصَابَ دَاءٌ بَرَأَ الدَّوَاءِ بِاِذْنِ اللّٰهِ" . اور یہی وہ علم طب ہے جس میں ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مہارت حاصل کیا تھا۔

ابوعمر ابن عبد البر کہتے ہیں: ام المومنین تین علوم میں یکتائے عصر اور نابغۂ زمانہ تھیں۔ علم فقہ، علم طب اور علم شعر میں (الاجابة الایراد ما استدرکته عائشه علی الصحابة)۔

عروہ بن زبیر کو ان کی وسعت علم اور کثرت اطلاع پر حیرت ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی اس حیرت کا اظہار کرتے ہوئے ام المومنین سے کہا: آپ کے بارے میں سوچتا ہوں تو آپ کو فقیہہ زماں پاتا ہوں۔ پھر کہتا ہوں اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی حریم پاک ہیں۔ اور حضرت ابوبکر کی دختر نیک ہیں۔ آپ کو جنگہائے عالمہ پاتا ہوں۔ پھر کہتا ہوں اس سے کون سی چیز مانع ہے؟ ان کے والد عالم انساب تھے۔ مگر حیرت اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے جب آپ کو علم طب میں ماہر پاتا ہوں۔ یہ کہاں سے حاصل ہوا۔

ام المومنین نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ بیمار پڑتے تو اطباء عرب وعجم آپ کے لئے دوائیں تشخیص کرتے۔ میں ان کو یاد کرلیا کرتی۔ (مرجع سابق:۴۹)

علامہ ذہبی ام المومنین کا جواب ان الفاظ کے ساتھ نقل کرتے ہیں: "اے عروہ! رسول اللہ ﷺ کی طبیعت آخری عمر میں ناساز رہنے لگی تھی، عرب کے وفود چہار جانب سے آپ کے پاس آتے تھے اور آپ کے لئے دوائیں تجویز کرتے تھے اور میں ان دواؤں سے آپ کا علاج ومعالجہ کرتی تھی۔ یہ طب وہیں سے حاصل ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء، ۱۸۲/۲)

عروہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے طب کا بڑا عالم نہیں دیکھا۔ میں نے کہا: اے خالہ! طب آپ نے کہاں سے حاصل کیا۔ کہا: میں لوگوں میں سے بعض کو بعض کے لئے دوائیں تشخیص کرتے ہوئے سنتی تھی اور اس کو یاد کرلیتی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء، ۱۸۳/۲، وطبرانی)

ایک دوسری روایت میں ہے کہتی ہیں: میں بیمار پڑتی تھی میرے لئے دوائیں متعین کی جاتی تھیں۔ اور لوگ بیمار ہوتے تھے ان کے لئے دوائیں تجویز کی

جاتی تھیں اور بعض کو بعض کے لئے دوائیں بتاتے ہوئے سنتی تھی میں انہیں یاد کر لیتی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء ۲/۱۸۳)

شعبی بیان کرتے ہیں کہ: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ اے ام المومنین! یہ قرآن آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ حلال وحرام کا علم انہیں سے سیکھا۔ شعر، نسب اور اخبار اپنے والد سے اخذ کیا۔ مگر طب کہاں سے اکتساب کیا؟ کہا عرب کے قبائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ وہ اپنی شکایات بیان کرتے تھے اور ان کا علاج معلوم کرتے تھے آپ انہیں بتاتے تھے میں انہیں سنتی تھی اور محفوظ کرتی جاتی تھی۔ (مرجع سابق ۲/۱۹۷)

عبداللہ بن عبیداللہ بن ابو ملیکہ التیمی المکی حدیث کے ثقہ عالموں میں سے ہیں۔ مکہ اور طائف میں ان کی اپنی ایک شان تھی۔ وہ ابن زبیر کے نزدے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے قریب تھے۔ انہوں نے ام المومنین سے بہت سی روایتیں کیا ہے۔ لہٰذا ان کی گواہی معتبر سمجھی جائے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ: صدیق سے مراد ابوبکر ہیں وہ اشعار کے ماہر تھے۔ اور اس بارے میں ان کی معلومات وسیع تھیں۔ اس لئے عائشہ رضی اللہ عنہا کا لغوی قدرت اور شعری صلاحیت کا وارث ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ انہوں نے طب تجربہ اور سن کر سیکھا۔ تمام جزیرۂ عرب سے قبائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے وہ ان سے مختلف امراض وادویہ کو سنتی تھیں اور اس کو یاد کر لیتی تھیں پھر اس سے علاج ومعالجہ کرتی تھیں۔ (موسوعہ عائشہ رضی اللہ عنہا: ۳۸)

ان روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ام المومنین نے علم طب کے حصول کے لئے اپنی ذکاوت اور قوت سے اخذ واکتساب پر زیادہ بھروسہ کیا اور انہوں نے رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کے سامنے باضابطہ زانوے تلمذ تہہ نہیں کیا۔ ام المومنین کے علم طب سے بہت سے کم لوگوں نے استفادہ کیا اور

ان سے اس علم کو سیکھا۔ زیادہ تر لوگ آپ سے دینی مسائل واحکام کے بارے میں ہی دریافت کرتے تھے عروہ بن زبیر کہتے ہیں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا اکثر علم ان سے نہ پوچھنے کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔ (سیر اعلام النبلاء ۲/۱۸۳) علم طب کا ایک بیش بہا خزانہ جو امت اسلامیہ کے کام آسکتا تھا ان سے نہ سیکھنے کی وجہ سے ضائع ہو گیا۔ اور امت ان کے طبی نکات وانکشافات سے محروم رہ گئی۔

☆☆☆

شرم وحیا

سرکار دو عالم ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر جن مقاصد عالیہ کے تحت مبعوث فرمایا ان میں سے اہم مقصد تزکیہ ہے۔ یعنی انسانوں کو اچھے اخلاق اور اچھی صفات کے اختیار کرنے اور برے اخلاق و بری صفات سے دور رہنے کی تلقین کر کے بہترین، مہذب اور با اخلاق انسان بنایا۔ یہ کام اگر چہ تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنے اپنے زمانے میں انجام دیتے چلے آئے۔ مگر نبی اکرم ﷺ کی بعثت اس کام کی تکمیل کرنے کے لئے ہوئی جیسا کہ ارشاد گرامی ہے: "بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ" میں اخلاقی خوبیوں کو کمال کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں"۔ (احمد)

ایک صاحب ایمان کے لئے اخلاق حسنہ کا ہونا کتنا اہم اور ضروری ہے اس کو جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد مبارک میں یوں واضح فرمایا ہے: "اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقاً"۔ (ابوداؤد، دارمی) "خلق حسن، اس ملکہ راسخہ کا نام ہے، جس کی بنا پر اچھے اعمال آسانی کے ساتھ بلا تکلف صادر ہوتے ہیں، اسلام میں پسندیدہ اخلاق کی ایک لمبی فہرست ہے جس میں صبر و شکر، صدق و وفا، انابت، خوش کلامی، نرم مزاجی، زہد و قناعت، توکل و رضا، ایثار و قربانی، تواضع

وانکساری، وغیرہ شامل ہیں۔ مگران میں شرم وحیا کی خصلت بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ایمان وحیا کے درمیان بڑا گہرا تعلق بتایا ہے۔ ''حیااور ایمان ہمیشہ ایک ساتھ رہتے ہیں جب ان میں سے ایک اٹھایا گیا تو دوسرا بھی اٹھ جاتا ہے''۔ (بیہقی) یعنی اگر کسی شخص میں ''حیا'' نہیں پائی جاتی تو سمجھ لو کہ ایمان بھی نہیں پایا جاتا ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ''اِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ''. (متفق علیہ) حیاء ایمان کا جز ہے۔

''حیا'' اس کیفیت کا نام ہے جو انسان کو اس بات کے اندیشے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے کہ اس کام کے کرنے پر اسکو ملامت کی جائے گی۔ یا اسکو سزا دی جائے گی۔ اصطلاح شریعت میں طبیعت انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے جس سے ہر نامناسب اور ناپسندیدہ کام کے ارتکاب سے اذیت ہو۔ جو درحقیقت ایمان کا تقاضہ ہے۔

حیا انسان کی فطری صفت ہے۔ جو شخص جتنا حیا دار ہوگا اتنا ہی وہ اپنے معاشرے میں باوقار سمجھا جائے گا اسلئے کہ حیا ایک خاص حالت کا نام ہے جو انسان کے دل میں ایمان کے سبب سے ہر برائی اور عیب کے کام سے تنفر پیدا کرتی ہے۔

شریعت اسلامیہ میں اس صفت کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ آخری نبی حضرت محمدؐ نے امت کو اس کی نہایت تاکید کی ہے۔ اس سلسلہ کی چند احادیث درج ذیل ہیں: حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اَلْحَیَاءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّهٗ''. (بخاری:۲/۹۳۸) ''حیا کا نتیجہ صرف خیر ہے اور ایک روایت ہے کہ حیا ساری کی ساری خیر ہی ہے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحِیْ

فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ"۔ (بخاری: ۲/۹۰۴) "پہلے انبیاء کے کلام سے لوگوں نے یہ بھی پایا ہے کہ اگر تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کر، یعنی کوئی چیز تجھ کو برائی سے روکنے والی نہ ہوگی"۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے: الترہیب والترغیب میں نیز ابن ماجہ میں موجود ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے حیاء کی صفت چھین لیتا ہے۔ پس جب اس سے حیاء نکل جاتی ہے تو وہ خود بغض کرنے والا دوسروں کی نظر میں مبغوض ہو جاتا ہے، پھر جب وہ بغیض و مبغوض ہو جاتا ہے، تو اس سے امانت نکل جاتی ہے، جب اس سے امانت نکل جاتی ہے تو وہ خائن اور لوگوں کی نظر میں بددیانت ہو جاتا ہے، جب وہ خائن و بددیانت ہو جاتا ہے تو اس سے رحم کا مادہ نکل جاتا ہے، اور جب اس سے رحم نکل جائے تو ہو ملعون قرار دیا جاتا ہے۔ اور جب ملعون ہوتا ہے تو اس سے اسلام کا پھندہ نکل جاتا ہے"۔

الغرض برائیوں سے حیا اور شرم نہ صرف عام لوگوں میں بلکہ شریعت کی نظر میں بھی پسندیدہ عادت ہے، جو ہر مومن میں پوری طرح پائی جانی چاہئے، مسلمان اگر اس صفت سے محروم ہو تو وہ کبھی کامل طور پر ایمان کے تقاضوں پر عمل نہیں کر سکتا۔

ویسے تو ہر انسان اپنے اندر کچھ نہ کچھ حیا اور شرم کا مادہ رکھتا ہے۔ یعنی وہ دوسرے انسانوں کے سامنے عموماً بے حیائی اور بے شرمی کے کاموں کو پسند نہیں کرتا اور کوشش کرتا ہے کہ اسے کوئی شخص برائی کرتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔ اسی طرح اپنی بے عزتی کے خیال سے بہت سے لوگ برسرِ عام برائی سے بچے رہتے ہیں لیکن ان سب باتوں کا داعیہ انسانوں سے شرم کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، جس سے دنیا میں بچاؤ کی بہت سی شکلیں موجود ہیں۔ مثلاً: ستر کھولنا ایسا عمل ہے جو لوگوں کے سامنے حیاء کی وجہ سے نہیں کیا جاتا۔ لیکن خلوت اور تنہائی میں یہ عمل حیا اور مروت کے خلاف

نہیں سمجھا جاتا وغیرہ، مگر اسلامی شریعت میں حیاء سے مراد محض انسانوں سے حیا نہیں بلکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس اللہ علیم وخبیر سے شرم کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ جو ظاہر و پوشیدہ، حاضر وغائب ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ اس سے شرم کرنے کا تقاضہ یہ ہے کہ جو فعل بھی اس کی نظر میں برا ہو اسے کسی بھی صورت میں ہرگز ہرگز نہ کیا جائے اور اپنے تمام اعضاء وجوارح کو اس کا پابند بنایا جائے کہ ان سے کسی بھی ایسے کام کا صدور نہ ہو جو اللہ تعالیٰ سے شرمانے کے تقاضے کے خلاف ہو، اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے امت کو واضح ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے اتنی شرم کرو جتنی اس سے شرم کرنے کا حق ہے۔ صحابہ نے عرض کیا تمام تعریف اللہ کے لئے ہے۔ اے اللہ کے نبی! ہم اللہ سے شرم تو کرتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ مراد نہیں بلکہ جو شخص اللہ سے شرمانے کے حق کو ادا کرے گا تو (اسے تین کام کرنے ہوں گے اول یہ کہ) اپنے سر کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جس کو سر نے جمع کیا اور دوسرا یہ کہ پیٹ کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جو پیٹ سے لگی ہوئی ہے۔ اور تیسرے یہ ہے کہ موت کو اور موت کے بعد کے حالات کو یاد کرے۔ جو شخص آخرت کا ارادہ کرے وہ دنیا کی زیب وزینت چھوڑ دے پس جو ایسا کرے گا تو وہ اللہ سے حیا کرنے کا حق ادا کرے گا۔ (ترمذی: ۸۶/۶، الترغیب والترہیب: ۲۶۹)

☆☆☆

اسلام میں عورتوں کے حقوق

دور جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوانات کے درمیان ایک منحوس مخلوق سمجھی جاتی تھی، معاشرتی زندگی میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی، جب چاہا چوپایوں اور گھر کے دوسرے سامانوں کی طرح انہیں فروخت کردیا، کبھی قرض کے عوض گروی رکھ دیا، محمد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ میں جب کعب بن الاشرف کے یہاں قرض مانگنے گیا تو اس نے کہا کہ تم اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن میں رکھ دو پھر قرض دوں گا، شقاوت وبربریت کا یہ عالم تھا کہ زچگی کے وقت آگے پہلے سے ہی ایک گڑھا کھود کر رکھا جاتا جب لڑکے کی پیدائش ہوتی تو خوشیاں منائی جاتیں، اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اسی گڑھے میں ڈال دیا جاتا، مرد لڑکیوں کے باپ بننے کیلئے قطعاً تیار نہ ہوا کرتے۔ اس وقت اس کی جو حالت ہوتی قرآن کریم نے اس کی اس طرح منظرکشی کی ہے: ”وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُم بِالاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيْمٌ “۔ (سورۃ النحل:۵۸) ”جب بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تو اس کا چہرہ بے رونق ہوجاتا اور دل ہی دل میں گھٹتا رہتا“۔

ایسا بدبخت شخص ذلت سے بچنے کے لئے اس کو زندہ درگور کردیتا: ”وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ“۔ (سورہ التکویر:۸) ”جس وقت لڑکی سے جو زندہ درگور کردی گئی تھی

پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور کے بدلے ماری ڈالی گئی ان کا یہ تصور تھا کہ ان لڑکیوں کی پرورش و پرداخت کہاں سے ہوگی، ان کے کھانے پینے کا نظم کیسے ہوگا کسی کو داماد بنانا میرے لئے عار و شرم کی بات ہے۔

جب اسلام کی شعاع پھیلی تو اس نے معاشرہ میں عورتوں کو عزت و احترام کا مقام دیا اور رتبہ کے لحاظ سے مردوں کے ہم پلہ بنایا، قرآن کریم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر کیا: ''اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ''۔ (سورہ الاحزاب: ۳۵) اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم میں عورتوں کے نام سے مستقل ایک سورہ، سورۃ النساء رکھا، عورتیں چاہے ان کی حیثیت ماں کی ہو، یا بہن کی، بیٹی کی ہو یا بیوی کی، ہر ایک کے الگ حقوق و آداب و احکام بیان کئے اور واضح طور پر فقر و فاقہ کے خوف سے ان کے قتل کو نا جائز ٹھہرایا کہ تم اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشہ سے قتل کرو: ''وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْراً''۔ (بنی اسرائیل: ۳۱) ''مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو ہم ان کو رزق دینے کی ذمہ داری اللہ پر ہے: ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا''۔ (ہود: ۶) ''جتنے زمین میں چلتے پھرتے ہیں سب کی روزی اللہ کے ذمہ ہے''۔ اسلام نے عورتوں کی پرورش کو عبادت قرار دیا اور ترغیب دی کہ جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش و پرداخت کرے یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا، جس طرح آپس میں یہ انگلیاں نزدیک ہیں اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا: (مسلم)

غور کیجئے کہ اگر یہ بچیاں بڑھ کر عورتیں نہ بنیں، اور شادیاں نہ ہوں تو بتایئے کہ یہ تنومند لڑکے کہاں سے آئیں، اولیاء کرام کا وجود کیسے ہوتا، مگر افسوس ہے کہ آج ہمارے معاشرہ میں پھر وہی قدیم جاہلی نظام پرورش پانے لگا ہے، زمانہ اسلام سے

قبل لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں اور آج مادر رحم میں ماردی جاتی ہیں۔ اگر الٹراساؤنڈ اور ایکسرے کے ذریعہ پتہ چل گیا کہ شکم میں بچی پرورش پا رہی ہے تو حمل کو ضائع کرنے والی گولیاں استعمال کر کے اس کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ یہ عمل بھی قتل اولاد کے زمرے میں آتا ہے ایسا کرنا بھی ناجائز ہے۔ لڑکیاں اللہ کی ایک بڑی نعمت ہیں اور اس کی پرورش و پرداخت کرنا ایک بڑی عبادت ہے جیسا کہ مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا ہے۔ لہٰذا جب لڑکیاں پیدا ہوں تو ان کی تعلیم وتربیت کا بہتر نظم کریں اور بلوغت کو پہنچ جائیں تو شادی کر دیں، یہ انبیاء کی سنت اور اولیاء کا طریقہ ہے: ''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجاً وَذُرِّيَّةً''۔ (الرعد: ۳۸) ''ہم نے آپ سے قبل بہت سے پیغمبروں کو بھیجا اور انہیں بیوی اور بچے دیئے''۔ دوسری جگہ ہے: ''وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ ''۔ (نور: ۳۲) ''تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کرادیا کرو'' اور دوسری طرف لڑکوں کے لئے حکم ہے کہ اگر ان میں حقوق زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت موجود ہو تو شادی کرلیں: ''يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَ فَلْيَتَزَوَّجْ''. ''اے نوجوانو! تم میں جو اسباب جماع کی قدرت رکھتا ہو اس کو نکاح کرلینا چاہئے''۔ کیونکہ نکاح صرف ایک رشتہ تقدس ہی نہیں بلکہ ایک عبادت بھی ہے۔ لہٰذا جب لڑکا اور لڑکی کا مناسب رشتہ مل جائے تو نکاح کر دیا جائے البتہ ان میں دینداری اور حسن اخلاق کو ترجیح دی جائے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شادی کرنے کے لئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہوسکتا ہے، مال، دولت، حسب ونسب، حسن وجمال اور دینداری، سو تم دیندار عورت تلاش کرو۔ ایسی شادی جو شرافت وعظمت اور دینداری کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اور جو تکلفات، اسراف اور فضول خرچی سے انجام پاتی ہے وہ بے برکتی کا باعث ہوتی ہے: ''اِنَّ اَعْظَمَ

اَلنِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مُؤْنَۃً"۔ "سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم ہو"۔ مگر افسوس ہے کہ آج شادی و بیاہ تجارت بن گئی ہے، منڈیوں میں لڑکیوں کے دام لگائے جاتے ہیں، بڑے لوگ اور سرمایہ دار، ڈاکٹر، پروفیسر، ماسٹر اور انجینئر داماد کی تلاش میں روپیوں کی تھیلیاں لے کر گھومتے ہیں، عالی شان بلڈنگوں کی پیش کش کرتے ہیں۔ آج غریب اور بیوہ و بے سہارا عورت جو لوگوں کے گھروں میں جھاڑو دے کر اور برتن صاف کر کے اپنے لئے اور اپنی لڑکیوں کے لئے روٹی کماتی ہے، جب وہ اپنی یتیم بیٹیوں کی شادی کرنا چاہتی ہے تو اس سے بھی ٹی وی اور موٹر سائیکل مانگے جاتے ہیں اور جب وہ اپنے ہونے والے داماد کی منہ بھرائی نہیں کر پاتی تو آہ و بکا اور کراہتی و سسکتی زندگی کے ساتھ بسا اوقات خودکشی کر لیتی ہے، کہیں باپ کنویں میں چھلانگ لگا دیا ہے، بتائے کہ تلک و جہیز کی اس لعنت نے کتنے ہی انسانی معاشرہ کو تباہ و برباد کر دیا ہے، جب کہ یہ سب قطعی طور پر کافرانہ طریقہ ہے۔

حسب خواہش چاہتے ہو تم سامان جہیز
اپنے لڑکے لئے دو گز کفن بھی مانگ لو

حضور ﷺ نے حج الوداع کے موقع پر ایک طویل خطبہ دیا اس میں عورتوں کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا". "عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت قبول کرو"۔ "اِنَّ لَکُمْ عَلٰی نِسَآئِکُمْ حَقًّا وَلَھُنَّ عَلَیْکُمْ حَقًّا". "عورتوں کا تم پر حق ہے اس صنف نازک کے ساتھ ہمدردی و غم گساری کا معاملہ رکھنا اور دوسری طرف بیوی کو حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کی تعظیم و تکریم کریں، ان کی ہر طرح دل جوئی کرتی رہیں اور اس طرح صاف ستھری اور پاکیزہ رہیں کہ جب اس کا شوہر دفتر و بازار سے لوٹے تو اسے دیکھ کر قلبی سکون محسوس کرے، اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ بہترین بیوی

کون ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قال التی تسرہ اذا نظر". فرمایا کہ وہ بیوی کہ جب شوہر اس کو دیکھے تو خوش کر دے اور اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔

قرآن کریم میں ہے: "فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ"۔ (النساء:۳۴) 'نیک بخت عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں'۔ حدیث میں ہے کہ اگر کسی کو کسی آدمی کے سجدہ کا حکم دیتا تو پہلے عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، گویا اگر بیوی نے شوہر کو دنیا میں راضی کر دیا تو اس کیلئے آخرت میں بھلائی لکھ دی جاتی ہے۔ "اَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ". 'جب کسی عورت کی موت اس حال میں ہوئی کہ اس کا شوہر اس سے راضی رہا تو وہ جنت میں جائے گی'۔

البتہ اگر کسی وجہ سے زوجین کے درمیان ذہنی وفکری ناہمواری کے سبب ناچاکی ہو جائے تو آپسی میل جول سے اسے دور کرنا چاہئے، اس کو انا کا مسئلہ نہ بنایا جائے، ہاں اگر آپسی طور پر سمجھوتہ نہ ہو سکے تو مرد کی طرف سے ایک شخص اور عورت کی طرف سے ایک شخص کو حکم بنایا جائے۔ قرآن کریم میں ہے: "وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَماً مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَماً مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحاً"۔ (النسا:۳۵) "اگر تم کو میاں بیوی کے درمیان پھر بھی بگاڑ کا اندیشہ ہو تو ایک حکم آدمی کی طرف سے لوگوں میں سے اور ایک پنچ عورت کی طرف سے مقرر کرو ان کا ارادہ اصلاح کا ہو"۔ اگر اس طرح صلح وصفائی سے بھی معاملہ حل نہ ہو سکے تو قرآن نے اس کے تین مرحلے بیان کئے ہیں: "وَاللَّاتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ"۔ (سورہ النساء:۳۴) "اگر عورت ہٹ دھرمی اور سرکشی پر اتر آئے تو اصلاح حال کے لئے عورت کو زبانی سمجھایئے اگر زبانی فہمائش بے اثر ہو کر رہ جائے تو اپنی خواب گاہ بھی چھوڑ دے پھر ان کو ہلکی مار ماریئے"۔ مگر اس طرح نہ ماریئے جس میں زخم کے نشانات ابھر آئیں۔

طلاق رشتہ ازدواج کے انقطاع کی بالکل آخری شکل ہے اور وہ بھی ناپسندیدہ ہے: ''اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ''. ''حلال چیزوں میں سب سے مبغوض اللہ کو طلاق ہے''۔ دوسری روایت میں ہے کہ: ''مَا اَحَلَّ اللّٰهُ اَشْيَاءَ اَبْغَضَ اِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ''. ''طلاق سے بڑھ کر کوئی ناپسندیدہ بات نہیں ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے''۔ گویا شریعت نے انتہائی مجبوری اور زوجین کے درمیان نباہ نہ ہونے کی صورت میں طلاق کو مباح قرار دیا ہے، لیکن اگر کوئی صورت پرستی کی بنیاد پر طلاق دیتا ہے تاکہ وہ دوسری اور تیسری عورتوں سے لطف اندوز ہو تو یہ وحی الٰہی اور مزاج نبوت کے خلاف بھی ہے اور گناہ بھی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''لَا تُطَلِّقُوا النِّسَآءَ اِلَّا مِنْ رِيْبَةٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الذَّوَّاقِيْنَ وَالذَّوَّاقَاتِ''. (طبرانی) ''عورتوں کو طلاق نہیں دینا چاہئے الا یہ کہ ان کا چال چلن مشتبہ ہو، اللہ تعالیٰ ان مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو ذائقہ چکھنے کے شوقین وخوگر ہوں''۔

حضور ﷺ کو ایک شخص کے متعلق اطلاع ملی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاق دیدی ہیں تو آپ ﷺ غصہ میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ میرے رہتے ہوئے اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جائے۔

لہٰذا اگر طلاق دینے کی نوبت ہی آگئی تو سنت طریقہ پر ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے تاکہ رجعت کا موقع باقی رہے اور اگر تین طلاق دیدی تو بھی واقع ہوجائے گی، مگر وہ گنہگار ہوگا، اس لئے حضرت عمر بیک وقت تین طلاق دینے والے شخص پر کوڑے برساتے تھے پتہ چلا کہ مرد کو غصہ کے وقت جذبات کو قابو میں رکھنا چاہئے اور شرعی حدود سے تجاوز نہ ہونا چاہئے اب اگر طلاق دے ہی دی اور شریعت کی دی ہوئی آسانیوں کو نظر انداز کیا تو اپنی مطلقہ بیوی کو کچھ تحفہ وتحائف دے کر

رخصت کرو، قرآن کریم میں ہے: ''وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ''۔ (البقرہ:۲۳۶) ''یعنی مطلقہ بیوی کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق کچھ جوڑے کپڑے دے کر رخصت کرو، مگر وہ عدت اپنے سابقہ شوہر کے گھر پر ہی گذارے گی''۔ ''لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ''۔ (الطلاق:۱) ''طلاق کی عدت گذارنے میں ان کے گھر سے انہیں ہرگز مت نکالو اور عورتیں خود بھی گھر سے نہ نکلیں، اس کے بعد مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کو ایام عدت کا پورا خرچ ادا کرے''۔ ''وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ''۔ (البقرہ:۲۴۱) ''جس طلاق میں عدت ہے اس میں عدت گذارنے تک نفقہ دینا واجب ہے، اگر مہر ادا نہیں کیا ہے اور خلوت ہو چکی ہے تو پورا مہر ادا کرے اور اگر خلوت سے پہلے ہی طلاق کا واقعہ پیش آگیا تو نصف مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرے اور جو سامان جہیز عقد نکاح کے وقت ملا وہ باعزت طور پر پیش کرے۔

مطلقہ بیوی عدت پوری کرنے کے بعد اپنے والدین کے گھر لوٹ جائے گی اس لئے کہ اسلامی تعلیمات اور قوانین کے اعتبار سے لڑکی شادی ہونے کے بعد اپنے ماں باپ اور دوسرے اعزاء سے کٹ نہیں جاتی، نکاح اور رخصتی کے بعد اس رابطہ ورشتہ پہلے کی طرح قائم رہتا ہے اور وہ بھی دوسرے لڑکوں کی طرح اپنے والدین کی زمین وجائداد اور مال کی حصہ دار ہوں گی، زمانہ جاہلیت میں عورتیں میراث سے محروم تھیں، عربوں کا تصور تھا کہ میراث میں حصہ دار وہی ہو سکتا ہے جو گھوڑے کی سواری کر سکے اور چونکہ عورتیں اس صلاحیت سے محروم تھیں اس لئے وہ میراث سے محروم ہوتیں، اسلام نے بڑی فراخ دلی اور انصاف پسندی کے ساتھ میراث میں عورتوں کا حصہ مقرر کیا، قرآن میں ہے: ''يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ''۔ (سورہ النساء:۱۱)

''اگر اولاد میت صرف لڑکیاں ہی ہوں تو کل ترکے میں ان کا دوتہائی ہوگا ورا گر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا نصف حصہ ہوگا''۔ اسی طرح ماں، حقیقی بہنیں، بیوی وغیرہ کے حصہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ''۔ (النساء:١١) ''یہ اللہ کا مقرر کردہ حصہ ہے''۔ اس میں کسی کو کمی وبیشی کرنے کا کوئی اختیار نہیں، یہ تو اللہ کا بڑا احسان کرم ہے کہ اس نے میراث کی تقسیم اپنے ہاتھ میں رکھی، صاحب مال کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کردیا ورنہ صاحب مال بڑی مصیبت میں گرفتار رہتے اور ان کے مرنے کے بعد ترکے میں وارثین نہ جانے کس طرح کتر بیوت کرتے، یہ ہیں عورتوں کے حقوق واحکام جس کی یہاں وضاحت کی گئی، دنیا کے کسی قانون ومذہب نے عورتوں کو وہ حیثیت نہیں دی جو حیثیت اور مقام اسلام نے دیا ہے۔

☆☆☆

چالیس احادیث عورتوں کی فضیلت میں

یہ مجموعہ فضائل نساء کی چالیس احادیث پر مشتمل ہے۔ جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے خاص کر نیک عورتوں کی خصلت اور تعریف اور درجہ کا بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ جب عورتوں کو خبر ہو گی کہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے ارادہ کر کے خاص ہمارا ہی بیان کیا ہے تو اس سے ضرور دل بڑھے گا اور نیک کاموں کا زیادہ شوق ہو جائے گا اور مشکل بات آسان ہو جائے گی۔

(۱) اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورت پر اللہ کی رحمت نازل ہو کہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھے اور اپنے خاوند کو بھی جگائے کہ وہ بھی نماز پڑھے۔

(۲) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کنوارے پن کی حالت میں یا حمل میں یا بچہ جننے کے وقت یا چلنے کے دنوں میں مر جائے تو اس کو شہید کا درجہ ملتا ہے۔

(۳) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس عورت کے تین بچے مر جائیں اور وہ ثواب سمجھ کر صبر کرے تو بہشت میں داخل ہو گی۔ ایک عورت بولی یا رسول اللہ ﷺ! اور جس کے دو ہی بچے مرے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا دو کا بھی یہی ثواب ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک بچے کے مرنے کو پوچھا آپ ﷺ نے اس میں بھی بڑا ثواب بتایا ہے۔

(۴) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو حمل گر جائے وہ بھی اپنی ماں کو گھسیٹ کر بہشت میں لے جائے گا جب کہ ثواب سمجھ کر صبر کرے۔

(۵) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے اچھا خزانہ نیک بخت عورت ہے کہ خاوند اس کے دیکھنے سے خوش ہو جائے اور جب خاوند کوئی کام اس کو بتائے تو حکم بجالائے اور جب خاوند گھر پر نہ ہو تو عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔

(۶) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عرب کی عورتوں میں قریش کی نیک عورتیں دو باتوں میں سب سے اچھی ہوتی ہیں۔ ایک تو بچے پر خوب شفقت کرتی ہیں دوسرے خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔

یعنی معلوم ہوا کہ عورت میں یہ خصلتیں ہونی چاہئیں۔ آج کل عورتیں خاوند کا مال بڑی بے دردی سے اڑاتی ہیں اور اولاد پر جیسے کھانے پینے کی شفقت ہوتی ہے اس سے زیادہ اسکی عادتیں سنوارنے کی ہونی چاہئے نہیں تو ادھوری شفقت ہوگی۔

(۷) اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کنواری لڑکیوں سے نکاح کرو کیونکہ ان کی بول چال خاوند کے ساتھ نرم ہوتی ہے یعنی شرم و حیاء کی وجہ سے بدلحاظ اور منہ پھٹ نہیں ہوتیں اور ان کو تھوڑا خرچ دے دو تو خوش ہو جاتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ عورتوں میں شرم و لحاظ اور قناعت اچھی خصلت ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیوہ سے نکاح نہ کرو بلکہ کنواری کی ایک تعریف ہے۔

(۸) اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عورت جب پانچ وقت کی نماز پڑھتی رہے اور رمضان کے روزے رکھ لیا کرے اور اپنی آبرو کی حفاظت رکھے اور اپنے خاوند کی تابعداری کرے تو ایسی عورت بہشت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

(۹) اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس عورت کی موت ایسی حالت میں آئے کہ اس کا خاوند اس سے خوش ہو وہ عورت بہشت میں جائے گی۔

(۱۰) اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو چار چیزیں نصیب ہو گئیں اس کو دنیا اور آخرت کی دولت مل گئی۔ (۱) ایک تو دل ایسا کہ نعمت کا شکر ادا کرتا ہو (۲) دوسری زبان ایسی جس سے خدا کا نام لے (۳) تیسرے بدن ایسا کہ بلا و مصیبت پر صبر کرے (۴) چوتھے بیوی ایسی کہ اپنی آبرو اور خاوند کے مال میں دغا و فریب نہ کرے۔

(۱۱) اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو عورت بیوہ ہو جائے اور خاندانی بھی ہو، مالدار بھی ہو، لیکن اس نے اپنے بچوں کی خدمت اور پرورش میں لگ کر اپنا رنگ میلا کر دیا، یہاں تک کہ وہ بچے یا تو بڑے ہو کر الگ رہنے لگے یا فوت ہو گئے تو ایسی عورت بہشت میں مجھ سے ایسی نزدیک ہو گی جیسی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی۔

یعنی اس کا یہ مطلب نہیں ہوا کہ بیوہ کا بیٹھا رہنا زیادہ ثواب ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو بیوہ یہ سمجھے کہ نکاح سے میرے بچے ویران ہو جائیں گے اور اس عورت کو بناؤ سنگھار اور نفس کی خواہش سے کچھ مطلب نہ ہو تو اس کا یہ درجہ ہے۔

(۱۲) اور رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! فلانی عورت کثرت سے نفل نمازیں اور روزے اور خیر خیرات کرتی ہے لیکن زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف بھی پہنچاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گی۔ پھر اس شخص نے عرض کیا کہ فلانی عورت نفل نمازیں اور روزے اور خیر خیرات کچھ زیادہ نہیں کرتی یونہی کچھ پنیر کے ٹکڑے دے دیتی ہے لیکن زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی۔ آپ نے فرمایا وہ بہشت میں جائے گی۔

(۱۳) اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی، اس کے ساتھ دو بچے تھے ایک کو گود میں لے رکھا تھا، دوسرے کی انگلی پکڑے ہوئے تھی، آپ نے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ عورتیں اول پیٹ میں بچے کو رکھتی ہیں پھر جنتی ہیں

پھر ان کے ساتھ کس طرح محبت اور مہربانی کرتی ہیں اگر ان کا برتاؤ خاوندوں سے برا نہ ہوا کرتا تو ان میں جو نماز کی پابند ہوتی بس بہشت ہی میں چلی جایا کرتی۔

(۱۴) ارشاد فرمایا حضور ﷺ نے عورتوں سے کیا تم اس بات پر راضی نہیں (یعنی راضی ہونا چاہئے) کہ جب تم میں کوئی اپنے شوہر سے حاملہ ہوتی ہے اور شوہر اس سے راضی ہو تو اس کو ایسا ثواب ملتا ہے کہ جیسا اللہ کی راہ میں روزہ رکھنے والے اور شب بیداری کرنے والے کو ملتا ہے اور جب اس کو دردزہ ہوتا ہے تو آسمان اور زمین کے رہنے والوں کو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان مخفی رکھا گیا ہے اس کی خبر نہیں پھر جب وہ بچہ پیدا کرتی ہے تو اس کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہیں نکلتا اور اس کی پستان سے ایک دفعہ بھی بچہ نہیں چوستا جس میں اس کو ہر گھونٹ اور ہر چوسنے پر ایک نیکی نہ ملتی ہو اور اگر بچہ کی وجہ سے اس کو رات کو جاگنا پڑے اس کو راہ خدا میں ستر غلام کو آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے۔ اے سلامت (یہ نام ہے حضرت ابراہیم حضرت اقدس ﷺ کے صاحبزادہ کی دائی کا وہی اس حدیث کی راوی ہیں آپ ﷺ نے ان سے فرماتے ہیں کہ) تم کو معلوم ہے کہ میری اس سے کون عورتیں مراد ہیں جو نیک ہیں ناز پروردہ ہیں، شوہروں کی اطاعت کرنے والی ہیں اپنے شوہروں کی ناقدری نہیں کرتیں۔

(۱۵) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب عورت اپنے شوہر کے گھر میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے مگر گھر کو برباد نہ کرے تو اس عورت کو بھی ثواب ملتا ہے۔ بسبب اس کو خرچ کرنے کے اور اس کے شوہر کو بھی اس کا ثواب ملتا ہے بوجہ اس کے کمانے کے کسی کے سبب سے کسی کا اجر کم نہیں ہوتا۔ یعنی عورت یہ نہ سمجھے کہ جب کمائی مرد کی ہے تو میں ثواب کی کیا مستحق ہوں گی۔

(۱۶) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اے عورتو! تمہارا جہاد حج ہے۔

دیکھئے عورتوں کی ان میں بڑی رعایت ہے کہ ان کو حج کرنے سے جس میں جہاد کے برابر دشواری بھی نہیں جہاد کا ثواب ملتا ہے جو کہ سب سے زیادہ مشکل عبادت ہے۔

(۱۷) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عورتوں پر نہ جہاد ہے (جب تک علی الکفایہ رہے) اور نہ جمعہ اور نہ جنازہ کی ہمراہی۔ پھر بھی دیکھئے گھر بیٹھے ان کو کتنا ثواب مل جاتا ہے۔

(۱۸) رسول اللہ ﷺ نے جب بیبیوں کو ساتھ لے کر حج فرمایا تو ارشاد ہوا کہ بس یہ حج تو کر لیا پھر اس کے بعد بوریوں پر جمی بیٹھی رہنا۔

مطلب یہ کہ بلا ضرورت شدیدہ سفر نہ کرنا۔

(۱۹) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اس عورت کو جو اپنے شوہر سے تو محبت کرے اور غیر مرد سے اپنی حفاظت کرے۔

(۲۰) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عورتیں بھی مردوں کے اجزاء ہیں۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت حوا علیہا السلام کا پیدا ہونا مشہور ہے مطلب یہ کہ عورتوں کے احکام بھی مردوں کی طرح ہیں (باستثنائے احکام مخصوصہ) پس ان کے فضائل وغیرہ جدا نہ ہوتے تب بھی کوئی ایسی بات نہیں جن اعمال پر فضائل کا مردوں سے وعدہ ہے ان ہی اعمال پر ان سے ہے۔

(۲۱) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بتحقیق حق تعالیٰ نے عورتوں کے حصہ میں رشک کا ثواب لکھا ہے اور مردوں پر جہاد لکھا ہے۔ جو عورت ایمان اور طلب ثواب کی راہ سے رشک کی بات پر جیسے شوہر نے دوسرا نکاح کر لیا صبر کرے گی اس کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔

دیکھئے ایک ذرا سی ضبط پر کتنا بڑا ثواب ملتا ہے جو مردوں کو کس دشواری سے ملتا ہے۔

(۲۲) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیوی کے کاروبار کرنے سے بھی تم کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

(۲۳) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے سب عورتوں سے اچھی وہ عورت ہے کہ جب خاوند اس کی طرف نظر کرے تو وہ اس کو مسرور کردے اور جب اس کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطلاع کرے اور اپنی جان اور مال میں اس کو ناخوش کرکے اس کی کوئی مخالفت نہ کرے۔

(۲۴) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ رحمت فرمائے پائجامہ پہننے والی عورتوں پر۔

(۲۵) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بدکار عورت کی بدکاری ہزار بدکار مردوں کے برابر اور نیک عورت کی نیک کاری ستر اولیاء کی عبادت کے برابر ہے۔

(۲۶) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت کو اپنے گھر میں گھر گرہستی کا کام کرنا جہاد کے رتبے کو پہنچتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ کیا انتہا ہے اس عنایت کی۔

(۲۷) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تمہاری بیبیوں میں سب سے اچھی وہ عورت ہے جو اپنی آبرو کے بارے میں پارسا ہو، اپنے خاوند پر عاشق ہو۔

(۲۸) ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری ایک بیوی ہے میں جب اس کے پاس جاتا ہوں وہ کہتی ہے مرحبا ہو میرے سردار کو اور میرے گھر والوں کے سردار کو اور جب وہ مجھکو رنجیدہ دیکھتی ہے تو کہتی ہے، دنیا کا کیا غم ہے تمہاری آخرت کا کام تو بن رہا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس عورت کو خبر دار کردو کہ اللہ کے کام کرنے والوں میں سے ایک کام کرنے والی ہے اور اس کو جہاد کرنے والے کا نصف ثواب ملتا ہے۔

(۲۹) اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں عورتوں کی بھیجی ہوئی آپ کے پاس آئی ہوں، وہ عرض کرتی ہیں کہ مرد جمعہ اور جماعت اور عیادت مریض اور حضور جنازہ اور حج وعمرہ، حفاظت سرحد اسلامی کی بدولت ہم پر فوقیت لے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو واپس جا اور

عورتوں کو خبر کر دے کہ تمہارا اپنے شوہر کیلئے بناؤ سنگھار کرنا یا حق شوہر ادا کرنا اور شوہر کی رضامندی اور شوہر کے موافق مرضی کا اتباع کرنا یہ سب ان اعمال کے برابر ہے۔

(۳۰) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عورت اپنی حالت حمل سے لے کر بچہ جننے اور دودھ چھڑانے تک (فضیلت و ثواب میں) ایسی ہے جیسی اسلام کی راہ میں سرحد کی نگہبانی کرنے والا۔ (جس میں ہر وقت مجاہدہ کے لئے تیار رہتا ہے) اور اگر اس درمیان میں مر جائے تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (عن ابی عمر رضی اللہ عنہ)

(۳۱) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب وہ عورت دودھ پلاتی ہے تو ہر گھونٹ کے پلانے پر ایسا اجر ملتا ہے جیسے کسی جاندار کو زندگی دے دی پھر جب دودھ چھڑاتی ہے تو فرشتہ اس کے کندھے پر شاباشی سے ہاتھ مارتا ہے اور کہتا ہے کہ پچھلے گناہ سب معاف ہو گئے اور آگے جو کرے از سر نو کر۔

(۳۲) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اے بیبیو! یاد رکھو کہ تم میں جو نیک ہیں وہ نیک لوگوں سے پہلے جنت میں جائیں گی، پھر جب شوہر جنت میں آئیں گے تو ان عورتوں کو غسل دے کر اور خوشبو لگا کر شوہروں کے حوالے کر دی جائیں گی، سرخ اور زرد رنگ کی سواریوں پر ان کے ساتھ ایسے بچے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے موتی۔

(۳۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جس عورت کا شوہر باہر ہو اور وہ اپنی ذات میں اس کی اس حالت میں نگہبانی کرے اور بناؤ سنگھار ترک کر دے اور اپنے پاؤں کو مقید کر دے اور سامان زینت کو معطل کر دے اور نماز کی پابندی رکھے وہ قیامت کے روز کنواری لڑکی کر کے اٹھائی جائے گی، پس اگر اس کا شوہر مومن ہوا تو ہو جنت میں اس کی بی بی ہو گی اور اگر اس کا شوہر مومن نہ ہوا مثلاً خدانخواستہ دنیا سے بے ایمان ہو کر مرا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کا نکاح کسی شہید سے کر دے گا۔

(۳۴) مدائنی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آدمی اپنے گھر کا سربراہ کار نہیں بنتا جب تک کہ وہ ایسا نہ ہوجائے کہ نہ اس کی پرواہ رہے کہ اس نے کیسا لباس پہن لیا اور نہ اسکا خیال رہے کہ بھوک کی آگ کس چیز سے بجھائی۔

(۳۵) ابوالدراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھ کو وصیت کی میرے خلیل ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے پس فرمایا خرچ کیا کر اپنی وسعت سے اپنے اہل خانہ پر۔ (ابن جریر)

(۳۶) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے حق میں میری نصیحت بھلائی کی قبول کرو اس لئے کہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔

(۳۷) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مومن مرد کو مومن عورت سے یعنی اپنی بیوی سے بغض نہ رکھنا چاہئے کیونکہ اگر اس کی ایک عادت کو ناپسند رکھے گا تو دوسری کو ضرور پسند کرے گا۔

(۳۸) عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی بیوی کو غلام کی طرح بیدردی سے نہ مارنا چاہئے اور پھر ختم ہونے پر جماع کرنے لگے۔

(۳۹) حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم پر ہماری بیوی کا کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حق یہ ہے کہ جب تو کھانا کھائے اس کو بھی کھلادے اور جب تو کپڑا پہنے تو اس کو بھی پہنادے اور اس کے منہ پر نہ مار اور بول چال گھر ہی کے اندر رہ کر چھوڑ دی جائے۔ یعنی اگر اس سے روٹھے تو گھر سے باہر نہ جائے۔

(۴۰) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب مومن ہیں مگر کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم سب میں اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیبیوں کے ساتھ اچھے ہوں۔ (بہشتی زیور)

☆☆☆

دختر اسلام باحیا مسعودہ بیگم کی داستانِ عظیم

مسعودہ بلاشبہ گوشت و پوست کی بنی ہوئی ایک عورت تھی مگر اس کے جسم میں فولاد کا جگر اور سینہ میں شیر کا دل تھا۔ وہ شمالی ہند کی ریاست اتر پردیش کے سہارن پور میں ضلع کے ہیڈ کوارٹر سے ۳۵ کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع قصبہ نانوتہ میں پیدا ہوئی تھی، نانوتہ بزرگوں اور ولیوں کی سرزمین رہا ہے۔ اس مقدس سرزمین کا غازی پور کی تاریخی سرزمین سے یہ تعلق تھا کہ ۳۰ ۷ھ کے تاریخی معرکہ کے بعد جس میں ملک السادات مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ نے کٹھوت کے راجہ چکویٰ خان دھاتا کو شکست دی اور غازی پور کی بناء ڈالی اور اس کے بعد جب ملک السادات کی اولادیں غازی پور کے مختلف مواضعات میں آباد ہوئی تو اسی زمانے میں ان کے خاندان کے کچھ لوگ ضلع سہارن پور کے دو مقامات نانوتہ اور بین پور جا کر آباد ہو گئے۔

دار العلوم دیوبند کے بانی اور جنگ آزادی کے مشہور سپہ سالار مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اسی قصبہ کے رہنے والے تھے۔ مولانا محمد منیر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو ۱۸۵۷ء کی جنگ شاملی (مظفر نگر) میں شریک تھے یہیں کے رہنے والے تھے۔

مسعودہ نے نانوتہ کے اس خاندان میں آنکھ کھولی تھی جو اپنی قومی، وملی خدمات کیلئے مشہور تھا۔ جس کے اکابر نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، زبردست قربانیاں دی تھیں اور بہتوں نے جام شہادت بھی نوش کیا تھا۔

مسعودہ بیگم کے والدین اور پورا خاندان شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی تحریکات سے والہانہ تعلق وعقیدت رکھتا تھا، مسعودہ بیگم کے بھتیجے مولانا محمد اسامہ نانوتوی لکھتے ہیں کہ "کئی مرتبہ ایسا موقع آیا کہ حضرت مدنی نے اس ہونہار بچی (مسعودہ) کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا اور جدوجہد آزادی کے دور میں ایک بار پنڈت نہرو جب مسعودہ کے ماموں حافظ محمد احمد کے مہمان ہوئے تو وہ بھی اس بچی کی ذہانت اور ہوش مندی سے بہت متاثر ہوئے"۔

یہی عوامل تھے جنہوں نے مسعودہ کو ایک ہمت ور اور بہادر خاتون کا روپ دیا۔

مسعودہ بیگم کے والد وہاج احمد بھٹنڈا ر ریلوے اسٹیشن پر ہیڈ کلرک تھے۔ ان کے اندر خانوادۂ قدوسی کی روایات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ وہ حافظ قرآن اور باعمل اور باکردار مسلمان تھے۔ محلّہ کی مسجد کے خطیب بھی تھے۔ صلح وآشتی، رواداری اور صالح سیاست کے علم بردار بھی تھے۔ انہوں نے بھٹنڈا میں اپنے اخلاق وکردار اور انسانی خدمات کے ذریعہ ہزاروں انسانوں کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔

مسعودہ کی ماں رسیدہ بیگم شہید، نانوتہ کے ایک معزز گھرانہ سے تعلق رکھتی تھیں، ان کا خاندان بھی آزادی کا متوالا اور قربانی دینے والا تھا۔ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کی مثل ایسے ہی موقعوں کے لئے ہے۔

بزرگوں اور اللہ والوں کے سایہ عاطفت میں پلی مسعودہ بیگم ظاہر ہے کیا بن سکتی تھی، وہ سینما اور ٹی وی کلچر کی پروردہ ہوتی تو آنے والی زندگی میں اس کو جتنے جوکھم اٹھانے پڑے ہرگز نہ اٹھاسکتی۔ وہ مجاہدوں کی سرزمین پر جنمی، اللہ والوں کے

سایہ عاطفت میں پلی اور بڑھی، مذہبی ماحول میں رہی اس لئے اس نے ۱۹۴۷ء کے خون آشام دور اور انتہائی نامساعد اور ابتر حالات میں زندگی گزاری اور مسلم خواتین کو ہمت و بہادری کا سبق دے کر دنیا سے رخصت ہوگئی۔

ذرا تصور تو کیجئے وہ کیسا زمانہ رہا ہوگا جب آمادی کا سورج طلوع ہوتے ہی پورے برصغیر ہندو پاک پر حیوانیت و بربریت کی فضا چھا گئی تھی، انسان انسان کا گلہ کاٹ رہا تھا، معصوم بچوں کو تہ تیغ کیا جا رہا تھا، عورتوں کی بے آبروئی ہو رہی تھی، قتل اور اغوا کی وارداتیں عام تھیں، ملک کے بٹوارے میں دس لاکھ بے گناہ اور معصوم لوگ فسادات کی بھینٹ چڑھ گئے تھے، اور دو کروڑ سے زیادہ لوگ بے گھر ہوگئے تھے۔ صرف مشرقی پنجاب میں لاکھوں مسلمان مرتد بنا لئے گئے تھے۔ مسلمانوں کو ہندو مذہب میں داخل کر کے ڈاڑھیاں مونڈ دی گئی تھیں، مسجدیں شہید کر دی گئیں تھیں، بہت سے لوگ جو اس علاقہ میں دین پر قائم رہ گئے تھے چھپ چھپ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے ۱۹۵۰ء میں حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے مرکز نظام الدین سے دو جماعتیں مرتد مسلمانوں کو پھر سے اسلام میں واپس لانے کی غرض سے روانہ کی تھیں۔ ان جماعتوں کی پولیس سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ان کو جیلوں میں بند کیا گیا، مارا اور ستایا گیا مگر یہ لوگ اپنے کام میں جی جان سے لگے رہے اور مسلمانوں کو دوبارہ مذہب اسلام میں واپس لائے، اتنا ہی نہیں بہت سے سکھ جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے وہ بھی اسلام میں داخل ہوئے اور ان وفود کو جو تبلیغ کے لئے ساڑھے پانچ ماہ تک جنید، پہاڑی ناہان کے علاقہ، ریاست بوڑھیا، تاج والا بدھا وغیرہ میں کام کر رہے تھے ایمان لانے والے سکھ بھائیوں نے ان کی ضیافتیں کیں۔ ادھر جمعیۃ علماء کے اکابر مولانا مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا محمد میاں وغیرہ نے مشرقی پنجاب اور راجستھان کے الور، بھرت پور، وغیرہ اضلاع میں اپنے

منچھے منچھائے ورکرس کو روانہ کیا۔ حکومت ہند پر دباؤ ڈال کر ایسے سرکلر جاری کرائے اور پورے صوبہ میں تقسیم کرائے جن میں کہا گیا تھا کہ ۱۹۴۷ء سے قبل جو لوگ جس مذہب پر تھے اس پر ان کو قائم رہنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ حکومت کسی کا مذہب بدلوانے کے حق میں نہیں ہے۔ ہوا یہ تھا کہ فرقہ پرستوں نے سادہ لوح میو قوم کو ورغلا کر اور دھمکا کر ان کے مذہب کو تبدیل کرا دیا تھا اور یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ حکومت کا آرڈر ہے کہ زبردستی لوگوں کا مذہب تبدیل کر دیا جائے۔

بھٹنڈا جہاں حافظ وہاج احمد ریلوے اسٹیشن پر کام کرتے تھے، پنجاب کا ایک مقام ہے۔ جو کچھ پورے صوبہ پنجاب میں ہو رہا تھا وہاں بھی ہو رہا تھا، وہاں بھی خوف ودہشت کا ماحول تھا، بھٹنڈا کی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ حافظ وہاج احمد جیسے انسان دوست، شفیق ومہربان دین دار متبع سنت وشریعت اور خلیق وملنسار شخص کو بھی گنڈوں اور فسادیوں نے نہیں بخشا اور ان کو اور ان کے خاندان کے سات افراد کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔ مسعودہ اس وقت بمشکل ۱۳ سال کی تھی، اسی سال اس نے نویں کلاس کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا تھا، اس کو اغوا کر لیا گیا اور اس کی ماں رشیدہ بیگم کو پاکستان میں دھکیل دیا گیا، مسعودہ کی بڑی بہن طاہرہ بیگم فسادیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئیں۔ اس کے چار بھائی شہید اور لاپتہ ہوگئے اور خود مسعودہ اپنے والدین اور اہل خاندان کی شہادت اور گمشدگی کے بعد درندہ صفت انسانوں کے چنگل میں گرفتار ہوگئی۔ اس کو ایک دور افتادہ گاؤں میں مصیبتوں کے دن گزارنے پڑے۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے مگر بزرگوں کی گود میں کھیلی اور تعلیم سے آراستہ مسعودہ ہمیشہ ہمت سے کام لیتی رہی اور موقع کی تلاش میں رہی، دو سال کی طویل مدت گزارنے کے بعد آخر کار اس کو ایک موقع مل ہی گیا اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ انگریزی گورمکھی اور ہندی زبانوں

سے واقفیت کی بناء پر سری گنگا (ریاست بیکانیر) میں اس کو بچوں کو پڑھانے کی جگہ مل گئی۔ یہاں آ کر اس کو ملک کے حالات معلوم ہوئے اور یہیں سے اس نے مغویہ لڑکیوں کو برآمد کرنے والے ایک ادارہ کا پتا لگایا اور کارروائی شروع کر دی پھر ایک دن جالندھر سے اسٹاف آیا اور وہ فیروز پور کیمپ اور وہاں سے جالندھر اور لکھنو لائی گئی اور اطلاع ملنے پر اس کے چھوٹے ماموں حافظ عبد العلام اس کو لکھنو سے گھر لائے۔ مسعودہ کی بچھڑی ہوئی ماں بھی مل گئیں۔ دونوں ماں بیٹیاں ایک مکان میں رہنے لگیں۔ اب ان کے ذمہ دو ہی کام تھے۔ بچوں کی تعلیم اور اللہ کی عبادت مگر ابھی مزید امتحان سے انہیں گزرنا تھا، ظالم کپور جس نے پہلی بار مسعودہ کا اغوا کیا تھا پوری طرح مسلح ہو کر رات کی تاریکی میں گھر کے اندر گھس پڑا اور مسعودہ کو کلوفارم سنگھا کر بے ہوش کر کے اٹھا لے گیا۔ رشیدہ بیگم نے حملہ آوروں کی پہلے تو خوشامد کی پھر ان ظالموں کا بے جگری سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ خود بھی شہید ہو گئیں۔ ان کے جسم پر سامنے کی طرف تیرہ زخم تھے۔

ظالم کپور سے جبراً دو اولادیں بھی ہوئیں جن کو مسعودہ بیگم نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ یہ میری اولاد نہیں ہیں نہ مجھے ان سے محبت ہے۔ مجھے اگر محبت ہے تو اپنے دین سے، اپنے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، ظالموں سے اور ظلم کی نشانیوں سے مجھے نہ محبت ہے نہ تعلق۔

ظالموں نے مسعودہ پر سہارن پور کی عدالت میں مقدمہ بھی دائر کیا تھا۔ اس مقدمہ کی ایک طویل داستان ہے جس کو بیان کرنے اور سننے کے لئے پتھر کا کلیجہ چاہئے۔

۱۲ر جولائی ۱۹۵۳ء کے روزنامہ آزاد ہند کلکتہ کے اداریہ میں اس کے ایڈیٹر مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی ''قوم کی بیٹی مسعودہ'' کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں۔

سہارن پور کی عدالت میں مسعودہ بیگم کا وہ مشہور و معروف مقدمہ چل رہا ہے جس میں مسعودہ بیگم کو اغوا کیا گیا اور زبردستی کئی سال ملزموں نے اپنے ساتھ رکھا۔ اس مقدمہ کی جو تفصیلات اخبارات میں آرہی ہیں وہ بڑی دردناک ہیں، جنہیں پڑھ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور جسم جھرجھری محسوس کرتا ہے، ہندوستان اور پاکستان میں فسادات کے دنوں میں عورتوں پر جو ظلم ہوئے ہیں، وہ اتنے بھیانک ہیں کہ ان کی یاد سے کلیجہ پھٹتا ہے اور آج جب کہ مسعودہ بیگم عدالت میں اپنی بپتا سنا رہی ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کی ہزاروں عورتیں بول رہی ہیں جنہیں مذہب کے نام پر موت سے بدتر سزائیں دی گئیں۔ مسعودہ پر جو ہولناک مصیبتیں غیر مسلموں کے ہاتھوں ٹوٹی ہیں، اتنی ہی سخت یا اس سے بھی زیادہ مسلمانوں کے ہاتھوں نازل ہوئیں مگر یاد رہے مسعودہ کو برباد کرنے والے غیر مسلم آدمی نہیں تھے، حیوان تھے، راکشس تھے، راون تھے، اور غیر مسلم عورتوں کی بربادی جن نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں ہوئی، وہ بھی انسان نہیں تھے، شیطان تھے، ان شیطانوں، راکشسوں اور راونوں نے دل کھول کر کے اچھوتی کلیوں کو پامال کیا، عصمت کی دیویوں کو برباد کیا۔''

کپور سکھ فرقہ کا ایک فرد تھا، اگر وہ ظالم زندہ ہے تو اس کو یقیناً اندازہ ہو گیا ہوگا اور مر چکا ہے تو اس کی قوم کو بخوبی علم ہو چکا ہے ظلم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

گندم از گندم بروید جو زجو
از مکانات عمل غافل مشو

ظلم کی ٹہنی کبھی نہیں پھلتی۔ اسی ملک میں ۱۹۸۴ء میں سکھوں کے ساتھ کیا ہوا، یقیناً ظلم ہوا، زیادتی ہوئی، ناحق ان کا قتل ہوا مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ مکافات عمل نہیں تھا؟

بازیابی کے بعد مسعودہ سے کہا گیا کہ وہ پاکستان جانا چاہتی ہے تو اس کے سفر کا بندوبست کیا جاسکتا ہے، اس وقت اس نے برسر عدالت کہا تھا ''میں اپنے وطن ہی میں زندہ رہنا اور مرنا چاہتی ہوں، میرے آبا و اجداد ہندوستان کی مٹی میں ہی دفن ہیں، انہوں نے اس ملک کے لئے خون دیا تھا، اگر اس کے لئے میرا بھی خون بہتا ہے تو میں خوشی سے اپنا خون بہانے کے لئے تیار ہوں، رہی بات بچہ کی تو زبردستی کے بچے کسی کے نہیں ہوتے''۔

روزنامہ ''اسٹیٹس مین'' ۱۱؍اپریل ۱۹۵۵ء کے مطابق تقسیم ہند کے آٹھ سال بعد سینیر ریلوے افسر آفتاب احمد صدیقی مرحوم کی کوششوں سے مسعودہ کے بھائی اعجاز احمد کا پتہ چلا۔ مرحوم آفتاب احمد صدیقی مسعودہ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ بزرگوں اور قومی وملی رہنماؤں سے ان کے اچھے روابط تھے۔ مشہور ملی رہنما اور قائد ممبر پارلیمنٹ مولانا سید احمد ہاشمی غازی پوری سے بھی ان کے قریبی تعلقات ومراسم تھے۔ راقم کی بھی مرحوم سے یاد اللہ تھی اور جمعیۃ علماء ہند کے دفتر (جو اس پر آشوب دور میں مظلوموں اور مصیبت زدوں کی چارہ گری کا واحد مرکز تھا) اور جمعیۃ بلڈنگ میں اکثر ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔ آفتاب احمد صاحب نے بھٹنڈا کے اسٹیشن ماسٹر کلونت رائے گپتا سے رابطہ کر کے ۱۹۵۵ء میں مرحوم اعجاز احمد کو ڈھونڈھ نکالا تھا۔ ان تمام ہیجان انگیز حالات اور عدالتی کارروائیوں کے بعد مسعودہ تین ماہ تک دہلی میں رہی۔ اچانک رمضان کے مہینہ میں اس پر ٹائیفائڈ کا حملہ ہوا اور مالک حقیقی سے جاملی اور نانوتہ میں اپنی شفیق اور بہادر ماں کے پہلو میں جاسوئی۔

ایک شاعر دختر اسلام مسعودہ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

تو نے چھوڑا جنتِ شداد کو
تو نے ٹھوکر مار دی اولاد کو

ہاں مگر اسلام کو چھوڑا نہیں
رشتۂ توحید کو توڑا نہیں
اے شہیدانِ وفا کی داستان
تجھ پر نازاں ہیں زمین و آسماں

مسعودہ بیگم کے چار ماموں تھے، سب سے بڑے حکیم محمد احمد جو مشہور مجاہد آزادی تھے دوسرے مفتی محمود حسن گنگوہی تیسرے مولانا عبدالسلام اور چوتھے حافظ عبدالعلام، یہ سب کے سب اللہ والے تھے اور اپنی بہن اور بھانجی پر جان چھڑکتے تھے۔ قسمت کی نیرنگی دیکھئے کہ ان بزرگوں کو تقسیم ہند کے بعد وطن عزیز میں کیسے کیسے زخم سہنے پڑے اور مسعودہ کی ہمت کی داد دیجئے کہ اس نے اللہ اور رسول کی محبت اور اپنے دین کی خاطر کیا کیا مصیبتیں نہیں اٹھائیں، جان، مال، عزت آبرو ماں باپ، بھائی بہن، اور اولاد سب کو قربان کر دیا مگر پیارے دین اسلام اور توحید کا دامن نہیں چھوڑا، یہ بھی غور طلب ہے کہ حصول آزادی کے بعد علماء حق، مجاہدین آزادی اور ان کے خاندان اور کنبہ والوں اور عام مسلمانوں کو جان و مال اور عزت و آبرو کی کتنی قیمت چکانی پڑی۔ آزادی کی خاطر جن بزرگوں نے طرح طرح کی اذیتیں جھیلیں ان کو آزادی کے بعد پابند سلاسل کیا گیا، غدار وطن کہا گیا اور ستایا گیا۔

اللہ کی مرضی کے آگے سب بے بس ہیں۔ مسعودہ نے کل ۲۳ برس کی عمر پائی مگر اس نے جو زندگی گزاری وہ سرفروشانہ زندگی تھی، مجاہدانہ تھی اور مثالی تھی۔ اس خون چکاں داستان میں ہمارے لئے ہماری بہنوں اور بیٹیوں کیلئے کتنا سبق ہے۔

☆☆☆

عید الفطر کا پیغام

”یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰاکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ. وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ“۔ (البقرہ:۱۸۵-۱۸۶)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

میرے بھائیو، دوستو، عزیزو اور بزگورا! میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی سورہ بقرہ کی وہ آیتیں تلاوت کیں جن کا تعلق رمضان المبارک سے ہے اور جن کی ابتداء ہوتی ہے: ”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ“۔ (البقرہ:۱۸۳)، اور اسی میں یہ آیت ہے: ”شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْآنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ“۔ (البقرہ:۱۸۵)۔

اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، اس کا منشا اور ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے۔ (وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ

الْعُسْرَ) ”وہ تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا“۔ یہ ۳۰ یا ۲۹ دن کے جو روزے ہیں کوئی پہاڑ نہیں ہیں، یہ مسلسل چلتے ہیں، جلد ختم ہو جاتے ہیں، اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: (وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ) ”اور تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اللہ نے تم کو ہدایت دی، اللہ نے ہدایت کی جو نعمت تم کو عطا فرمائی ہے، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ ”وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ“۔ اور تا کہ تم شکر کرو۔

اللہ جل شانہ نے اس آیت میں عید کا بھی ذکر کر دیا، عید کا نام تو نہیں لیا، لیکن عید کا مقصد اور عید کا وظیفہ، عید میں کرنے کا کام، یہ سب اس میں آ گیا، کہ جب اللہ تعالیٰ رمضان میں روزہ کی توفیق دے، رمضان آئے اور خیریت کے ساتھ، توفیق الٰہی کے ساتھ، دن کے روزوں کے ساتھ رات کی عبادتوں کے ساتھ گزر جائے۔ (وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ) اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اللہ نے ہدایت دی، ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا، اور پھر توفیق دی، اگر ان میں سے ایک چیز بھی نہ ہوتی تو کہاں کا رمضان اور کہاں کا روزہ؟ دنیا میں پچاسوں قومیں ہیں، سینکڑوں قومیں ہیں، وہ اتنا جانتی ہیں کہ رمضان کا مہینہ مسلمانوں میں آتا ہے، جیسے ہمارے یہاں مہینہ آتا ہے۔ انہیں پتہ بھی نہیں چلتا کہ کب رمضان آیا اور کب ختم ہو گیا؟ اور ان کے مہینوں اور رمضان میں کیا فرق ہے؟

تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی، ہم کو اسلام کی دولت سے نوازا۔ جس نے ہمیں صحت دی، ایسی صحت جس سے روزہ رکھ سکیں، اور پھر اس کے بعد سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ توفیق دی، سب کا انحصار توفیق پر ہے۔ ساری چیزیں جمع ہیں، مگر توفیق نہیں تو کچھ نہیں، یعنی روزہ رکھنے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، عمر تو اللہ کے فضل سے زندگی ہے، جوانی چاہئے، بلوغ چاہئے، تو وہ بھی موجود ہے، صحت چاہئے تو وہ بھی موجود ہے، اور روزے کے مسئلے معلوم ہونے

چاہئیں، تو وہ بھی معلوم ہیں، حکومت روکتی، قانون روکتا، یا ڈاکٹر ہی نے کہا ہوتا کہ تمہارے لئے روزہ رکھنا نامناسب ہے، نقصان دہ ہے، تو یہ بھی نہیں ہے، پھر روزہ کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ توفیق نہیں ہے۔

توفیق وہ چیز ہے جس کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہو سکتا، توفیق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا رحمت کا ارادہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کا اس کے دل میں یہ خیال اور جذبہ ڈال دینا کہ یہ کام کرنا ہے، تمام رکاوٹوں اور موانع کو ہٹا دینا ہے، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فیصلہ کرنا کہ یہ کام ہو، یہ شخص روزہ رکھے، نماز پڑھے، ان سب کے مجموعے کا نام توفیق ہے، اتنی لمبی جو ہم نے عبارت بیان کی وہ عربی کے قرآن مجید کے ایک لفظ میں آگیا ہے، اس کا نام ہے ''توفیق''۔

آپ اپنے محلہ میں دیکھیں گے، کہ ماحول موجود، سارے اسباب موجود، شرائط موجود، فضا موجود، لیکن روزہ نہیں، اس لئے کہ توفیق نہیں، اب اللہ نے تم کو ساری چیزیں اور ساتھ میں توفیق بھی عطا فرمائی، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو، (وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰاكُمْ)۔

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

چنانچہ مسنون بھی یہ ہے کہ عید آئے، عید الفطر ہو، تو آہستہ آہستہ تکبیر کہتا ہوا آئے اور عید الاضحیٰ ہو تو ذرا بلند آواز سے ''اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد'' پکارتا ہوا آئے اور مسنون یہ ہے کہ ایک راستہ سے جائے اور دوسرے راستہ سے آئے، تاکہ ساری فضا اس سے معمور ہو جائے، اور وہاں کے رہنے والوں کے کانوں میں یہ فضا پڑ جائے، اور وہ زمین گواہی دے، اور جب تک عید کی نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے، یہ کہتا رہے: (وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

تَشْکُرُوْنَ) تاکہ تم شکر کرو کہ اللہ نے ہمیں توفیق دی، اللہ نے ہم سے روزے رکھوائے، کوئی بیماری وغیرہ کے باعث چھوٹ گیا تو اس کے لئے بھی نیت اچھی کی، اور دنیا میں جتنے بھی خوشی کے تہوار ہیں، سب میں خوشی ہوتی ہے، یعنی اس میں جو فرائض ہوتے ہیں روزمرہ کا جو معمول ہے، وہ بھی معاف ہو جاتا ہے، لیکن اسلام تنہا مذہب ہے کہ اس میں خوشی کے دن کام بڑھا دیا جاتا ہے، کام ایسا بھاری نہیں ہوتا کہ آدمی کہے کہ کام نہیں ہوتا، نہیں بلکہ کام ایسا مبارک ہوتا ہے، ترقی دینے والا ہوتا ہے، اور معقول ہوتا ہے اور انسانیت و شرافت کا ہوتا ہے، یہ جو دو رکعتیں آپ نے پڑھیں، وہ روزہ کی نہیں ہوتیں، ہاں کوئی اشراق و چاشت پڑھے، جو فرض و واجب نہیں ہیں، لیکن عید کی نماز بڑھا دی گئی۔ اور تہوار آپ دیکھیں گے تو اس میں عبادات معاف ہو جاتے ہیں کوئی پوجا کرے یا نہ کرے، چرچ جائے نہ جائے، کرسمس ہے، چھٹی کا دن ہے، اور یہاں تو کام بڑھا دیا گیا کہ فجر کی نماز، پھر ظہر کی نماز، درمیان میں دوگانہ اور بڑھا لیں، یہ ہے اسلام میں شکر کا طریقہ، چھٹی نہیں ہے بلکہ یہ بات یہ ہے۔

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

اس امت کو سبق یاد ہو گیا ہے، الحمد للہ! ساری امتیں سبق بھلا بیٹھیں، بات یہ ہے کہ روئے زمین میں کوئی امت ایسی نہیں جس کو سبق یاد ہو، تنہا یہ امت ہے جس کو سبق یاد ہے، کچا پکا جیسا بھی ہو، تو جب اس کو سبق یاد ہوا چھٹی نہیں ملی، سبق یاد کرنے والے لڑکے کو، مکتب میں پڑھنے والے کو چھٹی نہیں ہے، بلکہ اس کی ذمہ داریاں ہیں اور اس کو اپنی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے، اس سے اس میں اضافہ ہوگا، کمی نہیں ہوگی۔

تو دو رکعت یہ، اور فطرہ الگ دینا پڑتا ہے، ہر وقت کی بات نہیں، دوسرے ادیان کے تہواروں میں یہ نہیں، بلکہ وہاں تو کھاؤ پیو، وہاں معاملہ یک طرفہ ہے اور

یہاں لینے سے زیادہ دینا ہے، غریبوں کو فطرہ دو، اللہ کے سامنے دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھو اور پھر تکبیر پڑھو اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ "وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ"۔

دنیا حقیقی عید سے محروم ہے

یہ ایسا تہوار ہے کہ امت کو اس میں چھٹی نہیں ملتی اور اب ضرورت ہے کہ ہم مسلمان اپنے دین پر از سر نو قائم اور پختہ ہوں، اس دین کا ایسا مظاہرہ کریں، اور دین کا ایسا نمونہ پیش کریں، دنیا کے سامنے لائیں، کہ دنیا کی بھی عید ہو جائے، بہت دن سے دنیا کی عید نہیں ہوئی ہے، دنیا عید سے محروم ہے، دنیا حقیقی عید سے محروم ہے، یہ سب جعلی باتیں ہیں، کہاں کا کرسمس، اور کہاں کی ہولی، دیوالی، لیکن دنیا کی حقیقی عید صدیوں سے نہیں ہوئی، اور پھر مسلمان مسلمان بن جائیں، دنیا کی عید ہو سکتی ہے، دنیا حقیقی عید کو ترس رہی ہے، نہ امن ہیں، نہ اخلاق ہیں، نہ انسانیت ہے، نہ شرافت ہے، نہ قدر شناسی ہے، نہ خدمت کا جذبہ ہے، نہ خدا کی یاد ہے، نہ خدا کی شناخت ہے اور نہ پہچان ہے، کچھ نہیں ہے کہاں کا تہوار سارے تہوار جو ہیں، یہ بچوں کے سے کھیل ہیں، جیسے بچوں کی کوئی ذمہ داری نہیں، کھیلیں، کودیں، کھائیں، پیئیں اور خوش و خرم رہیں، کچھ فکر نہیں، ایسے ہی دنیا کی قومیں بچوں کی طرح خوشیاں منا رہی ہیں، لیکن حقیقی خوشی نصیب نہیں۔

آج دنیا کو عالمی سطح پر ایک عید کی ضرورت ہے، وہ عید مسلمانوں کی کوشش سے ہی آسکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمان خود اپنی عید کا شکر صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر پاتے اور اس کے معنی صحیح طور پر نہیں سمجھتے، آپ جہاں رہیں ثابت کریں کہ آپ کوئی اور قوم ہیں، افسوس کہ اس کو آنکھ ترس رہی ہے، سب ایک جیسے، وہ بھی رشوت

لیتے ہیں، ہم بھی رشوت لیتے ہیں، وہ بھی سود کھاتے ہیں، ہم بھی سود کھاتے ہیں، وہ بھی پیسہ کا پجاری ہیں، بھوکا اور شائق ہے، یہ بھی پیسہ کا بھوکا ہے، یہ بھی آرام طلب ہے، وہ بھی آرام طلب، اس کو بھی کسی کی فکر نہیں کہ دنیا میں کیا گزر رہی ہیں، محلہ پڑوس میں کیا گزر رہی ہے، یہ بھی ایسا ہی، مسلمان ایسا نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَيَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا“ تم حقیقی مسلمان بنو گے، اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہیں شان امتیازی عطا فرمائے گا، دور سے پہچانے جاؤ گے، دیکھو مسلمان آرہا ہے۔

یہ حالت تھی قرون اولیٰ میں کہ ملک کے ملک مسلمان ہوئے مسلمانوں کو دیکھ کر، سمجھانے بجھانے میں، دلیل لانے، مطمئن کرنے میں تو برسوں لگ جاتے ہیں، تو کیا بات ہے؟ مصر پورا کا پورا مسلمان ہوگیا، تہذیب بدل گئی، رسم الخط بدل گیا، طور وطریق بدل گیا، اور اسی طرح کیا عراق پورا کا پورا مسلمان تھا؟ کیا شام پورا کا پورا مسلمان تھا؟ سب دوسرے ادیان کے ماننے والے تھے، عیسائی تھے، یہودی تھے، اور بت پرست تھے، زبانیں جداگانہ تھیں، اور کلچر بھی الگ، تو گویا کہ سانچہ میں ڈھال دیا گیا ہو، مشین سے ڈھلا ڈھلایا نکلا ہو، ہندوستان میں یہ نہیں ہوا، جو لوگ آئے ان کے اندر یہ روح نہیں تھی، جو عربوں میں تھی کہ وہ جہاں جاتے تھے پورا کا پورا ملک مسلمان بنادیتے تھے، ساتھ کھانا، ساتھ پینا، اونچ نیچ سب ختم، سب انسان ہیں، کوئی فرق نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے: ”اِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ، وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ اِلَّا بِالتَّقْوٰى“. ”تمہارے باپ بھی ایک تھے، تمہارا رب بھی ایک، اب باپ بھی ایک، رب بھی ایک“۔

چنانچہ جہاں عرب گئے، وہاں دین بدل گیا، تہذیب بدل گئی، رسم الخط بدل گیا، لباس بدل گیا، زبان بدل گئی، لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے یہاں ہندوستان

میں آٹھ سو سال حکومت کی، مگر کوئی فرق نہیں ہوا، کوئی تبدیلی نہیں آئی، کیوں کہ ہم میں مساوات نہیں، ہم میں اخوت نہیں، یہاں حاکم ومحکوم کا فرق، اور وہاں حاکم ومحکوم کا فرق نہیں رہا، اللہ ہمیں آپ کو توفیق دے کہ ہم جہاں جائیں اسلام کا نمونہ پیش کریں، کچھ تو اسلام کا نمونہ پیش کریں، ہماری نگاہیں نیچی ہوں، نامحرم پر نظر نہ پڑے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا''۔ (سورہ الفرقان:۶۳)

ہم اس طرح چلیں کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، ہم راستہ کے کانٹے ہٹائیں، ہم پانی کو ضائع ہونے سے بچائیں، ہم ہمسایہ کیا، شہر میں کسی بھی رہنے والے کو تکلیف نہ ہونے دیں، ہم ضرورت پر مدد کرنے کو تیار رہیں، لوگ دیکھیں کہ پیسہ روپیہ ان کے نزدیک فیصلہ کن نہیں ہے، فیصلہ کن ارادۂ الٰہی ہے، فیصلہ کن حکم الٰہی ہے، یہ بڑی سے بڑی رقم چھوڑ سکتے ہیں، لاکھوں کی رقم پر لات مار سکتے ہیں، ٹھوکر مار سکتے ہیں، مگر اصول کے خلاف شریعت کے خلاف نہیں جاسکتے، یہ نمونہ آج دکھانے کی ضرورت ہے۔ اللہ جل شانہ ہمیں اپنی جگہ پر بھی مسلمان بنائے، اور دوسروں کے لئے بھی ایسا پرکشش، جاذب نظر، قابل احترام مسلمان بنائے کہ لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچیں اور بڑھیں۔

☆☆☆

ریچل کوری خاتون کی بہادری

''ریچل کوری'' ۱۰ اپریل ۱۹۷۹ء کو امریکہ کے شہر ہوسٹن میں پیدا ہوئی۔ ابتدائی تعلیم واشنگٹن کے ایک اسکول سے حاصل کی۔ ''اولمپیا'' کے مشہور زمانہ ''کیپٹل ہائی اسکول'' سے گریجویشن کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے ''وی ایورگرین اسٹیٹ کالج'' کا رخ کیا۔ ریچل کوری اپنے دوستوں سے اکثر کہتی تھی: ''میری خواہش ہے میں ایک کامیاب آرٹسٹ یا ایک مشہور و معروف لکھاری بن جاؤں''۔ ریچل کوری کی زندگی دوسرے امریکیوں کی طرح تھی۔ وہ صبح اٹھتی، کالج جاتی، دوستوں کے ساتھ وقت گزارتی اور رات گئے واپس آتی، لیکن ۲۰۰۱ء کے آخر میں اس کی زندگی یکسر تبدیل ہوگئی۔ اس نے یونیورسٹی سے ایک سال کے لئے چھٹی لی اور انصاف اور امن کے لئے کام کرنے والی ایک تنظیم ''اولمپیا موومنٹ فار جسٹس اینڈ پیس'' میں شامل ہوگئی۔ ۲۰۰۲ء تک وہ اس تنظیم کے لئے کام کرتی رہی۔ اس تنظیم کے ساتھ کام کرتے ہوئے اس نے ظلم وستم اور ''بربریت'' کے کئی واقعات دیکھے۔ ان واقعات نے اسے انتہائی حساس بنا دیا۔ خصوصاً فلسطینیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی ویڈیوز دیکھ کر وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ پاتی۔

ان مظالم کو دیکھ کر ریچل کوری نے دنیا بھر کے مظلوموں، خصوصاً بے یار ومددگار فلسطینیوں کے لئے کچھ کرنے کی ٹھانی۔ اس مقصد کے لئے جنوری ۲۰۰۳ء میں اس نے ایک تنظیم ''انٹرنیشنل سالیڈریٹی موومنٹ'' میں کام شروع کر دیا۔ اس تنظیم کے بانیان میں فلسطینی نژاد ''غسان اندونی'' کے علاوہ ایک یہودی ''ہوید اعراف'' اور چند عیسائی بھی تھے۔ اس تنظیم کے چار بنیادی مقصد تھے: نمبر ایک ایسے علاقوں کو تلاش کرنا جہاں فلسطینی کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہوں۔ ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جا رہا ہو اور ان کا کوئی پرسان حال نہ ہو۔ یہ تنظیم اپنے ذرائع سے ایسی ممالک کی حکومتوں کو متوجہ کرتی۔ ان کے لئے خصوصی وظائف کا اہتمام کرتی۔ اس تنظیم کا دوسرا مقصد یہ تھا ذرائع ابلاغ کو اسرائیلی جارحیت اور فلسطینیوں کی مظلومیت کی طرف متوجہ کیا جائے۔ خصوصاً میڈیا کو باور کرایا جائے کہ امریکی امداد کے بل بوتے پر فلسطینیوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ جب تک اس امداد کو نہیں روکا جاتا اس وقت تک فلسطینیوں کا خون بہتا رہے گا۔ اس تنظیم کا تیسرا مقصد یہ تھا کہ ہر ملک سے کچھ لوگوں کو اکٹھا کیا جائے، انہیں تربیت دی جائے اور فلسطین میں ناجائز یہودی قبضے کے خلاف ان سے پر امن احتجاج کروایا جائے۔ اس تنظیم کا چوتھا کام یہ تھا کہ یورپ اور امریکہ میں بینک بیلنس رکھنے والے لوگوں کو تلاش کیا جائے، ان سے درخواست کی جائے کہ اپنے ملکوں پر اسرائیل کے خلاف دباؤ ڈالوائیں، اپنے ممالک کو مجبور کریں کہ وہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات پر نظر ثانی کریں۔

یہ تنظیم ۲۰۰۱ء میں قائم ہوئی تھی۔ ۲۰۰۳ء میں ریچل کوری جونہی اس میں شامل ہوئی، چند ہفتوں میں اس کی مقبولیت کا گراف بلند ہو گیا۔ جہاں کہیں کوئی اہم واقعہ ہوتا، ریچل کوری وہاں موجود ہوتی۔ ۲۲ جنوری ۲۰۰۳ء کو اس تنظیم کی طرف سے ایک مظاہرے میں شرکت کے لئے ریچل کو مغربی کنارے بھیجا گیا۔ اسے دو

دن تک پر امن مظاہرے کے لئے ٹریننگ دی گئی۔ مارچ ۲۰۰۳ء میں جب امریکہ عراق پر جارحیت کا ارتکاب کر رہا تھا تو اس کے خلاف پوری دنیا میں مظاہرے شروع ہو گئے۔ "رفاہ" میں فلسطینیوں نے کئی بڑے مظاہرے کیے۔ ریچل کوری نے ان میں نہ صرف شرکت کی بلکہ امریکی میڈیا نے ان مظاہروں کو غیر معمولی کوریج دی۔ اس کی اہم ترین وجہ یہ تھی کہ ریچل نے امریکی شہری ہوتے ہوئے ایک مرتبہ امریکی جھنڈا نذر آتش کر دیا۔ جب "مڈل ایسٹ براڈ کاسٹنگ نیٹ ورک" نے ریچل سے اس نفرت کی وجہ پوچھی تو اس نے دوٹوک جواب دیا: "امریکہ کی سرپرستی میں فلسطینی مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی منظّم سازشیں ہو رہی ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اسرائیلیوں نے پورے علاقہ کو گھیرے میں لے رکھا ہو اور امریکہ اس کی پشت پر کھڑا ہو"۔ پھر ریچل کوری کی زندگی میں ۱۶ رفروری کا دن طلوع ہوتا ہے۔ ایک ایسا دن جو اس کے لئے تو موت کا پیغام لے کر آ رہا تھا لیکن اسرائیل کی درندگی کو دنیا بھر میں آشکار کرنے کا عنوان بن رہا تھا۔ ریچل کو بتایا گیا کہ "حی السلام" نامی محلے میں اسرائیلی فوج مکانات گرانے آئی ہے۔ وہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچی اس نے دیکھا اسرائیلی فوج دیوہیکل بلڈوزر لائی ہے۔ اور ایک ایک کر کے فلسطینیوں کے گھر مسمار کر رہی ہے۔ ریچل نے اپنے معاون کارکنوں کے ذریعے وہاں مذمتی بینر لگائے اور "میگا فون" کے ذریعے اعلان شروع کر دیا۔ اس نے اسرائیلی فوج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "مظلوم فلسطینیوں کے مکانات گرانا سب سے بڑی دہشت گردی ہے"۔ لیکن اقوام متحدہ کی قراردادوں کو جوتے کی نوک پر رکھنے والوں کو اس "نحیف آواز" کی کیا پرواہ تھی؟ چنانچہ اسرائیلی بلڈوزر آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مقررہ ہدف سے صرف چند میٹر کے فاصلے پر رہ گئے۔ اب ریچل کوری نے ایک ایسا فیصلہ کیا جس کا تصور کرتے ہی کپکپی طاری ہو جاتی

ہے۔اس نے اعلان کیا: ''اس محلے تک بلڈوزر میری لاش پر سے گزر کر جائے گا''۔ میڈیا اور دیگر افراد نے یہ اعلان سنا تو سنسنی پھیل گئی۔

سب کو یقین ہو گیا تھا کہ اسرائیلی فوج واپس ہو جائے گی۔ وہ ایک امریکی کی جان کبھی نہیں لے گی۔ مگر بچھو سے خیر کی کیا توقع رکھی جاسکتی ہے؟ پھر سب نے دیکھا بلڈوزر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ ریچل مسلسل انتباہ کرتی رہی۔ بلڈوزر چلانے والے نے اپنے دائیں دیکھا۔ یہودی فوج کی طرف سے ''گرین سنگل'' مل چکا تھا، کیمرے کی آنکھ اس منظر کو محفوظ کر رہی تھی۔ وہاں موجود لوگ لرزاں تھے۔ اسرائیلی فوج کا بلڈوزر مزید آگے بڑھا۔ چند فٹ کا فاصلہ رہ گیا۔ تب بھی ریچل کے پاؤں میں لغزش نہ آئی۔ وہ استقامت کے ساتھ کھڑی رہی اور پھر اس کی آخری چیخ سنی گئی۔ ''کیٹر پلر'' کا بھاری بھرکم بلڈوزر اس نحیف لڑکی کے جسم کو کچلتا ہوا آگے نکل گیا۔ پوری دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ کس طرح اسرائیلی درندوں نے ''امن فاختہ'' کو شکار کرلیا۔ ریچل کوری کے جسم سے خون کے فوارے پھوٹنا شروع ہوئے اور اسرائیل کی درندگی اور بربریت کی ایک ایسی مثال دنیا کے سامنے آگئی، جسے جھٹلانا ناممکن نہ تھا۔ یہ ریچل کوری کی حقیقی داستان ہے۔ آپ انٹرنیٹ پر جاکر (Reachel Corrie) سرچ کریں۔ آپ کے سامنے خون میں لت پت تصاویر آئیں گی۔ ریچل کوری کی پوری زندگی آپ یہیں دیکھ سکتے ہیں۔ ریچل کی طرف بڑھنے والے اس دیو قامت بلڈوزر کا نظارہ کرسکتے ہیں۔ اس کے والدین کے جذبات اور احساسات ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ مجھے یہ مظلوم امریکی اس لئے یاد آرہی ہے کہ آج ایک خبر نے اسے پھر سے زندہ کردیا۔ خبر ہے: ''اسرائیلی فوج نے غزہ کے لئے امداد لے جانے والے ایک اور بحری جہاز ''ریچل کوری'' پر بھی قبضہ کرلیا ہے۔ واضح رہے کہ ''ریچل کوری'' انسانی حقوق کی ایک امریکی امدادی کارکن تھی۔ وہ ایک

اسرائیلی بلڈوزر کے نیچے دب کر اس وقت ماری گئی جب غزہ میں فلسطینیوں کے مکانات کو منہدم ہونے سے روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

یہ فلسطین اور اہل فلسطین کی خوش قسمتی ہے کہ اسرائیل اس وقت پوری دنیا کو للکارتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ جو لوگ اسرائیل کو صرف مسلمان کا دشمن سمجھتے تھے، آج وہ اس اسرائیل کو چالیس ممالک کو چیلنج کرتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ ذرا سوچیے: ''فریڈم فلوٹیلا'' میں عیسائی بھی تھے، یہودی بھی اور لادین بھی۔ یہ بالکل انسانی بنیادوں پر چلنے والا قافلہ تھا۔ امریکی سفیر اور نوبل انعام حاصل کرنے والے تک اس میں شامل تھے۔ ۳۵/ارکان پارلیمنٹ تھے۔ یورپ اور عرب کی ۴۴ مشہور سماجی شخصیات اسکا حصہ تھیں۔ ساٹھ صحافی اس میں موجود تھے۔ گویا یہ چالیس ممالک کا نمائندہ قافلہ تھا۔ اس میں کوئی ہتھیار تھا نہ اب تک اس سے کوئی دھماکہ خیز مواد برآمد کیا جا سکا۔ لیکن اسرائیل نے مہذب دنیا کی تاریخ میں ایسی جارحیت کی، جس کی مثال نہیں ملتی۔ اس نے امریکی سفیر کا خیال نہ کیا۔ وہ امریکہ جس نے اس وحشیانہ اقدام کے خلاف قرارداد کی مخالفت کی۔

اندازہ کیجیے ۳۲ ممالک میں سے صرف تین ممالک ایسے بدقسمت تھے جنہوں نے بے ضمیری کی نئی مثال قائم کی۔ ان میں ایک امریکہ تھا۔ وہائٹ ہاؤس کے ترجمان ''رابرٹ گبس'' سے جب وجہ پوچھی گئی تو کیا خوب کہی: ''مذمت کے ذریعے ہم مرنے والوں کو واپس تو نہیں لا سکتے''۔ سننے والوں کو حیرت ہوئی۔ اگر ایسی ہی ہے تو پھر نائن الیون کے واقعے میں مرنے والے صرف تین ہزار امریکیوں کے لئے افغانستان کو کیوں تاخت و تاراج کیا گیا؟ کیا مرنے والے واپس آ گئے؟ کیا ہزاروں لوگوں کو زندگی بھر کے لئے معذور کرنے سے ہلاک ہونے والے امریکی واپس آ گئے۔

دراصل اس وقت اسرائیل دنیا میں عالمی غنڈے کا کردار کر رہا ہے اور امریکہ اس کی سرپرستی کر رہا ہے۔ اس عالمی غنڈے نے ۲۰۰۷ء میں غزہ پر ہونے والی جارحیت میں سینکڑوں لوگوں کو شہید کیا۔ بچوں کا قتل عام کیا۔ خاندان کے خاندان کا صفایا کیا۔ آج بھی غزہ میں پندرہ لاکھ انسان محصور ہیں۔ ۲۳ میں سے پندرہ ہسپتال اس کے ہاتھوں تباہ ہو چکے ہیں۔ ۱۱۰ میں سے ۴۲ ڈسپنسریاں اس کی بربریت کا شکار ہو چکی ہیں۔ ادویات کی عدم دستیابی سے ہر طرف موت کے مناظر ہیں۔ ایسے موقع پر ''ریچل کوری'' کی طرح مئی کے اواخر میں چند باضمیر اٹھے تو عالم اسلام کو ان کے لئے ڈھال بننا چاہئے تھا۔ لیکن پورے عالم اسلام میں صرف ترکی جس نے اس پر لبیک کہا۔ اس بار ترکی کا انداز بھی نرالا تھا۔ اس نے ایسی خوبصورتی سے دنیا کے چالیس ممالک کو اسرائیل کا خونخوار چہرہ دکھایا جس کی مثال نہیں ملتی۔ یقیناً اس قافلے میں بیس لوگ بھی مارے گئے، لیکن یہ لوگ ایسا چراغ روشن کر گئے جو ایک عرصے تک جلتا رہے گا، اسی کو دیکھ کر آئرلینڈ سے ''ریچل کوری'' ایک بار پھر زندہ ہو گئی ہے۔ اگرچہ ''ریچل کوری'' کو اسرائیل نے اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ لیکن غبار سے ہوا نکل چکی ہے۔ مایوسی کے بادل کافی حد تک چھٹ چکے ہیں۔ دنیا کے انصاف پسند ممالک بھی آگے بڑھ رہے ہیں۔ بس اب کمی ہے تو مسلم ممالک کی مضبوط پوزیشن کی۔ کیا ہی بہتر ہو اسلامی دنیا خصوصاً پاکستان اور سعودی عرب جرأت کر کے ایک بیڑا ''شیخ یسین'' کے نام سے غزہ بھجوا دیں! (بشکریہ دعوت)

☆☆☆

دونوں کی محنتوں سے گھر چمن بنتا ہے

اگر غور کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ ایسے گھرانے خوشحال اور ترقی پر ہیں جن گھرانوں میں بچوں کی تعلیم و تربیت اور پرورش میں شوہر کی محنت اور مشقت کے ساتھ ساتھ بیوی کی کفایت شعاری، خدمت اور محبت کے جذبات ہوں، گھریلو نظام کے چلنے میں صرف مرد ہی کا ہاتھ نہیں ہے بلکہ اس میں عورت کا بھی ایک الگ کردار ہوتا ہے۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض کیا جائے کہ مرد محنت و مشقت سے کمار ہا ہے گرمی اور سردی، بارش اور دھوپ کی فکر کئے بغیر دن رات روزی روٹی کی فکر میں مشغول و مصروف ہے اور جو کچھ بھی حاصل ہو رہا ہے اپنے گھر لا رہا ہے اور ہر قسم کا غلہ، ترکاری اور میوے لا کر گھر میں ڈال دے رہا ہے تو کیا محض مرد کے اس عمل سے کام چل جائے گا، گھریلو نظام پورا ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں مرد کی محنت کو کار آمد بنانے میں عورت کا ہاتھ ہوتا ہے، اب وہ مرد کی محنت کو سلیقہ اور قرینہ سے فائدہ مند بناتی ہے وہ مرد کے مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے اور اس کے بچوں کے لئے کھانا تیار کرتی ہے۔ سلیقہ سے دسترخوان بچھاتی ہے، وقت پر ہر چیز تیار کرتی ہے،

گھر کو صاف ستھرا رکھتی ہے، بچوں کو وقت پر اسکول روانہ کرتی ہے۔ مرد کے کپڑوں کی صفائی کا اہتمام کرتی ہے۔ بہر حال خانہ داری کے جتنے اہم اور ضروری امور ہیں انہیں انجام دیتی ہے۔

اگر مرد یہ کہے کہ میں حاکم ہوں، میری ہی محنت سے سب کچھ ہو رہا ہے میرے ہی بل بوتے پر گھر کا نظام چل رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ مرد کی غلط فہمی ہوگی۔ گھر کے نظام کے چلنے اور چلانے میں میاں بیوی دونوں کا ہاتھ ہے، دونوں کی محنت سے گھر جنت نما بنتا ہے۔ دونوں کی فکر سے گھر چمنستان بنتا ہے دونوں کے مشترکہ منصوبے سے بچے ماہر اور قابل بنتے ہیں، دونوں کے اتحادِ عمل سے ایک اچھا خاندان وجود میں آتا ہے۔

اگر میاں بیوی کو درخت سے تشبیہ دی جائے تو یقیناً مناسب بلکہ انسب ہوگا کہ درخت صرف تنوں، شاخوں اور پتوں کا نام نہیں ہے بلکہ درخت کا تصور جڑ سے شروع ہوتا ہے، جس طرح شاخوں اور ڈالیوں اور پتوں کا اپنی جگہ ایک مقام ہے، بالکل اسی طرح جڑ کا بھی اپنا ایک مقام ہے، فرق صرف یہ ہے کہ جڑ زمین کے اندر ہوتی ہے اور تنا شاخ اور پتے زمین کے اوپر فضاؤں پر رہتے ہیں، شاخوں اور پتوں کی جس طرح اہمیت ہے اس جڑ کی بھی اپنی جگہ اہمیت ہے، جو زمین کے اندر رہ کر جڑ کو مضبوط کر رہی ہے بالکل اسی طرح وہ مرد جو گھر کے باہر محنت کر رہا ہے اس کی بھی اپنی جگہ اہمیت ہے اور وہ عورت جو بیوی بن کر گھر کے اندر ہی اندر رہ کر محنت کر رہی ہے اس کی بھی اپنی جگہ اہمیت ہے۔

عورت گھر کے اندر رہ کر مرد ہی کے مشن کو مضبوط کر رہی ہے، اس کے منصوبے کو پورا کر رہی ہے، مرد کی آرزو اور تمنا عورت کے بغیر ناممکن ہے، مرد کی آروز ہوتی ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو تو کیا عورت کے بغیر اولاد کا تصور ممکن ہے؟

مرد کی تمنا ہوتی ہے کہ اس کے جذبات کی تسکین ملے کیا یہ عورت کے بغیر ممکن ہے؟ بہر صورت خاندانی نظام کے لئے جہاں مرد کی اپنی جگہ اہمیت ہے وہیں عورت کی بھی اپنی جگہ اہمیت ہے۔

تقویٰ کی طاقت: ''یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً''۔ (سورۃ النساء:۱)

حقوق کی دو قسمیں ہیں: (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق، توحید، نماز، روزہ اور حج وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا ہوتے ہیں اور پاکیزہ معاشرت، صاف وشفاف معاملات اور عمدہ اخلاق وکردار کے ذریعہ بندوں کے حقوق ادا ہوتے ہیں، بندوں کے حقوق میں چند حقوق ایسے ہیں جن کو ادا نہ کرنے کی صورت میں قانون کے زور سے ادا کرایا جاسکتا ہے۔ جیسے خرید وفروخت میں اگر خریدنے والا بیچنے والے کا حق ادا نہ کرے اور قیمت نہ دے تو قانون کے زور سے خریدنے والے سے حق ادا کرایا جاسکتا ہے۔ محنت ومزدوری کی اجرت اگر مالک نہ دے تو قانون کی قوت سے محنت ومزدوری کی اجرت حاصل کی جاسکتی ہے۔ لیکن بعض حقوق ایسے ہیں جن کی ادائیگی کیلئے قانون کی قوت یا حکومت کا زور نہیں چلتا وہاں صرف ایک ہی کام کرسکتی ہے وہ ہے تقویٰ کی قوت۔ وہ حقوق ماں باپ اور اولاد کے درمیان شوہر اور بیوی کے درمیان ہوتے ہیں، بیٹا باپ کا حق اسی وقت ادا کرتا ہے جب کہ بیٹے کے دل میں تقویٰ اور خوف خداوندی ہو، شوہر بیوی کے حقوق اسی وقت ادا کرے گا جب کہ شوہر کے دل میں تقویٰ اور پرہیز گاری ہو۔

تقویٰ اور پرہیز گاری وہ سوپر پاور طاقت وقوت ہے کہ آدمی عدالت کے جج کے سامنے نہیں جھکتا، جلاد کے کوڑوں کے سامنے نہیں جھکتا، جیل کی سزاؤں کے سامنے نہیں جھکتا، بندوق کی گولیوں کے سامنے نہیں جھکتا، تلوار کی نوک کے سامنے

نہیں جھکتا، تقوی اور پرہیز گاری ایسی قوت وطاقت ہے کہ جس کے دل میں یہ دولت ہے وہ کسی کا حق پامال نہیں کرتا۔ ہر ایک کو اس کا حق بلکہ حق سے زیادہ دینے کی فکر کرتا ہے اس کو یہ اندیشہ اور فکر لاحق ہوتی ہے کہ اگر حقوق کی ادائیگی میں کمی بیشی ہو جائے تو کل قیامت کے دن میرے نیک اعمال لے لئے جائیں گے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا۔ الخ

اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک ہی ذات سے (آدم سے) اس طرح پیدا فرمایا کہ پہلے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا اور پھر اسی جوڑے کے ذریعہ بہت سے مرد اور عورتیں پیدا فرمائیں۔

یہ وہ آیت ہے جو خطبہ نکاح میں سب سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور مرد اور عورت کو ازدواجی زندگی کے آغاز پر تنبیہ کی جاتی ہے کہ جس اللہ کا نام لے کر تم دو اجنبی مرد اور عورت ایک بن رہے ہو، تمہاری زندگی کے سارے معاملات کی بنیاد تقوی پر ہونی چاہئے۔ تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنا چاہئے اور جب تم سب کے سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو تو تمہیں آپس میں ہمدردی و خیر خواہی کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے ایک دوسرے کے دکھ درد کو سمجھنا ایثار و رحمدلی سے کام لینا ہے۔ خدمت، اطاعت اور کشادہ دلی جیسے اوصاف کو اختیار کرتے ہوئے اپنی زندگی کو شیریں تر بنانا ہے اور ایک ایسے خاندان کا وجود بخشنا ہے جس میں شرافت اور تقویٰ ہو، محبت و الفت ہو، سخاوت و خوشدلی اور دنیا اور آخرت کی کامیابی کی فکر بھی ذہن میں سوار ہو۔

مرد اور عورت

اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی قانون نہیں بنایا کہ مرد کے اعمال کا ثواب الگ اور عورت کے اعمال کا ثواب الگ ہے۔ مرد کے اخلاص کو تولنے کا پلڑا الگ اور عورت

کے اخلاص کو تو لنے کا پلڑا الگ بلکہ دونوں کے عقائد دونوں کی عبادتوں، دونوں کے اعمال صالحہ، وسیۂ دونوں کی سزا اور جزا دونوں کے لئے دخول جنت ودوزخ کے شرائط ایک ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: ''وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتَ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْراً''۔ (سورہ النساء:۱۲۴)

''اور جو کوئی اچھے کام کرے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان رکھتا ہو سو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا حق تل بھر بھی ضائع نہیں ہوگا''، اس آیت نے واضح کر دیا کہ جنت میں داخلہ کے لئے مرد اور عورت دونوں کا ایک ہی معیار ہے۔

نیز اجر وثواب دیئے جانے کے اعتبار سے مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اگر ایک مسلمان مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اگر ایک مسلمان مرد صبر کرتا ہے تو اس کو بھی وہی اجر وثواب ملے گا جو ایک عورت کو اس کے صبر کرنے پر ملتا ہے۔ ایک عورت کو روزہ رکھنے پر جو ثواب ملے گا وہی اجر وثواب مرد کو روزہ رکھنے پر ملے گا جس کا اخلاص جس رتبہ کا ہوگا اسی کے برابر ثواب ہوگا قرآن مجید نے اس حقیقت کو یوں واضح کیا ہے۔

''اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصّٰبِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْراً وَّالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْراً عَظِيْماً''۔ (الاحزاب:۳۵)

''بیشک جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، اور روزہ رکھنے

والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے''۔

ان آیات کے علاوہ دیگر بیسیوں آیات ہیں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ جزا وسزاء نیکی اور گناہ کے معاملہ میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

''مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ''۔ (مومن:۴۰)

''جو برائی کرے گا اس کو اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنی اس نے برائی کی ہوگی اور جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے جہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا''۔

''اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْماً جَهُوْلاً. لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْراً رَّحِيْماً''. (الاحزاب: ۷۲-۷۳)

(مولانا غیاث احمد رشادی)

☆☆☆

میاں بیوی کیلئے بنیادی تعلیمات

تمہید: تمام کبائر جیسے کفر، شرک، شراب، زنا، چوری، جوا اور قتل ناحق سے مکمل اجتناب کریں۔

تمام منکرات جیسے ظلم، زیادتی، جھوٹ دغابازی، خیانت، ریاکاری، چغل خوری، غیبت، عہد کی خلاف ورزی، علم نجوم اور سحر و جادو سے اجتناب کریں۔

تمام منہیات جیسے رشتہ داروں سے تعلقات منقطع کرنا، اکل حرام، پڑوسیوں، رشتہ داروں، بیوی، بچوں کے حقوق کی پامالی، غرور و تکبر، جھوٹی گواہی محصنات پر تہمت لگانا، اللہ کے راستے سے روکنا، آپس میں فتنہ فساد برپا کرنے سے اجتناب کریں، جن جن صفات دین کو اللہ نے پیدا کرنے کا حکم دیا ہے، اسے اپنے اندر بدرجہا اتم پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

خالص عقیدہ، صحیح فکر، نیکی، تقویٰ، صبر و تحمل، عفو و درگذر، حلم و بردباری، وسیع النظری، علم و فہم، تدبر و فراست، احتساب نفس، صلہ رحمی، اسلامی اٹوٹ محبت، اتحاد و اتفاق، بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت، محتاجوں، کمزوروں، غریبوں، قیدیوں، مسافروں کی خدمت جن باتوں پر اللہ و رسول نے مامور کیا ہے ان کو حسن و بخوبی کے

ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہمیشہ متحرک و منہمک رہنا، اصلاح، منکرات، منہیات دعوت الی اللہ، خدمت خلق، تربیت، ترغیب، جدوجہد فی سبیل اللہ جیسے اہم بنیادی اصل حیات ہیں، مسلمان میاں بیوی کو خوشحال اسلامی زندگی گزارنے کے لئے چند اہم ضروری اصول۔

شوہر کے اصول

۱-شوہر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی سے محبت کرے اس کے ساتھ رحم وکرم وشفقت کا معاملہ کرے۔۲-شوہر بیوی پر اتنا گھریلو کام کاج کا بوجھ نہ ڈالے، جس سے اس کی صحت پر اثر پڑے اور آرام میں خلل پڑے بلکہ شوہر اگر ہو سکے تو خود گھریلو کاموں میں بیوی کا ہاتھ بٹائے۔

۳-شوہر بیوی کو مشترکہ خاندانوں میں رہنے کے لئے مجبور نہ کرے۔

۴-شوہر بیوی سے بدکلامی نہ کرے بلکہ نزاع کی صورت میں افہام وتفہیم سے کام لے۔۵-سخت سے سخت مالی مشکلات اور معاشی پریشانیوں میں بیوی کو ہرگز مجبور نہ کرے کہ پیسوں کا بندوبست کرے یا مال کما کر یا قرض کہیں سے لائے۔

۶-شوہر کے لئے ضروری ہے کہ بیوی کی حتی الوسع ہر جائز خواہش کو پورا کرے اور خوشحال رکھنے کی کوشش کرے۔

۷-شوہر کو ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے درمیان سہولتوں کو فراہم کرے، اوقات، اخراجات، مال و دولت کی تقسیم میں عدل وانصاف سے کام لے۔

۸- بیوی کے بھائی اور بہن نہ ہونے کی صورت میں ضعیف ساس وخسر کی دیکھ بھال کے لئے ان کی خواہش کے مطابق اپنے ساتھ رکھنے میں تردد سے کام نہ لے۔

۹- شوہر بیوی کے مال و دولت کو بطور امانت رکھے، اسے ہرگز تصرف میں نہ لائے یہ شوہر کے وقار کے خلاف بات ہے، کیوں کہ ذرہ برابر اونچ نیچ مسائل پیدا کرسکتے ہیں۔

۱۰- شوہر بیوی کے اچھے مشوروں اور کارآمد باتوں کو ضرور تسلیم کرے، لیکن آپسی محبت بیوی غلامی میں نہ تبدیل ہوجائے اور نہ ہی چند عرصہ گزارنے کے بعد بیوی خاندان پر خودساختہ حاکم بن جائے اس کا خاص خیال رکھے۔

۱۱- سسرالی رشتہ داروں اور اپنے بھائی بہن، والدین ورشتہ داروں کی مہمان نوازی، خدمت وتعاون میں توزن برقرارر کھے۔

۱۲- شوہر بیوی کی فضول خرچی وشاہ خرچی، اسراف کے تمام دروازے محبت سے بند کردے۔ اہلیہ وبچوں کو حساب وکتاب سے خرچ کرنے کا پابند بنائے۔

۱۳- شوہر بخل سے کام نہ لے اور نہ جائز ضرورتوں کے لئے ہاتھ روک دے، بلکہ وقت ضرورت علاج، صحت، سیر وتفریح اور اچھے کھانوں اور لباس پر اعتدال کے ساتھ خرچ کرے۔

۱۴- نامحرم سسرالی خواتین خاص کر سالیوں سے پردہ کرے ان کی نشستوں میں نہ بیٹھے بلکہ ان سے محتاط رویہ رکھے۔

۱۵- شوہر گھر پر غیرضروری طور پر روزانہ رات دیر گئے تک اپنے دوستوں کی ہنسی ٹھٹھا کی محفلیں نہ جمائے اور نہ ہی بیکار لوگوں کے لئے اڈہ کے طور پر گھر کا کوئی کمرہ گوشہ استعمال کرے، دعوتوں کا ضرور اہتمام کرے، لیکن دوستوں کی محفلوں کو مقصدی نہ بنائے۔

۱۶- دوست واحباب کی فیملی بے پردہ، بے تکلف ہو تو اپنی فیملی کو بھی بے پردہ اور بے تکلف نہ ہونے دیں۔ ایسے فیملی روابط سے اجتناب کریں۔

۱۷- اپنے مسائل ومشکلات سے کسی حد تک بیوی کو واقف کروایا جائے، بھیانک مسائل اور پریشان کن معاملہ کے سلسلہ میں خاموش رہیں کیوں کہ اکثر ناتجربہ کار بھولی بھالی عورتیں بہت جلد پریشان ہو جاتی ہیں۔

۱۸- شوہر کا اپنی بیوی کو دن بھر کی دوڑ دھوپ کی تفصیلی رپورٹ دینا بھی مناسب نہیں بلکہ شوہر مردانہ کی باتوں کو مردانہ کی حد تک رکھیں تو بہتر ہے۔

۱۹- شوہر بیوی کی خیر وحق، دعوت الی اللہ کے کاموں کی ترغیب دے اور انفرادی واجتماعی طور پر جدوجہد فی سبیل اللہ سے منسلک کرانے کی حتی المقدور کوشش کرے۔

۲۰- اللہ کی رضا کے لئے بیوی کو ہر بڑی چھوٹی قربانی کے لئے تیار کریں، پکوان اور روزمرہ کے معاملہ میں سختی نہ کریں بلکہ سختی دعوت الی اللہ اور جدوجہد فی سبیل اللہ کے سلسلے میں کریں، ایک جانب اپنے آرام اور روزمرہ کے امور کی انجام دہی کے لئے سختی اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا پھر دوسری جانب سلسلہ میں کوئی توجہ نہ دینا مسلمان شوہر کا شیوہ نہیں۔

۲۱- شوہر بیوی کو گھر میں الکٹرانک تفریحات کے مضر اثرات سے واقف کروا کر اس سے اجتناب کرنے کی ترغیب دے اور فلمی ویڈیو، آڈیو کیسٹس اور انٹرنیٹ کی فحاشی پر پابندی لگائیں، عدول حکمی کی صورت میں سختی سے ان برائیوں کو گھر سے نکال کر کریں لیکن سختی اتنی نہ کریں کہ وہ شدت اختیار کر جائے اور مار پیٹ شروع ہو جائے۔

۲۲- بیوی کی تباہ کن فیشن پرستی، حد سے زیادہ آزادی، فسق وفجور کے میلانات کے باوجود اصلاح کی تمام تر کوشش کے باوجود کوئی تبدیلی نہ آئے تو ایسی اہلیہ سے ہمیشہ کے لئے دوری اختیار کر لینا بہتر ہے تاکہ نئی نسل کے ایمان واسلامی کردار کو محفوظ رکھا جا سکے۔

بیوی کے لئے اصول

۱- بیوی کیلئے لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے صحیح مومنہ بننے کی کوشش کرے، حرام، منکرات، اور منہیات سے اجتناب کرتے ہوئے فرائض وواجبات، سنن اور مستحبات کی پابندی کرے۔

۲- شوہر کو ہر حال میں خوش رکھے، گھر کے ماحول کو خوشگوار بنائے رکھے، بستر سے لے کر دستر خوان تک اس کی خوشی کا خیال رکھے۔

۳- بغیر شوہر کی اجازت سے کسی سے قرض نہ لیں، اپنے اور اندرونی خواہشات کو کنٹرول میں رکھنے کا مادہ پیدا کرے۔

۴- بیوی شوہر کی آمدنی پر نظر رکھے اور اگر رشوت، سود، دھوکہ دہی حرام طریقوں سے کمایا گیا مال ہو تو بیوی پر لازم ہے کہ وہ شوہر کو ترغیب دے کہ حرام آمدنی کے ذریعہ گھر کا خرچ چلانا بند کرے، بار بار ترغیب دلانے کے باوجود اصلاح نہ ہو تو اپنا کھانا بند کرے اور میکے میں اپنا انتظام کرلے، لیکن حرام لقمے کو حلق سے نہ اتارے۔

۵- حجاب وپردہ کا سخت اہتمام کرے جب بھی باہر نکلے حجاب کے ساتھ نکلے، بغیر شوہر کی اجازت کے نامحرم اور غیر معروف لوگوں کو نہ آنے دے اور نہ ہی غیر معروف محرم ومعروف رشتہ داروں کے گھر بلا ضرورت بار بار جائے۔ ۶- شوہر کی اجازت کے بغیر روزمرہ کے اخراجات کے علاوہ بڑے بڑے خرچے نہ کرے اور نہ ہی فضول خرچی کرے بلکہ امین کے طور پر مال کی حفاظت کرے۔

۷- اپنی خواہشات کی تکمیل کا مطالعہ شوہر کے بجٹ کے لحاظ سے کرے، زیورات اور کپڑوں کے لئے اتنا پریشان نہ کرے کہ بار بار قرض لینے کی نوبت

آئے۔معاشی تنگی، سخت دشوار کن حالات میں شوہر کی ہمت باندھے اور حالات کا مقابلہ کرنے میں شوہر کا ساتھ دے، ان حالات میں استقامت کے ساتھ شریک حیات کا مکمل ساتھ دے۔

۸-سسرالی رشتہ داروں سے نفرت نہ کرے اور نہ ہی ان کی عمومی خدمت اور مہمان نوازی سے کترائے،صحت مند ساس وخسر کی خدمت گو کہ لازم نہیں ہے لیکن اسلامی جذبہ خدمت کے تحت ان کی حتی المقدور خدمت کی کوشش کرے اور ضعیفی میں انہیں گھر سے نہ نکالے، نندوں اور ساس دوسرے کی اہانت سے پرہیز کرے، رشتوں کا احترام کرے۔

۹-سسرالی نامحرم رشتہ دارو سے پردہ کرے اور خاص کر دیور، جیٹھ نندوئی وغیرہ سے بھی مکمل پردہ کرے،سسرال زیر پرورش بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے اور مہمان نوازی میں کوئی کسر باقی نہ رکھے،غریب سسرالی رشتہ داروں کا خاص خیال رکھے۔

۱۰-شوہر کے دوست واحباب کے تعلق سے معلومات رکھے، بدکردار، بداخلاق اور برے دوستوں سے دور ہونے کی شوہر کو ترغیب دے اور کوشش کرے کہ شوہر اچھے صاف ستھرے نیک ماحول میں ہمیشہ رہے۔

۱۱-شوہر اپنی دوسری بیویوں سے عدل وانصاف کا معاملہ کرے تو اعتراض نہ کرے اور نہ ہی اپنی سوتن کو برا بھلا کہے،سوتنوں سے اچھے تعلقات قائم رکھے اور حسن اخلاق سے پیش آئے۔

۱۲-گھر پر فضول قسم کی خواتین کی آمد ورفت کو محدود کر دے، اور مجالس غیبت وبہتان ہرگز جمنے نہ دے، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوست واحباب کے خلاف غیبت،چغلی حسد بدگوئی نہ کرے اور نہ ہی کسی کے نجی معاملات میں دخل دے۔

۱۳-شوہر کبائر فسق وفجور میں ملوث ہونے اور حرام ومنکرات میں شرکت نہ کرنے کی ترغیب دے، باز نہ آنے پر بستر سے علیحدہ ہو جائے، تقویٰ اور نیکی بات یہ ہے کہ شوہر اکثر اصلاح اور توبہ کے لئے ہرگز تیار نہ ہو تو اس سے خلع لے لے۔

۱۴- اگر شوہر دین کی سرگرمیوں اور اللہ کے کاموں سے روکے، اور "یصدون فی سبیل اللہ" اللہ کے راستے سے روکنے کا کام کرے تو ایسے شوہر کے ساتھ زیادہ دن ازدواجی زندگی گزارنا جائز نہیں ہے۔

۱۵-شوہر کے ظلم وزیادتی کی صورت میں حتی المقدور خود کو شوہر سے باز رکھنے کی کوشش کرے، دینی شعور بیدار کرے اور شوہر کی جہالت دور کرے، مسلسل ظلم کی صورت میں صرف والدین، بھائی یا بہن کے ذریعہ معاملہ کو حل کرے، میکے کے لوگ نہ ہونے کی صورت میں کسی اسلامی ادارے، تنظیم، جماعت یا عالم دین سے رجوع کرے، ان تمام کوششوں کے باوجود شوہر کی اصلاح نہیں ہونے پاتی ہے تو پھر شریعت اسلامی کی اجازت کے مطابق علیحدگی اختیار کرے۔

۱۶-گھر کے کام کاج میں کوئی سستی، کاہلی نہ کرے، اگر نوکر ہو تو تب بھی کچھ نہ کچھ کام کر لینا بہتر ہے، گھر کو صاف وشفاف رکھے، سلیقہ رکھ رکھاؤ گھر کی ترتیب وتزئین میں کوئی کسر باقی نہ رکھے۔

۱۷-معاشی حالات خراب ہونے اور شوہر کی آمدنی کے معاملہ میں بے بس ہونے پر حدود اللہ میں رہ کر جائز آمدنی کے ذرائع پیدا کرنا احسن ہے، نوکری اور ذاتی قرض کے بوجھ اور سماج کے لعن طعن سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ کہ بیوی اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کے ذریعہ کما سکتی ہے چوں کہ خاندان کی کفالت کی ذمہ داری مرد حضرات کی ہے اسی لئے عورت پر لازم نہیں ہے کہ وہ کمائے، مخصوص

میدان عمل میں ....وہ کام کرسکتی ہے اور خاندان کو غربت وافلاس سے بچاسکتی ہے یا پھر بحالت مجبوری آمدنی کا ذریعہ پیدا کرے۔

۱۸- بیوی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنے اخلاق وعادات، طور طریقوں اور سلوک وتعلقات میں بہترین نمونہ بن جائے، نیکی، تقویٰ خیر واصلاح کے کاموں میں سب سے مقدم رہے، بیوی کی ایک ایک حرکت کا اثر بچوں پر پڑتا ہے، اور بچے شعور کو پہنچنے سے پہلے پہلے ہی ماں کی فطرت اور مزاج کو قبول کر لیتے ہیں۔

۱۹- بیوی اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو ہمیشہ بڑھانے کی کوشش کرے، فاضل اوقات میں مطالعہ کا شوق پیدا کرے، ذہنی صلاحیتوں کے ذریعہ تعلیم وتربیت میں اپنا منفرد ع مقام بنائے۔

۲۰- اپنی ذات اور شخصیت میں ایسے بہترین اخلاق وکردار پیدا کرے کہ عامۃ الناس زیادہ قریب ہوں، اپنی ذات کو ہمیشہ ضرورت مند حاجت مندوں کے لئے نافع بنائے رکھے، اسلامی معاشرہ میں غیر نافع کی کوئی اہمیت نہیں۔

یہ چند بنیادی اصول ہیں جو ایک خوش حال، صالح زندگی کیلئے ضروری ہیں۔

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ کی انسانیت نوازی

حضرت مولانا وارث مظہری لکھتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ ایک انسان اور انسانی صفات وخصوصیات کے حامل تھے۔ وہ فرشتہ نہیں تھے لیکن تمام انسانوں اور فرشتوں سے افضل وبرتر تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک صفت کا جس کا قرآن میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، آپ کا خلق عظیم ہے، جس کی تکمیل کے لئے، خود آپ کے بقول، آپ دنیا میں مبعوث کیے گئے تھے۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق کا ایک اہم پہلو آپ کی انسانیت کو مکرم ومعزز بنایا ہے۔ (بنی اسرائیل:۷۰)

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں اس کے متعدد عملی مظاہر پائے جاتے ہیں۔ ایک اہم مظہر یہ ہے کہ آپ اپنے کٹر دشمنوں کے تعلق سے بھی انسانیت کے منافی عمل کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ مدینہ میں ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو بلاقصور قتل کردیا تو قصاص میں آپ نے اس مسلمان کو بھی قتل کروادیا کہ یہی بات خلق نبوی اور عدل اسلامی کے تصور کے مطابق تھی۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ تم انصاف کو قائم کرنے والے بنو اگر

چہ وہ خود تمہارے، تمہارے والدین اور تمہارے خویش واقارب کے خلاف ہو۔ (النساء: ۱۳۵) انسانیت کی اسی تکریم کے پیشِ نظر آپ کا معمول تا کہ جب کسی غیر مسلم کا جنازہ بھی آپ کے پاس سے گزرتا تو آپ اس کے احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ (بخاری) آپ نے کبھی اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام لیں، جیسا کہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ اس لئے آپ کا دعویٰ رویہ دشمنوں کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کا تھا۔ بخاری و ترمذی کی مختلف روایتوں کے مطابق مختلف اوقات میں آپ کے بعض اصحاب نے یہ درخواست کی کہ آپ قبیلہ ثقیف یا قبیلہ دوس کے لئے بددعا کر دیں کیوں کہ ان کی ایذارسانیوں نے جینا محال کر رکھا ہے۔ لیکن ایسی درخواستوں پر آپ نے بجائے بددعا کے دعا کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ آپ سے مشرکین پر لعنت کی درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ میں لعنت کرنے والا نہیں بلکہ سراپا رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ (مسلم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نہ تو مخالفین کے عداوت وتعذیب کے رویے کو اور نہ ہی ان کے کفر وشرک کو اپنی انسانیت پسندانہ فکر اور طرزِ عمل میں خارج ہونے دیا۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اپنے قول وعمل سے انسانیت پسندی اور انسانیت نوازی کا جو ثبوت دیا، وہ پوری انسانی تاریخ کا انوکھا واقعہ ہے اسی طرح حجۃ اللہ الوداع کے موقع پر آپ نے انسانیت عظمیٰ کے تصور کی تشکیل کا جو اعلانیہ بیان فرمایا وہ اپنے آپ میں انوکھا واقعہ ہے۔ آپ نے دورِ جہالت کی بھی ایسی چیزوں اور رسوم کو جو متوارث انسانی اخلاق اور تصورِ دین کے خلاف نہیں تھے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں اس پہلو سے اصولی بحث کی ہے۔ اسی

طرح اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسجد میں ایک باب فضائل الجاہلیہ کا قائم کیا ہے۔ یعنی دور جہالت کے بعض وہ اخلاق جو اسلام کی نظر میں پسندیدہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی سماج کی بنیادوں کو ڈھانے کے لئے نہیں بلکہ مضبوط کرنے کے لئے آئے تھے۔ اس لئے انہوں نے انسانیت کے پاکیزہ ورثے کو انسان کی آگ کی نسلوں تک منتقل کرنے کی خدمت انجام دی۔ وہ کسی بھی کسی نئے دن کے بانی، کسی نئے اخلاقی تصور کے موجد نہیں تھے۔

دشمنوں کے ساتھ جنگ کے تعلق سے دنیا کا مشہور عام طرز عمل یہی ہے کہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے لیکن پیغمبر اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل بالکل مختلف تھا۔ آپ نے جنگ میں بھی اپنے اصولوں کو قربان نہیں ہونے دیا۔ ایک جنگ میں عورت کی لاش کو دیکھ کر آپ نے سخت کبیدگی اور غصے کا اظہار کیا۔ آپ کا حکم تھا کہ بوڑھوں، بچوں، خواتین، مذہبی عبادت واعمال میں مشغول غیر مسلح اور گوشہ گیر افراد کو جنگ میں بھی قتل نہ کیا جائے۔ آپ نے خود بھی جنگیں اپنے دشمنوں سے لڑیں ان کی حیثیت سراسر دفاعی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانیت پسندی کے متعدد اور متنوع پہلو ہیں۔ آپ نہایت خوش مزاج، لوگو کے ساتھ گھل مل کر رہنے والے اور سماجی تقاضوں کو پورا کرنے والے تھے۔ آپ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ آپ انسانی سماج سے کٹ کر اس کی اصلاح کی فکر کریں۔ جیسا کہ آج کی بعض اصلاح پسند جماعتوں کا شیوہ ہے۔ آپ اجتماعی کاموں میں اپنے اصحاب کا ہاتھ بٹاتے تھے، اسی طرح اپنی عائلی زندگی میں اپنی بیویوں کے بہت سے کام خود سے کر دیا کرتے تھے۔ اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے، جس طرح آج عوامی مقبولیت یا تلامذہ اور مریدوں کا مضبوط حلقہ قائم ہو جانے کے بعد عموماً لوگوں میں یہ مزاج پیدا ہو جاتا ہے، اس کے باوجود کہ آپ کے اصحاب وازواج آپ کو

اپنے سر آنکھوں پر بٹھانے والے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں، اپنی ازواج، اپنے خویش واقارب، پڑوسی، خادم، سماج کے کمزور طبقات، بچے، بوڑھے، خواتین اور فقراء ومساکین کے لئے دل دردمند رکھتے تھے۔ بچوں سے ٹوٹ کر پیار کرتے دیکھ کر بعض لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ ایسے ایک واقعے میں ایک صحابی کی حیرت پر آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے دل سے اللہ تعالیٰ نے رحمت چھین لی ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔(او لو املک لک ان نزع الله من قلبک الرحمة)(بخاری) آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کئی مرتبہ دوڑ لگائی اور اس دوڑ میں آپ جیتے بھی اور ہارے بھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات میں کسی برتن سے جس جگہ سے منہ لگا کر پیتی آپ ٹھیک اسی جگہ سے منہ لگا کر پیتے تھے۔ میں ہڈی میں لگے گوشت کو جس جگہ سے کھاتی تھی آپ بھی وہیں اپنا دانت لگا کر گوشت کھاتے تھے۔ آپ نے اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ بھی ہمیشہ احترام واکرام کا معاملہ کیا اور اسی کا حکم دیا۔ جیسا کہ حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہیں آپ نے ان کی غیر مسلم ماں کے ساتھ بہترین سلوک کی ہدایت کی تھی۔ بہت سے غیر مسلموں سے آپ کے سماجی تعلقات تھے۔ ان سے آپ لین دین کرتے تھے۔ آپ کا جس وقت انتقال ہوا اس وقت آپ کی ایک زرہ ایک یہودی کے گھر گروی تھی۔

آپ اپنے قریبی ساتھیوں سے مذاق اور دل لگی بھی کرتے تھے۔ ایسے متعدد واقعات ہیں۔ بسا اوقات بعض جاہلی شعراء کے اشعار پڑھوا کر سنتے۔ اسی طرح اس دور کے واقعات سن کر محفوظ ہوتے تھے مثلاً آپ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ اس کی مایوسی وپریشانی پر ہنس کر فرمایا کہ ظاہر ہے اہل جنت میں سارے لوگ جوان ہوں گے کوئی بوڑھا نہ ہوگا۔ ایک

شخص سے کہا کہ تم کو سواری کے لئے اونٹ کا بچہ دوں گا۔ اس کے حیرت وافسوس پر کہ اس سے تو مطلوبہ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ ہر اونٹ کسی اونٹ کا بچہ ہی تو ہوتا ہے۔ وغیرہ۔ خود آپ کے اصحاب بھی آپ سے نہایت گھلے ملے ہوئے تھے۔ بعض صحابہ خود آپ سے بھی شوخی کرلیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن حذافہ السہمی کے تعلق سے ایسے ایک واقعے کا ذکر قرطبی نے اپنی تفسیر (ج:۵،ص:۱۶۸) میں کیا ہے۔ اسی طرح غم کے مواقع پر فطری تقاضوں کے تحت آپ بھی بے چین ہوجاتے تھے۔ آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو نکلنے لگتے تھے۔ بدر کے موقع پر جب اپنے اعزہ کی موت پر دوسرے مسلمان محوآہ وفغاں تھے، آپ بھی نہایت شکستہ دل اور نمدیدہ تھے۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ ہائے حمزہ کی موت پر کوئی رونے والا نہیں ہے۔ اپنے صاحب زادے ابرہیم کی موت پر شدت غم کی کیفیت آپ سے عیاں تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آپ فجر کی نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر سوال کرتے تھے کہ کیا تم میں کوئی مریض ہے تو میں اس کی عیادت کروں، کوئی جنازہ ہے جس میں شریک ہوں۔ آپ سے ثابت ہے کہ آپ غیر مسلموں کی عیادت کے لئے بھی تشریف لے جاتے تھے۔ آپ کی انسانیت پسندی صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں تھی۔ انسانی جذبوں کے تحت آپ حیوانوں پر بھی شفقت وہمدردی کا اظہار کرتے تھے۔ آپ نے اپنے اصحاب کو حیوانوں کے تعلق سے رحم اور ہمدردی کا طرزعمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ایک ایسی بدکار عورت کے بارے میں جنت کی خوش خبری سنائی جس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلا دیا تھا اور ایک صالح عورت کے تعلق سے جہنم کا حقدار ہونے کی خبر دی جس نے اپنی پالتو بلی کو بھوکوں مار دیا تھا۔ آپ کا حکم تھا کہ اگرچہ جانور کو ذبح بھی کیا جائے تو تیز چھری سے کیا جائے تاکہ اسے مستقل اذیت برداشت کرنا نہ پڑے۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی انسانیت اور انسانیت پسندی بلا تفریق مذہب ملت انسانوں کے لئے ایک اہم عملی نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆☆☆

بحمد اللہ تعالیٰ

''عورت پر اسلام کی مہربانیاں'' تمام ہوئی!

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

خاکسار

شاہ جہاں سیما حبان بہادر پوری

مقیم سیماء منزل بنگلور کرناٹک

۲۳؍صفر المظفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۶؍دسمبر ۲۰۱۵ء بروز اتوار